
سایہ
سرفراز احمد راہی

انتساب

اُن کے نام
جن کو وہم ہے کہ
''یہ'' اور ''ایک ہی'' زندگی
محبت کے لئے کافی ہے!

''میں تمہاری بات کو سمجھ نہیں سکا۔'' ارشد جعفری نے بھنویں سکیڑ کر ڈاکٹر عابدی کو غور سے دیکھا۔

''میری بات کوئی مسئلہ فیثا غورث نہیں ہے جعفری۔'' عابدی نے سنجیدگی سے کہا۔ ''حسب عادت تم اپنی شکاریوں والی ضد پر اڑے ہوئے ہو اور بجائے اس کے کہ میری بات کو سمجھ کر میری طرف تعاون کا قدم بڑھاؤ تم ڈھاک کے تین پات کے مصداق ''میں نہ مانوں'' کی گردان کر رہے ہو۔''

''یہ بات نہیں ہے یار۔'' جعفری ہنس پڑا۔ پھر اپنی نشست پر سنبھل کر بیٹھ گیا۔

''اصل میں مجھے گولی اور بندوق کے علاوہ درمیان کا راستہ کبھی پسند ہی نہیں آیا۔ اب تم مجھے یہ روحانیات وغیرہ کا جو کڑوا شربت پلانا چاہتے ہو میں اسے اتنی آسانی کے ساتھ تو حلق سے اترنے نہیں دوں گا۔''

''تو میری بات درست ہے ناں۔'' عابدی نے اصرار کیا۔ ''تم اپنی عادت سے مجبور ہو کر میری بات کی نفی کر رہے ہو۔''

''عادت نہیں عابدی۔'' جعفری نے ہاتھ اٹھا کر جیسے احتجاج کیا۔ ''فطرت' جبلت' سرشت کے ہاتھوں مجبور ہو کر۔۔۔ اور ویسے بھی ایک پڑھا لکھا انسان ہونے کے ناطے یہ میرا حق ہے کہ میں بغیر کسی دلیل یا ثبوت کے کسی بھی بات کو تسلیم نہ کروں۔''

''ثبوت تو تب سامنے آئے گا ناں اور دلیل بھی تمہارے ذہن میں اپنی جگہ بنائے گی جب تم مجھے اس کا موقع دو گے۔''

''یعنی تم اپنی بات کو ثابت بھی کر سکتے ہو؟''

''بالکل۔'' عابدی نے اس کے لہجے کا طنز صبر کا گھونٹ سمجھ کر پی لیا۔ ''تم ذہنی طور پر اس کے لئے تیار ہو جاؤ۔ میں ثابت بھی کر دوں گا۔''

''لگتا ہے تم نے کوئی شوشہ چھوڑ رکھا ہے جس کی کامیابی کی توقع پر تم مجھے یوں قائل کرنے جا رہے ہو۔''

''یونہی سمجھ لو۔''

''تو ٹھیک ہے۔ میں تیار ہوں۔ لیکن یاد رہے میں بودی دلیلوں اور بے سروپا ثبوت پر کبھی حلوہ نہیں ہوا کرتا۔''

''میں جانتا ہوں۔ تم پھر گولی اور بندوق کی بات کرو گے اور اس مرتبہ میں نے تمہارے من پسند کھاجے یعنی گولی اور بندوق ہی کے ذریعے تمہاری سوچ کا ذائقہ بدلنے کی کوشش کی ہے۔''

''بڑے مقفع و مسجع ہو رہے ہو عابدی۔'' جعفری نے اس کی جانب بڑے غور سے دیکھا۔

''خیریت تو ہے۔''

''بالکل خیریت ہے۔''

''پاپا۔'' اسی وقت دروازے سے شعلہ جوالہ مائرہ اندر داخل ہوئی جو کالج سے لوٹی تھی۔

''ارے --- میرا بیٹا آ گیا۔'' جعفری نے خوش ہو کر ہاتھ اٹھایا اور مائرہ سیدھی اس کی کرسی کے بازو پر آ بیٹھی۔ کتابیں اس نے میز پر پٹخ دیں۔

''ہیلو انکل۔'' اس نے عابدی کی جانب مسکرا کر دیکھا۔

''ہیلو بیٹی۔'' عابدی نے خوشدلی سے جواب دیا۔

''آج جلدی کیوں لوٹ آیا میرا بیٹا۔'' جعفری نے مائرہ کو محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''بس پاپا --- گرمی نے برا حال کر رکھا ہے۔ میں آخری پیریڈ مس کر کے چلی آئی۔'' اس نے اے سی کی نرم و سرد لطافت سے سکون کشید کرتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔

''اب ہر جگہ تو ایئر کنڈیشن میسر نہیں ہو سکتا بیٹی --- کم از کم راستہ تو تمہیں قدرتی موسم کی تلخی کے ساتھ طے کرنا ہو گا۔''

''انکل --- دس بار پاپا سے کہہ چکی ہوں مجھے گاڑی لے دیں۔ ہر بار ٹال جاتے ہیں آپ ہی سفارش کر دیں۔''

''کیوں بھئی کنجوس جعفری۔'' عابدی نے موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ ''ہماری بیٹی کو گاڑی کیوں نہیں لے کر دیتے۔ اپنی کھٹارا میں کب تک اسے جانے آنے کا پابند رکھو گے؟''

''یار ایسی کوئی بات نہیں --- بس میں ذرا اس مرتبہ شکار سے واپس آ جاؤں۔ آتے ہی اسے گاڑی لے دوں گا۔''

''مائرہ کی گاڑی سے تمہارے شکار کا کیا تعلق۔'' عابدی نے حیرت سے پوچھا۔ ''کیا اس

بار تم کسی درندے کے بجائے رولز رائس کا شکار کھیلنے جا رہے ہو؟''

''بکو مت۔'' جعفری جھینپ گیا۔ ''میں نے کہا ناں۔ شکار سے واپسی پر فوراً مائرہ کو گاڑی دلا دوں گا۔ ویسے بھی واپسی تک میری گاڑی فری رہے گی۔''

''بات گاڑی کی نہیں ہے پاپا۔ اس کے ماڈل کی ہے۔ اکثر تو اس کا اے سی خراب رہتا ہے۔ پھر دس سال پہلے کا ماڈل میری سہیلیوں میں میرا مذاق اڑاتا ہے۔ آپ کو اس بات کا احساس ہی نہیں ہوتا۔''

''اچھا بھئی۔ اگر تم صبر نہیں کر سکتیں تو میں جلد تمہارے لئے گاڑی کا انتظام کروا دیتا ہوں۔'' جعفری نے ہتھیار ڈال دیئے۔

''جی نہیں۔ میں شکار پر آپ کے ساتھ جاؤں گی۔''

''اور تمہارے ایگزام۔''

''وہ دو مہینے کے لئے پوسٹ پونڈ ہو گئے ہیں۔'' مائرہ نے لاپرواہی سے کہا۔

''او کے۔'' جعفری نے شانے اچکائے۔ ''تم تیاری کر رکھو --- ہم ---''

''یار جعفری۔'' عابدی نے اس کی بات یکا یک کاٹ دی۔ ''یہ تم نے مائرہ کو کس طرف لگا دیا ہے۔ بھائی میرے یہ بیٹی ہے۔ عورت ذات ہے۔ اس کے مردوں والے شوق کو ہوا نہ دو۔ کل کلاں کو پرائے گھر جائے گی تو وہ اس کی ان باتوں کو نجانے پسند کریں یا نہیں۔''

''انکل --- مجھے پرائے گھر جانا ہی نہیں ہے۔'' مائرہ نے فیصلہ سنا دیا۔ ''جسے آنا ہے وہ اسی گھر میں آ کر رہے۔ بس۔''

وہ اٹھی۔ کتابیں سمیٹیں اور کمرے سے نکل گئی۔

''ہت تیرے کی۔'' عابدی نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔ ''جعفری تم نے بیٹی کا ستیاناس مار دیا ہے۔ وہ گھر داماد چاہتی ہے میرے یار۔ اور یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔''

''اچھی ہے یا بری۔ میں اس میں ہرج نہیں سمجھتا۔ اتنے بڑے محل سے گھر میں ہم تینوں کے سوا ہے ہی کون؟ اگر چوتھا بھی آ جائے تو ذرا رونق ہو جائے گی۔''

''پاگل ہوئے ہو؟'' عابدی نے آنکھیں نکالیں۔ ''بلا سوچے سمجھے بیٹی کی ہر بات پر لبیک نہ کہہ دیا کرو یار۔ زمانہ کیا کہے گا؟''

''دیکھو عابدی ---'' جعفری سنجیدہ ہو گیا۔ ''گھر میرا ہے --- بیٹی میری --- فیصلہ ہم دونوں کا --- جسے یہ منظور ہو گا وہی آئے گا ناں اور جو آئے گا ظاہر ہے ہماری پسند پر پورا اترنے کے بعد ہی آئے گا۔ اب اگر دونوں پارٹیاں راضی ہوں تو کوتوال کو دبلا ہونے کی کیا ضرورت

"یعنی میں کوتوال ہو گیا؟" عابدی نے برا مانتے ہوئے کہا۔

"تم نہیں یار---" جعفری جلدی سے بولا۔ "میں زمانے کی بات کر رہا ہوں۔"

"اچھا اچھا۔" عابدی نے سر ہلایا۔ "پھر بھی جعفری یہ مناسب لگتا نہیں۔"

"چھوڑو یار--- جب وقت آئے گا تب سوچیں گے۔ فی الحال تم اپنی تک بندی کو ثابت کرنے کی کوشش کرو۔ بات ادھوری ہی رہ گئی۔"

"یہ تک بندی نہیں ہے جعفری--- ایک اٹل حقیقت ہے کہ فطرت اور جبلت کا امتزاج بعض اوقات حیرت انگیز نتائج سامنے لاتا ہے۔ ایک انسان اور ایک درندہ اگر اپنی فطرت کے کسی بھی پہلو میں مماثلت رکھتے ہیں تو ان کی دوستی اور بعض حالات میں ماورائی دوستی قائم ہو سکتی ہے اور اسے کوئی چھوٹی موٹی قوت روک نہیں سکتی۔ ہاں قدرت نہ چاہے تو دوسری بات ہے!"

"لیکن اس کا کیا ثبوت ہے کہ یہاں تک بھی تمہارا کہا ہوا درست ہے؟" جعفری نے وقت گذاری کو ایک طرف رکھا اور سنجیدہ ہو گیا۔

"دیکھو---" عابدی نے سنبھل کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "تم نے کبھی کسی جانور مثلاً بلی کو دیکھا ہے کہ وہ ایک انجان آدمی یا عورت کے ساتھ ایک دو پل ہی میں گھل مل جاتی ہے جبکہ دوسرے کسی انسان کے ساتھ وہ انسیت کا اظہار کرنے میں ایک عرصہ لگا دیتی ہے۔ ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے مگر ہوتا ضرور ہے کہ وہ بلی عام بلیوں کی نسبت کچھ الگ عادات کی مالک ہوتی ہے اور وہ جس مرد یا عورت کی طرف اچانک اور شدت سے مائل ہوتی ہے اس میں بھی دوسروں کی نسبت کچھ الگ عادات پائی جاتی ہیں اور یہ وہ عادات اور وہ فطری علامات ہیں جو ان دونوں یعنی انسان اور بلی میں مشترک ہوتی ہیں۔ میں ایک اور آسان مثال سے تمہیں سمجھاتا ہوں۔"

عابدی دو ایک لمحے کو رکا۔ پھر جعفری کو پوری دلچسپی لیتے دیکھ کر اس نے وضاحت شروع کی۔

"تم نے چڑیا گھر میں ریچھ کو دیکھا ہوگا اور شاید کبھی تماشے والے کے ساتھ بھی ریچھ کو دیکھا ہو۔ ریچھ کے بارے میں عام طور پہ یہ کہانی سنائی جاتی ہے اور یہ بات پورے شد و مد کے ساتھ کہی جاتی ہے کہ وہ عورت کا عاشق ہوتا ہے وہ کسی بھی وقت عورت کو اٹھا کر لے جاتا ہے اور اس کے لئے وہ کسی دوسرے کی جان لے بھی لیتا ہے اور اپنی جان دینے سے بھی دریغ نہیں کرتا---

مگر کیا تم نے کبھی غور کیا ہے کہ ہر ریچھ ہر عورت پر عاشق نہیں ہوتا--- محلوں میں بے شمار ریچھ والے تماشا کرتے ہیں۔ چڑیا گھر میں ہزاروں عورتیں ریچھ کے پنجرے کے پاس آ کر رکتی ہیں۔

سے دیکھتی ہیں۔ کھانے کی چیز اس کی طرف پھینکتی ہیں۔ اسے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتی ہیں اور آگے بڑھ جاتی ہیں۔ ریچھ ہر عورت کے لئے مضطرب نہیں ہوتا مگر--- جس عورت کے لئے وہ بے چین ہو کر نکیل تڑانے پر اتر آتا ہے۔ چھاتی کوٹنے لگتا ہے۔ دوسرے انسانوں پر حملہ آور ہو جاتا ہے۔ اس عورت کو اٹھا لے جانے کے لئے جان پر کھیل جاتا ہے۔ وہ عورت اگر محلے میں دکھائی دے جائے تو بھی آپے سے باہر ہو جاتا ہے اور اگر چڑیا گھر کے پنجرے کے باہر اسے نظر آ جائے تو وہ سلاخوں کو اکھاڑ دینے کے درپے ہو جاتا ہے۔ اس وقت صرف اور صرف ایک ہی جذبہ اس پر غالب ہو کر اسے بے حال کر دیتا ہے۔ اس عورت کو حاصل کر لینے کا جذبہ اور جواب میں اس عورت کے دو ردعمل ہوتے ہیں۔ پہلا یہ کہ وہ خوفزدہ ہو کر گھر کے ساتویں کمرے میں جا چھپتی ہے یا چڑیا گھر سے بھاگ نکلتی ہے۔ دوسرا یہ کہ وہ ریچھ سے وقتی طور پر خوفزدہ ہوتی ہے تاہم اس کی حرکتوں کو دلچسپی سے دیکھتی اور اس کی حالت سے محظوظ ہوتی ہے۔ پہلی قسم کی عورت کو اپنے اندر موجود اس فطری تحریک سے آگاہی نہیں ہوتی جس کی لہریں ریچھ کو بے تاب کر دیتی ہیں۔ دوسری عورت کو اس پہلو سے آگاہی ہو یا نہ ہو، وہ اس صورت حال کو لاشعوری طور پر برداشت کرتی، اس سے لطف لیتی اور اس کے مابعد اثرات سے بے خبری ہی میں سہی، واقف ہونا چاہتی ہے۔ اب ان دونوں عورتوں اور اس درندے کے درمیان جو کشمکش شروع ہو جاتی ہے اس کے دو اسباب ہیں۔ دو سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں تاہم تحقیق سے جو نتائج اخذ کئے گئے ہیں وہ دو ہی پر مبنی ہیں۔

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اس درندے اور اس عورت کا عرصہ پیدائش بلکہ لمحہ پیدائش پورے چاند کے دنوں میں واقع ہوا ہو۔ دونوں پر چاند کی مقناطیسی لہروں کا جوار بھاٹا یکساں اثرات کا عکس ڈالتا ہے اور ان کی جبلت ایک دوسرے کی تلاش میں رہتی ہے۔ جہاں وہ ایک دوسرے کے سامنے آتے ہیں جبلت ان کے چاہنے یا نہ چاہنے کی پروا کئے بغیر ایک ہی جست میں بغل گیر ہو جاتی ہے۔ انسانی فطرت اور درندگی چونکہ دو الگ الگ جہات ہیں۔ اس لئے آسانی سے ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دے پاتیں، یہی وہ صورت حال ہوتی ہے جو عورت کو خوفزدہ اور درندے کو مرتعش اور مشتعل کر دیتی ہے۔

دوسری وجہ یہ سامنے آئی ہے کہ پورے چاند کی راتوں میں جنم لینے والے درندے کی جبلت صرف اس عورت یا لڑکی کی تلاش میں سرگرداں رہتی ہے جس کی رگوں میں شیر خواری کے زمانے میں کسی نہ کسی طرح کسی درندے کا خون سرایت کر گیا ہو۔

ان دونوں وجوہات کو میڈیکل سائنس تسلیم کرے یا نہ کرے، روحانیات اور ماورائی علوم کے پراسرار گوشوں میں ان اور ایسی کئی دوسری وجوہات کے لئے بہت گنجائش موجود ہے۔ میں

تمہیں اپنی کہی ہوئی ہر بات کا ثبوت دینے کے لئے ہی نہیں' اپنی ریسرچ اور علم کا دامن وسیع کرنے کے لئے بھی اس بار ایک ایسی صورت حال وضع کرنے کی کوشش میں ہوں جو طب اور روحانیت کی دنیا میں تہلکہ مچادے گی اور تم میری ہر بات کو سچ ماننے پر مجبور ہو جاؤ گے۔''

عابدی نے اپنی بات ختم کر کے سگریٹ سلگا لیا۔

جعفری نے دونوں کہنیاں رانوں پر ٹکا کر ہاتھوں سے چہرہ یوں تھام رکھا تھا جیسے ہاتھ ہٹائے تو اس کا چہرہ گھٹنوں پر گر پڑے گا۔ چند لمحے وہ پرخیال انداز میں عابدی کو دیکھتا رہا پھر اس نے اپنا انداز نشست بدلا اور ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

''ہوں۔'' وہ دونوں ہاتھ گدی پر باندھتے ہوئے بولا۔ ''تو یہ ہے تمہاری ریسرچ اور وہ مفروضے جن کے بل پر تم مجھے انسانی اور حیوانی جبلت کے امتزاج' ان کے اسباب اور نتائج کا قائل کرنا چاہتے ہو۔''

''تمہیں نہیں۔ ساری دنیا کو--- یہ میرا مقصد حیات ہے جعفری۔ میری ریسرچ میری تحقیق ایک دن ساری دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دے گی۔''

''اچھا یہ کہو--- پہلے تم ریچھ ریچھ کی گردان کرتے رہے' پھر تم نے درندے درندے کا وظیفہ شروع کر دیا۔ یہ کیوں؟''

''ریچھ بھی تو ایک درندہ ہی ہے بھائی۔ اور میری تحقیق تمام درندوں کے بارے میں ہے۔ ریچھ کی تو میں مثال دے رہا تھا۔''

''تمہارے کہنے کا مطلب ہے کہ ریچھ کے علاوہ دوسرے درندے بھی عورت کے شوقین ہوتے ہیں۔''

''ہوتے نہیں۔'' عابدی نے تصحیح کی۔ ''ہو سکتے ہیں۔ وہ بھی مخصوص حالات میں اور ہزاروں لاکھوں میں کہیں ایک۔''

''تو پھر تم ہر درندے کے بارے میں کیسے دعویٰ کر سکتے ہو کہ اس کی حیوانی جبلت انسانی اور خصوصاً نسوانی فطرت سے ملاپ پر بے تاب ہو سکتی ہے۔''

''میں نے کب ہر درندے کی بات کی ہے یار۔'' عابدی نے احتجاج کیا۔ ''ہر درندے سے مراد یہ ہے کہ جو انسانی فطرت یا جبلت کے قریب تر یا عین مطابق ہیں جیسے بن مانس' ریچھ' چیتا وغیرہ۔''

''یعنی اس میں شیر' ہاتھی' گینڈا شامل نہیں ہیں۔'' جعفری نے اس کا مذاق اڑانے کے لئے سنجیدگی کا سہارا لیا۔

''میں سب سمجھ رہا ہوں جعفری۔'' عابدی نے اسے تیز نظروں سے دیکھا۔ ''تم جتنا جی چاہے مذاق اڑالو مگر ایک دن۔''

''ہاں ہاں۔ جب وہ دن آئے گا تو دیکھا جائے گا۔'' جعفری نے جلدی سے اس کی بات اچک لی۔ مبادا عابدی پھر نہ شروع ہو جائے۔ ''فی الحال میرے ایک سوال کا جواب دو۔''

''پوچھو۔'' وہ اسے اب بھی مشکوک نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''یہ جبلت اور فطرت درندے کی تذکیر اور انسانی تانیث ہی کے گرد کیوں گھومتی ہے۔ کبھی کوئی مادہ ریچھ کسی مرد کو کیوں اٹھا کر نہیں لے جاتی۔''

''جعفری۔'' عابدی نے اسے طنزیہ نگاہوں سے دیکھا۔ ''آج مجھے شک ہونے لگا ہے کہ تم کہیں کاغذی یا صرف باتوں کے شکاری تو نہیں ہو۔''

''کیا مطلب؟'' جعفری اپنے اس پہلو پر کبھی تنقید برداشت نہیں کرتا تھا۔ اس کے لہجے میں حیرت کے ساتھ اکھڑپن بھی ابھر آیا۔

''شکاری کو اپنی فیلڈ سے متعلق ہر چھوٹی بڑی بات کا نہ سہی مگر تم جیسے منجھے ہوئے' پرانے اور شوقیہ شکاری کو تو شکار اور شکاری کے بارے میں ایسی باتوں کا علم ہونا چاہیے جو اسے علم شکاریات سے روشناس کراتی ہوں۔ میرے بھائی تم نے کوئٹے کی پہاڑیوں سے اترنے والی اس عجیب و غریب مخلوق کے بارے میں سنا تو ہوگا' دیکھا بے شک نہ ہو' جو اوپری دھڑ عورت اور نچلا دھڑ کسی ریچھ کا رکھتی ہے اور وہ کبھی کبھی کسی مرد کو اٹھا لے جاتی ہے۔''

''سب بکواس۔'' جعفری نے برا سا منہ بنایا۔ ''اخباروں کی ڈیسک نیوز--- ایسی کسی بات میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔ کیا آج تک کسی نے واپس آ کر بتایا کہ اس آدھی عورت اور آدھے ریچھ نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ ظاہر ہے جس شے کا کوئی وجود ہی نہیں ہے اس کے عمل اور اس کے افعال کا شکار کوئی کیسے ہو سکے گا اور کیا بتائے گا؟''

''اچھا--- میں بحث کو ایک طرف رکھتا ہوں۔ تم نے ریچھ کے کسی عورت کو اٹھا لے جانے کے بارے میں تو سنا ہوگا؟''

''ہاں۔'' جعفری نے صاف گوئی سے کہا۔ ''میں جب سندر بن میں شکار کھیلا کرتا تھا ان دنوں وہاں ایک ایسی واردات ہوئی تھی۔ جنگل کے قریب ایک بستی سے ریچھ کسی عورت کو اٹھا لے گیا تھا۔ ہم نے بڑی مشکل سے اس کا بھٹ تلاش کیا۔ ریچھ نے ہم سات آدمیوں کی ٹولی پر باقاعدہ حملہ کر دیا۔ میں نے تو نہیں' البتہ میرے ایک ساتھی کی گولیوں نے اس کا کام تمام کر دیا تھا۔ بھٹ میں سے ہم نے جب اس عورت کو باہر نکالا تو وہ اس بری حالت میں تھی کہ چند قدم چلنے کے

بعد ہی گر پڑی اور دم توڑ گئی۔"

"یہ---" عابدی نے جوش سے کہا۔ "یہی میں کہنا چاہتا تھا کہ درندہ اپنی طلب، اپنی جبلی طلب کی اس غیر فطری تکمیل کے لئے اس قدر بے تاب اور بے چین ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی جان پر کھیل جاتا ہے۔"

"مگر میرا سوال تو وہیں رہا--- کہ کوئی مادہ درندہ کسی انسان یعنی مرد کو کیوں اٹھا نہیں لے جاتی۔"

"بھئی لے جاتی ہے۔ اب تم نہیں مانتے اور میرے پاس سوائے سنے سنائے واقعات کے فی الحال اس سلسلے میں کوئی ٹھوس دلیل موجود نہیں ہے اس لئے میں بحث نہیں کر سکتا۔ تاہم میں جلد ہی شاید اس بارے میں بھی تمہیں مطمئن کر سکوں۔"

"اچھا عابدی۔ ابھی تم نے کہا کہ اگر کسی انسان کے بدن میں کسی درندے کا خون شیر خواری کے زمانے میں کسی طرح سرایت کر جائے تو وہ بھی اسی زمرے میں آ جاتا ہے، جس کے تحت انسانی اور حیوانی جبلت کا ملاپ خوشگوار یا ناخوش گوار ماحول میں ہونے کے امکانات ہوتے ہیں۔ تو اس کی وضاحت تم کیسے کرو گے؟"

"بھئی۔ اس میں وضاحت کی کیا ضرورت ہے۔ سیدھی سی بات ہے کہ کوئی شیر خوار اگر دودھ میں ملا ہوا یا دودھ کی جگہ کسی ایسے درندے کا خون پی لے۔ خواہ وہ چند قطرے ہی کیوں نہ ہوں، جو پورے چاند کی راتوں میں پیدا ہوا ہو تو چاند کی مقناطیسی لہریں جو سمندر میں جوار بھاٹا پیدا کر دیتی ہیں وہ اس شیر خوار کو بھی جوان ہونے پر کسی درندے کا طالب بنا سکتی ہیں یا درندے کی طلب پر اسے اس کی طرف مائل کر سکتی ہیں۔ لیکن فی الحال اس کا ثبوت میں مہیا نہیں کر سکتا۔"

"ہوں۔" جعفری کی آنکھوں میں سوچ کی پرچھائیاں ابھر آئیں۔

"مگر تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو خاص طور پر۔"

"کچھ نہیں۔" جعفری نے اسے ٹالا۔ "یونہی معلومات میں اضافے کے لئے۔ لیکن عابدی سچی بات یہ ہے کہ مجھے تمہاری کسی بات پر قطعاً یقین نہیں آیا۔ سوائے ایک بات کے۔"

"وہ کیا؟"

"سمندر میں جوار بھاٹے والی بات۔ وہ بہر حال ایک ایسا سچ ہے جسے سائنس تسلیم کر چکی ہے اور میں خود اس کے اثرات سمندر کی بپھری ہوئی لہروں پر دیکھ چکا ہوں۔"

"یہ صرف سمندر کی لہروں کی بات نہیں ہے جعفری۔" عابدی نے بڑے خواب ناک لہجے میں کہا۔ "جذبات کا یہ طوفان عام انسانوں کو بھی اتنا ہی اتھل پتھل کر دیتا ہے صرف شرط وہی ہے

کہ وہ پورے چاند کی راتوں کی پیدائش رکھتے ہوں۔ میں خود ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں جو ایسے ہی عرصہ میں پیدائش کا حامل ہے۔ آج بھی جب چاند اپنے جوبن پر ہوتا ہے تو جذباتی لحاظ سے وہ آدمی پاگل ہو جاتا ہے۔ اس کی بیوی سے لے کر اس کی دوست عورتیں تک اسے ان دنوں میں سنبھال نہیں پاتیں اور اس کی وحشت کے ہاتھوں اکثر جسمانی زخموں سے دوچار ہو جاتی ہیں۔ جونہی چاند ڈھلنے لگتا ہے وہ نارمل ہو جاتا ہے۔"

"کون ہے وہ آدمی۔" جعفری نے دلچسپی سے پوچھا۔ "کیا میں اسے جانتا ہوں؟"

"شاید--- کبھی ملواؤں گا تمہیں۔" عابدی نے مسکرا کر جواب دیا۔ "بہر حال میں مائرہ کے سلسلے میں تمہیں ایک بار پھر کہوں گا کہ اسے اتنی کھلی چھٹی مت دو۔ تم نے اس کی عادتوں کو بہت بگاڑ دیا ہے۔"

"تم اس کے چچا ہو۔ تم سمجھایا کرو ناں۔" جعفری نے اپنی بلا اس کے گلے ڈال دی۔

"اٹھارہ سال کی ہو گئی ہے۔ جس باپ نے دو ماہ کی عمر سے ماں اور باپ بن کر اس کی پرورش کی ہے، جب وہ اس باپ کی نہیں سنتی تو میری کیا سنے گی۔"

"کوشش تو کرو۔"

"نہیں جعفری--- میں رسک نہیں لینا چاہتا۔ وہ میری بہت عزت کرتی ہے اور میں نہیں چاہتا کہ اس کے انکار یا نظر انداز کرنے کے باعث اپنی توہین کے احساس کا شکار ہو جاؤں۔ ویسے بھی تم نے اسے آدھا لڑکا اور آدھی لڑکی بنا کر خود اس کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ شکار پر جاؤ گے تو وہ پورے شکاری لباس میں تمہارے ساتھ جائے گی۔ کالج جائے گی تو ایک معصوم لڑکی سے زیادہ اس پر گمان نہیں ہوتا کہ اس نوجوان بچی نے دو سے زیادہ لگڑ بگڑ، ایک ریچھ اور تین ہرن شکار کئے ہیں۔"

"ہاں---" ایک دم جعفری جیسے سب کچھ بھول گیا۔ اس کے لہجے میں فخر امڈ آیا۔ "عابدی--- تم نے اس کا نشانہ دیکھا تھا--- اس کی تینوں گولیاں ریچھ کی کھوپڑی میں ٹھکا ٹھک صحیح نشانے پر لگی تھیں--- کیا سچا نشانہ ہے میری بیٹی کا۔"

اور عابدی سر پکڑ کر رہ گیا۔ اب وہ اس عقل کے اندھے باپ کو کیا سمجھاتا کہ اس کے بے جا اور ضرورت سے زیادہ لاڈ پیار نے مائرہ کو اتنا ضدی بنا دیا ہے کہ اب وہ ہر معاملے کو نشانے کی زد پر رکھ کر ہی دیکھنے لگی ہے اور عائلی زندگی ایسی شکاریات کی متحمل نہیں ہوا کرتی۔

"اچھا بھئی--- میں تو اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔ تھوڑی دیر سونا چاہتا ہوں۔" عابدی نے سگریٹ کاٹن اور لائٹر اٹھایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"اور کھانا؟"

''وہ آج تم اور مائرہ کھاؤ--- میں صبح ناشتے میں کچھ زیادہ کھا گیا تھا- اب جی نہیں چاہ رہا-'' عابدی کمرے سے نکل گیا-

جعفری نے کچھ دیر سوچا پھر آواز دی-

''شاہینہ-''

''جی انکل-'' چند لمحوں بعد ایک اٹھارہ سالہ صاف ستھری' نک سک سے درست' جوانی کی اٹھان سے لبریز لڑکی کمرے میں آوارد ہوئی- یہ گھر کی ملازمہ تھی-

''کھانا لگا دو-''

''جی-'' وہ پلٹی-

''اور سنو-'' جعفری نے آواز دی تو وہ رک گئی-

''عابدی کھانا نہیں کھائیں گے- ہاں مائرہ سے کہو ٹیبل پر آ جائے-''

''جی-'' اس نے مختصراً کہا اور یہ جا وہ جا-

جعفری مسکرا کر رہ گیا- اسے شاہینہ کی یہ عادت بے حد اچھی لگتی تھی- اپنے کام سے کام رکھتی تھی- نہ زیادہ نہ کم' ضرورت کے مطابق بات کرتی تھی-

اس کے جانے پر جعفری پھر سوچوں میں گم ہو گیا- اسے رہ رہ کر عابدی کی بات یاد آ رہی تھی- اس کے دل میں خلش سی ہونے لگی- کہیں عابدی کا کہا ہوا درست ہی نہ ثابت ہو جائے- اس کا دماغ الجھتا چلا گیا-

O

ارشد جعفری خاندانی رئیس تھا- ماں باپ نے آنکھیں بند کیں تو اس نے رشتے داروں سے آنکھیں پھیر لیں- اصل میں اس کا شوق ہی اس قدر نرالا تھا کہ وہ عزیزوں سے تعلقات نبھانے کی فرصت نہ نکال پاتا تھا- آہستہ آہستہ لوگ باگ اس سے دور ہوتے چلے گئے اور وہ شکار اور صرف شکار کا ہو کر رہ گیا-

شادی اس نے ماں باپ کی زندگی ہی میں کر لی تھی- بیوی بے حد خوبصورت اور اللہ میاں کی گائے تھی- اسے صرف یہ پتہ تھا کہ جعفری کی بات کیسے ماننا ہے- انکار اور بحث کے جراثیم اس میں ناپید تھے اور یہ ارشد جعفری کے لئے سونے پر سہاگے والی بات تھی-

یہ اس وقت کی بات ہے جب مشرقی پاکستان ابھی بنگلہ دیش نہیں بنا تھا- جعفری اپنی کاروباری مصروفیات کے ساتھ ساتھ شکار کا چسکا پورا کرنے کے لئے بھی اکثر وہاں چلا جایا کرتا تھا- اس کی بیوی شمیم سحر نے اس سے زندگی میں صرف ایک ہی شے مانگی تھی اور وہ یہ کہ وہ جہاں بھی جائے گا' وہ اس کے ساتھ جائے گی- یہ اتنی خوبصورت مانگ تھی کہ جعفری انکار نہ کر سکا- بیوی سے محبت بھی کرتا تھا اور ادھر ادھر منہ مارنے کی عادت بھی نہ تھی- پھر بیوی نے اسے اپنا اس قدر عادی بنا لیا تھا کہ وہ خود بھی زیادہ دیر اس سے الگ نہ رہ پاتا تھا- نتیجہ یہ کہ دورہ کاروباری ہوتا یا نجی' شمیم سحر اس کے ساتھ جاتی- اگر وہ شکار پر جاتا تو وہ ہوٹل یا ریسٹ ہاؤس میں رہتی- اس بار بھی جب وہ سندر بن گیا تو شمیم اس کے ساتھ تھی- تاہم روانگی سے قبل پہلی بار اس نے شمیم سے کہا تھا-

''میرا خیال ہے اس بار تم میرے ساتھ مت جاؤ-''

''وہ کیوں؟'' شمیم نے اسے حیرت سے دیکھا-

''ابھی بچی دو ماہ کی بھی نہیں ہوئی- تم سفر کر سکو گی کیا؟'' جعفری نے مائرہ کو اس کے ہاتھوں سے لے لیا- وہ شرم سے سرخ ہو گئی- پھر اس نے یکدم پینترا مارا- ''تو آپ ہی اس بار رک جائیں-''

''نہیں- یہ ممکن نہیں ہے-'' وہ نرمی سے بولا- ''ایک تو ڈھاکا میں کچھ بیوپاریوں سے

ملاقات طے ہے دوسرے اس بار کرنل مجنوں خاں نے چیتے کا شکار ارینج کیا ہے اور یہ میں کسی صورت میں مس نہیں کر سکتا۔"

"اور میں یہاں رہ کر آپ کو مس کرتی رہوں۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ میں ساتھ جاؤں گی۔"

سحر نے جواب میں وہ داؤ مارا کہ جعفری چت ہو گیا۔

نتیجہ یہ کہ وہ اسے ساتھ ہی ڈھاکہ لے آیا۔ ریسٹ ہاؤس میں مائرہ اور شمیم کو ٹھہرا کر وہ چیتے کے شکار پر نکل گیا۔ دو تین دن کا پروگرام تھا مگر وہ چوتھے دن لوٹا۔ چیتے کی خون میں لت پت لاش جیپ کے پچھلے حصے سے اتار کر ریسٹ ہاؤس کے لان میں رکھی گئی۔ اس نے کھال اتارنے کے لئے آدمیوں کو بلوایا جو تھوڑی دیر بعد آنے والے تھے۔ اتنی دیر میں شمیم نے اس کے لئے کھانا لگوا دیا۔ وہ نہا دھو کر فریش ہو گیا۔ کھانا کھایا اور لان میں آ گیا۔ چیتے کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں مرنے کے بعد بھی ان میں چمک موجود تھی۔ ریسٹ ہاؤس کا چوکیدار ایک بنگالی تھا اور بڑھاپے میں اپنے تجربات سے ہر ایک کو نوازنا اپنا فرض سمجھتا تھا۔

پورے چاند کی رات تھی۔

ہر طرف چاندنی کا سحر پھیلا ہوا تھا۔

ریسٹ ہاؤس جنگل سے قریباً دو میل ادھر میدانی علاقے کے آخری حصے میں تھا۔ بنگال حسن اور سحر دونوں ہی چار دانگ عالم مشہور ہیں۔ چاندنی نے اس پر اور ستم ڈھا رکھا تھا۔ شمیم چیتے کی لاش سے کافی ہٹ کر مائرہ کو گھاس پر بڑا میٹ بچھا کر اس پر لٹا دیا۔ خود وہ جعفری کے ساتھ چاندنی کا لطف اٹھاتی اور ہلکی ہلکی چہل قدمی کرتی رہی۔

اسی وقت بنگالی چوکیدار مہیش پنڈت اس طرف چلا آیا۔

"سلام شاب۔" اس نے اپنی منحنی آواز میں کہا اور داڑھی کے کھچڑی بالوں میں انگلیاں پھیرتا ہوا چیتے کی لاش کے قریب چلا آیا۔

"شاب۔" اچانک وہ چونک پڑا۔

"کیا بات ہے پنڈت۔" جعفری نے سالوں پرانی بے تکلفی کے تحت دور ہی سے پوچھا۔

"شاب۔ جرا ادھر آؤ شاب۔" وہ تشویش بھرے لہجے میں بولا۔

جعفری اور شمیم اس کے قریب چلے آئے۔

"بولو۔۔۔ کیا ہے؟"

"شاب۔ یہ مادہ چیتا ہے۔" پنڈت نے چیتے کی لاش کا پوری طرح جائزہ لے لیا تھا۔

"تو پھر؟"

"شاب۔ پورے چاند کی رات میں آپ کو اس کا سکار نہیں کرنا چاہیے تھا شاب۔" وہ رک رک کر بولا۔

"وہ کیوں؟" جعفری حیرت سے بولا۔

"شاب۔ یہ برا سگن ہوتا ہے۔ ابھی اس کا نر اس کی تلاس میں ادھر آ شکتا ہے شاب۔ وہ بہوت گسے میں ہوئیں گا شاب۔"

"ارے چھوڑو۔" جعفری نے لمبے لمبے چار ڈگ بھرے اور جیپ میں سے تھری ناٹ تھری کی رائفل نکال کر لوڈ کر لی۔ "آئے گا تو جائے گا نہیں۔"

"شاب۔ آپ میری بات کو مجاق نہ سمجھو۔ وہ آ شکتا ہے۔" پنڈت نے چاند کی روشن ٹکیا کو غور سے دیکھا، پھر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"پنڈت۔۔۔ یہ پورے چاند کی رات کا اس مادہ چیتا سے کیا واسطہ؟" اچانک جعفری نے رواروی میں پوچھ لیا۔

"شاب۔" پنڈت کا لہجہ سرگوشیانہ ہو گیا۔ "یہ ان کے ملاپ کی رات ہوتی ہے شاب۔ وہ اپنی مادہ کی بو شونگھتا ادھر آ شکتا ہے۔"

اور۔۔۔ اور پنڈت کی بات شاید قدرت نے بہت نزدیک ہو کر سنی تھی۔ اگلے ہی لمحے وہاں چیتے کی غراہٹ نے سارا ماحول بدل دیا۔

دونوں ملازم جو کھال اتارنے والوں کا انتظار کر رہے تھے، چیخ کر اٹھے اور ریسٹ ہاؤس کے پچھلی طرف بھاگتے چلے گئے۔ پنڈت نے گھگھیا کر سامنے سرو کی آڑ سے برآمد ہوتے ہوئے چیتے کو دیکھا اور جیپ کے نیچے گھس گیا۔ اس کے حلق سے ڈری ڈری آوازیں نکل رہی تھیں۔ شمیم نے گھبرا کر ان کے درمیان چوار ارمیٹ پر پڑی مائرہ کی طرف دوڑ لگا دی کہ اسے کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔۔۔ جعفری نے ایک سیکنڈ میں رائفل سے چیتے کا نشانہ لے لیا۔۔۔ اور چیتے نے تقریباً بیس فٹ کی دوری سے مادہ چیتے کی لاش کے پاس رائفل بردار جعفری پر چھلانگ لگا دی۔

یکے بعد دیگر تھری ناٹ تھری کی دو گولیاں جعفری کی رائفل کی نالی سے گونجدار آواز کے ساتھ نکلیں اور فضا میں اچھلتے ہوئے چیتے کے پیٹ میں اتر گئیں۔ اس کی غراہٹ ایک زوردار دھاڑ میں بدلی۔ ساتھ ہی مائرہ کی طرف لپکتی ہوئی شمیم کی طویل چیخ گونجی۔۔۔ چیتے کے پیٹ سے خون کی پھوار مائرہ کو نہلاتی ہوئی لان کی گھاس پر فوارے کی مانند گھومتی چلی گئی۔۔۔ چیتا اپنی جست پوری نہ کر سکا اور سیدھا شمیم پر آ رہا۔ اس کے کھلے ہوئے خوفناک جبڑے بند ہوئے تو ان میں شمیم کی گردن دبی ہوئی تھی۔۔۔ وہ بے چاری اپنی آخری خرخراہٹ کے ساتھ چیتے کے وزنی جسم تلے

دب کر لان پر چت ہو گئی۔ دوبارہ رائفل لوڈ کر کے جب جعفری نے اگلے دو فائر چیتے کی کھوپڑی پر کئے تو اس کی کھوپڑی کے پرخچے اڑ گئے وہ اچھل کر شمیم کے جسم سے پرے گرا تو شمیم کی ادھڑی ہوئی گردن اس کے خونخوار دانتوں سے آزاد ہو گئی۔ جعفری نے تیسری بار رائفل لوڈ کی مگر اب سب بیکار تھا۔ چیتا بے حس و حرکت ہو چکا تھا اور ساتھ ہی شمیم بھی۔ ممتا کی ماری اس دیوانی کے بازو اب بھی مائرہ کی طرف یوں پھیلے ہوئے تھے جیسے وہ اسے لپک کر اٹھا لینا چاہتی ہو۔

جعفری نے رائفل ایک طرف پھینکی اور تیزی سے شمیم کی طرف بڑھا۔ اس کی گردن ادھڑ کر ایک طرف لٹک چکی تھی۔ پھٹی پھٹی ساکت آنکھیں مائرہ پر جمی ہوئی تھیں اور بدن کا اوپری دھڑ جیسے پچک گیا تھا۔ چیتے کا وزن وہ نازک اندام عورت کہاں برداشت کر پاتی۔

جعفری نے دیوانوں کی طرح اسے باہوں میں بھر لیا۔ ''شمیم --- شمیم --- میری جان۔'' وہ پاگلوں کی طرح اسے پکار رہا تھا۔

اسی اثنا میں پنڈت جیپ کے نیچے سے نکل آیا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے سارے ماحول کا جائزہ لیا۔ مادہ چیتے سے دس قدم دور نر چیتے کی کٹی پھٹی لاش پڑی تھی۔ وہ ذرا دیر گم سم کھڑا رہا پھر جعفری کے پاس چلا آیا۔

''شاب --- میم شاب چلا گیا شاب --- شبر کرو شاب۔'' اس نے جعفری کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

جعفری زندگی میں پہلی بار بچوں کی طرح رویا۔ بڑی مشکل سے اسے شمیم کے بے جان جسم سے الگ کیا گیا۔ دونوں ملازم بھی ڈرتے ڈرتے سہمے ہوئے لوٹ آئے۔ پھر ان میں سے ایک نے بھاگ کر مائرہ کو میٹ سے اٹھا لیا۔

''شاب --- شاب --- چھوٹا بے بی۔'' وہ ہکلایا۔

جعفری کو ایک دم مائرہ کا خیال آیا اور وہ سب کچھ بھول کر ادھر دوڑا --- مائرہ کا سارا بدن خون میں لت پت تھا۔ اس نے اسے چیخ کر خود سے لپٹا لیا۔

''شاب۔ شاب۔ بے بی کا منہ میں کھون ہے۔ بے بی کو کش نہیں ہوا ہے --- چیتے کا کھون منہ میں چلا گیا۔'' پنڈت نے مائرہ کو دیکھ بھال کر اسے بتایا۔

جعفری نے تڑپ کر مائرہ کو آنکھوں کے سامنے کیا۔ پھر پنڈت کی بات سمجھ میں آتے ہی اس نے مائرہ کو میٹ پر لٹا لیا۔ وہ اکھڑے اکھڑے سانس لے رہی تھی۔ وہ اس کے منہ میں انگلیاں ڈال کر اور اس کے گال دبا دبا کر خون باہر نکالنے لگا۔

دراصل ہوا یہ تھا کہ جب چیتے نے جعفری پر جست کی تو اس کے اور جعفری کے درمیان

پہلے مائرہ اور پھر شمیم موجود تھیں ادھر اس نے جست کی ادھر جعفری کے سچے نشانے نے اس کا پیٹ پھاڑ دیا۔ پیٹ سے یکدم خون فوارے کی طرح نکلا اور اس کے فضا میں اڑتے ہوئے جسم سے نکل کر مائرہ پر یوں گرا جیسے وہ خون سے شاور لے رہی ہو۔ خون اس ننھی سی جان کے سارے بدن کو بھگوتا ہوا غٹا غٹ اس کے کھلے منہ میں بھی چلا گیا جو کچھ تو اس کے حلق سے اتر گیا اور کچھ سانس کی نالی میں پھنسنے لگا۔ ادھر چیتا زخموں کی تاب نہ لا کر اپنی جست مکمل نہ کر سکا اور راستے ہی میں شمیم پر ڈھے گیا۔ اس وقت اس کا سارا غصہ شمیم پر ہی نکلا۔ اس نے غرا کر شمیم کی گردن ادھیڑ ڈالی اور اسے اپنے نیچے لئے ہوئے زمین پر آ گرا۔

جعفری کی کوشش سے کافی سارا خون مائرہ کے حلق سے نکل آیا مگر جو خون حلق سے معدے میں اتر گیا تھا اسے نکالنا اس کے بس میں نہ تھا۔ پھر یہ بھی خطرہ تھا کہ کہیں اس کوشش میں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔ دو ماہ کی معصوم بچی ہی سے ہاتھ نہ دھونے پڑ جائیں اس لئے اس نے پنڈت کے کہنے پر بچی کو اس کے حوالے کیا اور خود ان لوگوں کی طرف متوجہ ہو گیا جو ایک چیتے کی کھال اتارنے کے لئے آئے تھے اور اب ان کو دو چیتوں کی کھال اتارنے کے ساتھ ساتھ ایک معصوم عورت کی لاش کو بھی سنبھالنا تھا۔

جعفری نے اپنے دوست کرنل مجنوں خاں کو اطلاع بھجوائی۔ وہ فوراً اپنے ساتھ گھر والوں اور دوسرے افراد کو لے کر آ گیا۔

وہ رات قیامت کی رات تھی۔

جعفری کے لئے وہ چاندنی رات زندگی بھر کے اندھیرے دامن میں لے کر آئی تھی۔ اس نے شمیم کو وہاں دفنانا منظور نہ کیا اور دوسرے دن ضروری کارروائی کے بعد اس کی لاش لے کر راولپنڈی لوٹ آیا۔ کرنل مجنوں خاں اور اس کی بیوی اس کے ساتھ آئے۔ شمیم کی تجہیز و تکفین کے بعد وہ تین دن مزید رک کر پھر اسے تسلی دے کر لوٹ گئے۔

عابدی، ارشد جعفری کا سب سے اچھا اور شاید ایک ہی دوست تھا جو اس کی ذاتی زندگی میں بھی دخیل تھا۔ اس نے شمیم کی دردناک موت کے بعد جعفری کو یوں سنبھالا کہ وہ دوبارہ زندگی کی طرف بڑی مشکل سے مگر لوٹ آیا۔ وہ عابدی کے اس احسان کو اتنی اہمیت دیتا تھا کہ جب کبھی بھی اس کا دھیان زندگی کے اس مایوس ترین دور کی طرف جاتا تو وہ عابدی کی طرف سے ممنونیت کے احساس سے شرابور ہو جاتا۔ وہ پوری طرح اس بات پر ایمان رکھتا تھا کہ اگر اس دور میں عابدی اسے یوں سہارا نہ دیتا تو شاید وہ مائرہ کے ساتھ ساتھ اپنی زندگی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا۔ اپنی محبوب بیوی سے اس انداز میں ہمیشہ کے لئے الگ ہونے پر وہ خود کو ڈھائی سال تک زندوں کی صف

میں شمار نہ کر پایا اور یہ عابدی ہی تھا جو اسے مردوں کی دنیا سے واپس کھینچ لایا۔

عابدی دنیا میں بظاہر اکیلا تھا۔ بہت زیادہ خوشحال نہیں تھا تاہم کچھ خاص موضوعات پر وہ لیکچر لکھنے اور دینے کا کام کرتا تھا جس سے اسے اچھی خاصی آمدن ہو جاتی تھی۔ یہ موضوع روحانیات، فطرت اور جبلت کے دائرے میں گھومتے تھے۔ عابدی کی ریسرچ ان موضوعات کے ان دیکھے، نئے نئے گوشوں کو سامنے لاتی اور سائنس کی اس نوتسلیم شدہ شاخ پر نئے نئے نتائج اور نظریات کے پھول کھلاتی تھی۔

عابدی بظاہر اکیلا اس لئے تھا کہ اس نے کسی زمانے میں شادی کی تھی۔ بیوی نے اس سے ٹوٹ کر پیار کیا مگر اس کی لاابالی طبیعت کا ساتھ نہ دے سکی۔ اس نے بہت کوشش کی کہ عابدی اپنی تحقیق اور بیوی میں ایک حد فاصل قائم رکھے۔ اسے اتنا وقت ضرور دے کہ وہ اس کی بیوی ہونے کا عملی دعویٰ کر سکے مگر عابدی اپنی فرصت کو اپنی تحقیق پر قربان کرنے کے بعد ہی بیوی کی طرف متوجہ ہونے کا وقت نکال پاتا اور بعض اوقات یہ وقت بھی کسی نئے نکتے کے انکشاف یا تلاش میں صرف ہو جاتا۔ بالآخر معاملات اس نہج پر آ گئے کہ صبا انصاری، اس کی بیوی نے ایک روز اس سے چند منٹ کے لئے گفتگو کی درخواست کی۔ عابدی اس کے لہجے میں چھپے طوفان کو محسوس کر کے لرز گیا۔ تاہم اس نے انکار نہ کیا اور دونوں بیڈروم میں آ گئے۔

"جی صبا بیگم۔" وہ دھڑکتے دل سے بولا۔ نجانے کیوں اسے کسی انجانے خدشے کی دھمک سے خوف آ رہا تھا۔

"بیگم۔۔۔" صبا کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔ "یہ لفظ مجھے اپنے لئے اور خاص طور پر آپ کی زبان سے کیا اچھا لگتا ہے عابدی؟"

"میں بے حد کمزور آدمی ہوں صبا۔" عابدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "اگر تم صاف صاف بات کرو تو میں ممنون ہوں گا۔ یہ جھٹکے میرے اعصاب کو برباد کر دیں گے۔"

"تو صاف بات یہ ہے عابدی۔" صبا نے اس کی طرف درد بھری نظروں سے دیکھا۔ "اب مجھ سے مزید برداشت نہیں ہوتا۔ آپ کے اعصاب برباد نہ ہوں اس لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں۔۔۔" وہ رکی۔

عابدی کو محسوس ہوا جیسے کمرے میں آکسیجن کی آمد بند ہو گئی ہے۔ اس کا سانس گھٹ سا گیا۔ آنکھوں میں دھند سی پھیلی اور نظروں کے سامنے کالے پیلے دائرے ناچنے لگے۔

اس نے خاموشی سے اسے تکتے رہنے ہی میں اس امید کا دامن تھامے رکھنے کا فیصلہ کیا جو کسی بھی وقت ریت کی طرح اس کی مٹھی سے پھسل جانے والی تھی۔

"ہم دونوں الگ ہو جائیں!"

ایک بوجھ تھا جو ایک دم عابدی کے دل پر آن پڑا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

"یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے کیا؟" وہ بیڈ کے کنارے پر گر سا پڑا۔

"فیصلہ نہیں۔۔۔ مجبوری ہے۔" صبا صوفے پر یوں گری جیسے کسی نے اسے آہستہ سے دھکا دے دیا ہو۔

"میں تم سے غلط بیانی نہیں کر سکتا صبا۔ میں تمہیں کوئی جھوٹی آس دلا کر تمہارے قدم روکنا نہیں چاہتا۔ میں اپنے کام میں اس قدر کھب چکا ہوں کہ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ آئندہ تمہیں مجھ سے توجہ اور وقت دینے کے حوالے سے کوئی شکایت نہ ہو گی تو یہ ایسا جھوٹ ہے جس کا دوبارہ سہارا لینا بھی میرے لئے ممکن نہ ہو گا۔ اس لئے۔۔۔" عابدی نے اپنے لہجے کی کپکپاہٹ چھپانے کی کوشش کی۔۔۔ چند لمحے بعد اس نے پھر کہا۔ "اس لئے میں چاہوں گا کہ اس صورت حال میں اگر تم ایک بار پھر اپنے فیصلے پر غور کر سکو تو۔۔۔"

"تمہارا مطلب ہے عابدی۔" صبا نے اسے طنز سے دیکھا۔ "کہ پرنالہ وہیں رہے گا۔ میں اگر اس کی چھینٹوں میں رہ کر گزارہ کر سکتی ہوں تو ٹھیک ہے ورنہ تمہاری طرف سے تبدیلی کی کوئی امید نہیں۔"

عابدی نے ندامت سے سر جھکا لیا۔

"عابدی۔۔۔ کاش! تم نے اس سونے گھر میں میرے لئے ایک کھلونے ہی کا بندوبست کر دیا ہوتا۔" اس نے بیڈروم کی دیواروں کو یاسیت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں اسی کے سہارے زندگی گزار لیتی۔"

"یہ تو قدرت کی دین ہے صبا۔ اس میں نہ میرا قصور ہے نہ تمہارا۔۔۔ جب وہ چاہے گا تبھی ہمارے گلشن میں بہار آئے گی۔"

"ہاں۔۔۔" وہ پھیکے سے انداز میں مسکرائی۔ "یہاں ہم دونوں مجبور ہیں۔ کچھ نہیں کر سکتے۔ بہرحال عابدی۔" اس نے سر اٹھایا اور اسے سرد نظروں سے دیکھا۔ "اگر صورت حال میں تبدیلی کا کوئی امکان ہی نہیں تو میں اپنی زندگی اور تمہارا وقت کیوں برباد کروں۔ براہ کرم میرا ساتھ دو اور اتنا ساتھ تو دو کہ ہم ایک خوشگوار ماحول میں الگ ہو سکیں۔"

"طلاق چاہتی ہو صبا؟" اس نے ٹوٹ جانے والے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں۔" وہ تڑپ اٹھی۔ "میں نے صرف علیحدگی چاہی ہے۔ طلاق نہیں۔"

عابدی کے چہرے پر کتنے ہی رنگ بکھرے اور سمٹ گئے۔ اس کا دل ایک بار پورے زور

سے دھڑکا پھر نارمل ہوگیا۔

''میں نے تم سے محبت کی ہے عابدی۔'' صبا نے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھا۔''میں تمہارے نام پر زندہ رہوں گی۔ تمہارے نام پر مرجاؤں گی۔ تم سے الگ ہو کر صرف یہ چاہتی ہوں کہ شاید میرے دور جانے ہی سے تمہارے لئے میرا ہونا اور پاس ہونا اہم ہو جائے۔ شاید تمہیں میری ضرورت محسوس ہو اور تم گھر کو گھر بنانے کے بارے میں سوچ سکو۔ شاید اس سونے گھر میں ہم میاں بیوی کی حیثیت سے رہ سکیں۔ ایک زندہ اور گوشت پوست کے وجود سمیت دھڑک سکیں۔ حالانکہ مجھے تمہارے ساتھ نو سال کا یہ عرصہ گزارنے کے بعد اس خوش فہمی میں نہیں رہنا چاہیے جس کے سہارے میں نے تم سے الگ ہونے کا فیصلہ کیا ہے مگر امید۔۔۔ امید پر تو خالق کائنات کی تخلیق مسلسل کا بھی دار و مدار ہے عابدی۔ میں ناامیدی کی موت نہیں مرنا چاہتی۔ اس لئے یہ قدم اٹھا رہی ہوں۔''

''صبا۔۔۔'' عابدی اٹھ کھڑا ہوا۔''شاید تم ٹھیک کہتی ہو۔ یہ نہ سمجھنا کہ صرف تم نے مجھ سے محبت کی ہے۔ میں نے بھی تم کو چاہا ہے صبا۔ تم محبت کا جواب بھرپور محبت سے چاہتی ہو جبکہ میں محبت پر اپنے کام کو اولیت دے چکا ہوں۔''

''کام تو ہوتے ہی رہتے ہیں عابدی۔'' صبا نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر کہا۔ ''محبت کا موسم گزر جائے تو سن یاس شروع ہو جاتا ہے اور سن یاس کا بہار سے کبھی واسطہ نہیں رہا۔ اس بنجر زمین کی موسم گل سے کبھی نہیں بنی۔''

''ہاں۔'' عابدی نے سر ہلا کر کہا۔''مگر میری زمین کا شور کم ہونے کا ابھی کوئی امکان نہیں ہے صبا۔۔ ہاں' دعا کرو کہ یہ کھیتی ہری ہو جائے تب میں خود آ کر تمہیں منا لوں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔''

''غضب کیا ترے وعدے پہ اعتبار کیا۔'' صبا نے ایک اداس مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کیا! آج ہی جا رہی ہو؟'' عابدی نے دھیرے سے پوچھا۔

''جب جانا ہی ہے عابدی تو آج کیا اور ابھی کیا۔۔۔ میں ممی کے پاس جا رہی ہوں۔ چند دن میں ایک جاب کا انتظام ہو جائے گا۔ میں اپلائی کر چکی ہوں۔ زندگی کسی ڈھب پر آ گئی تو شاید کچھ آسانی سے کٹ جائے۔''

''جاب کی کیا ضرورت ہے۔ میں ہوں ناں۔'' عابدی نے جیسے شکوہ کیا۔

''نہ عابدی نہ۔۔۔'' وہ انگلی اٹھا کر حسرت سے بولی۔''تم ہوتے تو کیا میں یہاں نہ رہتی۔ تم تو ہو ہی نہیں۔ جب تم اپنا وجود ثابت کرو گے تب یہ حق بھی استعمال کر لینا۔ پاپا مرنے سے پہلے میرے لئے بنک کے کچھ شیئر چھوڑ گئے تھے۔ جاب کی ضرورت نہیں۔ صرف اس لئے کروں گی کہ ایک تنہائی کے گڑھے سے نکل کر دوسری تنہائی کی کھائی میں نہ گر پڑوں۔۔ اور کوئی حاجت نہیں۔۔۔ ہاں۔۔ ایک بات اور۔۔۔ فون کرنا چاہو تو ضرور کرنا مگر ملنے کے لئے کبھی مت آنا۔ صرف اس دن آنا جس دن تم مجھے بسانے کے لئے میرے ساتھ بسنے کے لئے وقت نکال سکو۔۔۔ اپنا خیال رکھنا۔۔۔ ویسے تو تمہیں گھر آنا کم کم نصیب ہوتا ہے مگر میرے جانے کے بعد تم شاید گھر ہی کو اپنی ریسرچ لیبارٹری بنا لو۔۔۔ پھر بھی اپنا خیال رکھنا۔ چلتی ہوں۔'' وہ آنکھوں کی نمی پیتے ہوئے دروازے کی طرف مڑی۔

''صبا۔۔۔'' عابدی کے حلق میں سرگوشی سی پھنس کر رہ گئی۔

وہ دوسرا قدم اٹھاتے اٹھاتے رک گئی۔ سرگوشی میں اس کا نام لہرایا تھا۔ اس نے چاہا عابدی اسے پھر پکارے مگر عابدی کا حلق تو آنسوؤں سے بھر گیا تھا۔۔۔ وہ اسے دھندلی ہوتی آنکھوں سے دیکھتا رہا۔ چاہنے کے باوجود آگے نہ بڑھ سکا۔ سچ کو جھوٹے دلاسوں میں نہ لپیٹ سکا۔۔۔ صبا نے ذرا انتظار کے بعد دوسرا قدم اٹھایا۔ اس کا دل زور سے دھڑکا۔۔۔ تیسرا قدم اٹھایا۔ دل نے چاہا' عابدی اب بھی پکار لے۔۔۔ چوتھا قدم اٹھایا۔۔۔ عابدی بے دم سا ہو کر کرسی پر ڈھے گیا۔۔۔ صبا کمرے سے نکل گئی۔ اس کا ہر قدم عابدی سے اس کو دور لے جا رہا تھا مگر عابدی اس فاصلے کو کم کرنے کے لئے صدائے صحرا کا سہارا بھی نہ لے سکا۔

صبا چلی گئی۔

عابدی اور بھی تنہا ہو گیا۔

مگر اس سارے سانحے کا وہ خود ذمے دار تھا۔ اس نے صبا کے اندازے کے مطابق گھر ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔ اس کے دن رات روحانیات اور حیوانی و انسانی جبلت اور ماورائی فطری اثرات کے جہان بے کنار کی بھینٹ چڑھ گئے۔ شہرت اس کے قدموں میں بچھتی چلی گئی۔ دولت کی اسے اتنی ضرورت نہ تھی جتنی چلی آ رہی تھی تاہم وہ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ اپنی تحقیق کی دنیا میں گم ہوتا چلا گیا۔ ہاں۔۔۔ ایک فرض تھا جو اس نے اپنے ذمے لے رکھا تھا کہ وہ ہر ہفتے باقاعدگی سے صبا کو فون ضرور کرتا تھا۔ اس سے چند منٹ کی گفتگو اسے یہ احساس دلانے کے لئے مہمیز کا کام کرتی تھی کہ کوئی اس کا اپنا ہے جو اس کے انتظار میں دل کا دیا جلائے اس کی راہ تک رہا ہے اور ادھر صبا کو اس کا فون یہ امید اور شدت سے دلا دیتا تھا کہ عابدی مشین بن جانے کے باوجود اسے بھولا نہیں۔ اسے یاد کرتا ہے۔ اس کی آواز سننا چاہتا ہے۔ ایک دن وہ اس کے سینے پر سر رکھ کر

اس کے دل کی دھڑکن سن سکے گی- اس آس پر وہ سارا ہفتہ گزار دیتی کہ اب کی بار فون نہیں' عابدی خود آئے گا!

جب عابدی اور صبا میں علیحدگی ہوئی تو مائرہ اس وقت سترہ سال کی اور میڈیکل کالج میں دوسرے سال کی طالبہ تھی- جعفری کو جب اس حادثے کا علم ہوا تو وہ بہت خفا ہوا- اس نے عابدی کے لتے لے لئے- اسے خوب ڈانٹا پھٹکارا- بہت برا بھلا کہا- صبا کو واپس لانے کے لئے خود جانا چاہا مگر عابدی نے جب اسے تسلی سے ساری بات سنائی- اس دوری اور فرقت کی تہہ میں موجود اسباب سے آگاہ کیا- اپنی اور صبا کی مجبوری کا حال کھولا تو جعفری بالکل ہی ہتھے سے اکھڑ گیا-

''یار تم تو بالکل ہی چغد ہو-'' وہ اس پر الٹ پڑا- ''ایک فضول سی ریسرچ نما حماقت کے لئے تم نے بنا بنایا گھر اجاڑ لیا- اس پر تم یہ کہتے ہو کہ تم جذبات کے سچ کو جھوٹ کا لبادہ نہیں اوڑھا سکتے- کیا حاصل ہو گا تمہیں اس تحقیق میں کامیابی حاصل کر کے--- اگر اس میں کامیابی سے پہلے تم فوت ہو گئے تو صبا کی باقی زندگی مزید عذاب ناک بن جائے گی اور اگر تم سے پہلے کہیں وہ پھڑک گئی تو تمہاری ساری ریسرچ فضلے کے ساتھ خارج ہو جائے گی- تب تم میری طرح ایسی عذاب ناک اداسی اور تنہائی کا شکار ہو جاؤ گے عابدی جس کا کوئی کنارہ نہیں-'' جعفری کے لہجے میں دکھ کے کانٹے ابھر آئے- ''میں نے شمیم کو کبھی اس صورتحال کا شکار نہیں ہونے دیا جس سے تم اور صبا گزر رہے ہو- تم دونوں نے زندگی کے نو سال اکٹھے گزارے اور ایک نہیں ہو سکے- میں نے اس کے ساتھ صرف تین سال گزارے اور آج بھی وہ مجھ جیسے بے رحم' بندوق اور گولی سے آگے نہ سوچ پانے والے درندوں کے شکاری کے دل میں دھڑکتی ہے عابدی--- میں آج بھی اس کی یاد کو پہلے دن کے زخم جیسی دردناک محسوس کرتا ہوں- تم کیسے مرد ہو- کیسے شوہر ہو عابدی کہ تم نے ایک پل میں اپنی زندگی کے سب سے پرخلوص ساتھی کو اپنے شوق کی بھینٹ چڑھا دیا--- تم اگر بہت بڑے احمق نہیں ہو تو بہت خود غرض ضرور ہو عابدی- اس کا احساس تمہیں ایک دن ضرور ہو گا-''

''میں تمہاری کسی بات سے انکار نہیں کروں گا جعفری-'' عابدی نے بجھے بجھے مگر اپنے مخصوص لہجے میں کہا- ''لیکن اب یہ طے ہے کہ میں جلدی سے جلدی اپنے کام کو ختم کرنا چاہتا ہوں مگر یہ کام ہے کہ شیطان کی آنت کی طرح پھیلتا ہی جا رہا ہے-''

''میں تمہیں بہت سمجھا چکا عابدی- اب تم نہ مانو تو تمہاری مرضی- کاش تمہاری کوئی اولاد ہی ہوتی- تب بھی شاید یہ نوبت نہ آتی-''

''یہی بات صبا بھی کہہ رہی تھی-''

''اولاد بہت بڑا سہارا ہوتی ہے عابدی- میں نے دو ماہ کی مائرہ کے لئے ماں بننے کی اپنی سی کوشش کی- باپ کا فرض نبھایا لیکن آج بھی اسے ماں کی کمی محسوس ہوتی ہے- میں نے بارہ سال کی عمر تک اس کے لئے گورنس رکھی- اس کے بعد مائرہ کو خود اپنے سہارے جینا سکھایا--- گورنس اس کے تین سال بعد تک گھر میں رہی- پھر وہ مائرہ کو میرے سپرد کر کے چلی گئی- آج گھر میں نوکر ہیں- میں ہوں- اس کے کالج کی مصروفیات ہیں زندگی ایک ڈگر پر چل نکلی ہے لیکن عابدی- وہ جو ایک بیوی- ایک ماں تھی ناں- اس کی کمی شاید میں ساری دنیا کی آسائشوں کو جمع کر کے بھی پورا نہ کر سکوں گا- تم نے بہت بڑی غلطی کی عابدی-''

''کبھی کبھی مجھے بھی احساس ہوتا ہے جعفری-'' عابدی نے اقرار کیا- ''مگر میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے جس سطح پر رہ کر صبا سے محبت کی ہے اس کا تقاضا یہی تھا کہ میں اسے جھوٹے دلاسے نہ دوں- اس کی سچی محبت اور بے لوث وفا کی توہین نہ کروں- بہرحال ایک دن آئے گا---''

''جب تم اسے جا کر لے آؤ گے-'' جعفری نے اس کی بات پوری کی-

''ہاں-'' وہ مسکرایا- ''وہ دن ضرور آئے گا اور بہت جلد آئے گا- اس لئے کہ اس دن کے لئے صبا کی دعائیں میرے ساتھ ہیں-''

''تم بہت ظالم ہو عابدی-'' جعفری نے اسے دیکھ کر نفی میں سر ہلایا- ''یہاں خود تڑپ رہے ہو- وہاں وہ بے چاری مر مر کر جی رہی ہے مگر تمہاری تحقیق---''

''بہت جلد پوری ہونے والی ہے جعفری--- یہ اب آخری مراحل میں ہے-''

''تو پھر ایک کام کرو- میری خاطر-''

''تم حکم کرو-'' عابدی نے خلوص سے کہا-

''اپنی ریسرچ لیبارٹری اٹھاؤ اور یہاں میرے ہاں شفٹ ہو جاؤ-''

''وہ کیوں؟'' عابدی کے لہجے میں حیرت تھی-

''یار بات یہ ہے- ایک عرصے کے بعد پھر شکار کا موسم میری طبیعت میں انگڑائیاں لے کر بیدار ہو رہا ہے-''

''کوئی پرانے دوست تو نہیں مل گئے؟''

''ہاں-'' جعفری نے ہنس کر کہا- ''چند بار تو تم بھی میرے ساتھ شکار پر جا چکے ہو مگر جب سے شمیم گئی ہے' اب جا کر باقاعدہ شکار کا پروگرام بنا ہے- سندر بن کے نواحی علاقے میں ایک بار پھر شیر اور چیتے کا شکار کھیلنے کا مزا لینا چاہتا ہوں- مائرہ کو اکثر شکار پر ساتھ لے جاتا رہا ہوں- اس کا

نشانہ اس قدر پختہ ہو چکا ہے کہ تم دیکھو تو حیران رہ جاؤ- پھر یہ کہ خوف اور ڈر نام کی کوئی شے اس کی طبیعت میں نہیں ہے- اس بار چونکہ پروگرام میں کچھ غیر ملکی اور انجان لوگ بھی شامل ہیں اور علاقہ بھی زیادہ دیکھا بھالا نہیں ہے اس لئے میں اسے ساتھ نہیں لے جانا چاہتا- ایک وجہ تم سے درخواست کی تو یہ ہے کہ تم گھر میں رہو گے تو مجھے مائرہ کی طرف سے بے فکری رہے گی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جب میں گھر پر ہوا کروں گا تو میری اور تمہاری تنہائی مل کر وقت کی ستم آرائی کا زہر بانٹ لیا کریں گی-"

"حرج تو کوئی نہیں ہے تمہاری بات مان لینے میں مگر---" عابدی نے کچھ سوچ کر کہا-

"جب حرج کوئی نہیں ہے تو مگر اگر کیا- تم آج کل ہی میں شفٹ ہو جاؤ یہاں- گھر میں بابا شفیق بٹی شاہینہ نے گھر کا سارا نظام سنبھال رکھا ہے- اوپری کاموں کے لئے کرم داد چوکیدار موجود ہے- یہاں نچلی منزل کے تین کمرے خالی پڑے ہیں- انہیں میں ایڈجسٹ ہو جاؤ- جگہ کم پڑی تو دونوں سٹور بھی خالی کرا دوں گا-"

"ارے بھائی میں اکیلا آدمی ہوں- تین کمرے بھی بہت ہیں- پھر میری لیبارٹری میں کتابوں اور چند انسٹرومنٹ کے علاوہ اور کیا ہے! مجھے زیادہ جگہ کی ضرورت نہیں-"

"تو ٹھیک ہے- طے ہو گیا کہ تم کل شام تک یہاں شفٹ ہو رہے ہو-"

"اتنی جلدی؟"

"ہاں---" جعفری نے سر ہلایا- "کیونکہ پرسوں رات مجھے شکار کے لئے روانہ ہو جانا ہے-"

"اوہ---تو یہ پھرتیاں اس لئے ہیں-"

"اب جو بھی سمجھو-"

"جو حکم سرکار-" عابدی نے سر تسلیم خم کر دیا-

مائرہ کو جب جعفری کے اکیلے شکار پر جانے کا علم ہوا تو اس نے خاصا اودھم مچایا- جعفری کی ہر دلیل کو اس نے ضد کی گولی سے ٹھائیں کر کے نشٹ کر دیا مگر جب اسے عابدی کے گھر میں شفٹ ہونے کا پتہ چلا تو اس کی برہمی میں خاصی کمی آ گئی- وہ عابدی سے بے حد مانوس تھی اور اس کی بہت عزت کرنے کے ساتھ ساتھ اس سے بہت پیار بھی کرتی تھی- اس پیار کی ایک وجہ صبا سے اس کی ملاقاتیں تھیں جو وہ عابدی اور جعفری کی اجازت سے اکثر ارینج کر لیتی تھی- صبا اسے چھوٹی بہنوں اور بیٹیوں ہی کی طرح چاہتی تھی- اس سے باتوں باتوں میں عابدی کے بارے میں پوچھتی- پھر اسے عابدی کا خیال رکھنے کو کہتی- صبا ایک وومن بنک میں منیجر کی جاب کر رہی تھی-

مائرہ اس سے مل کر کئی کئی دن ہشاش بشاش رہتی- اسے صبا اور عابدی کے تعلقات اور رشتے میں آ جانے والی دراڑ نے بہت دکھ دیا تھا- کم عمر ہونے کے باوجود وہ بہت حساس تھی اسی لئے وہ عابدی اور صبا کو ملانے کی ایسی ایسی ترکیبیں سوچتی رہتی جن پر عمل کرنا تو ممکن تھا تاہم عمل کرنے والے یعنی صبا اور عابدی کسی تول پر نہ آتے تھے-

مائرہ کو یہ بھی معلوم تھا کہ اس کی ماں شمیم سحر کی ہلاکت کے بعد اس کی نانو نے اپنی چھوٹی بیٹی اور مائرہ کی خالہ سلیمہ سے شادی کے لئے جعفری کو آمادہ کرنے کی کوشش کی تھی کہ اس طرح ایک تو گھر بنا رہے گا- دوسرے چند ماہ کی بچی کو ماں جیسی گود میسر آ جائے گی اور تیسرے جعفری کی زندگی بے کیف ہونے سے بچ جائے گی مگر جعفری نے اس معاملے کو بڑی شائستگی سے نپٹا دیا تھا- وہ نہیں چاہتا تھا کہ مائرہ اس کی عدم توجہی کا شکار ہو جائے- اس کے پاس مائرہ کو دینے کے لئے بہت وقت تھا- اس نے کاروبار میں شروع ہی سے خود کو بہت زیادہ انوالو نہیں کیا تھا- اللہ نے کارندے اچھے دے رکھے تھے- پٹ سن کے بعد اس نے ماربل کی ایکسپورٹ کا کام شروع کر دیا تھا اور اس کے عملے نے اسے کبھی بھی یہ احساس نہ ہونے دیا تھا کہ وہ اس کی غیر موجودگی میں لٹیرے بن جاتے ہیں- اس کی فرم کا منیجر سید اطہر شاہ ایک ڈیڈ اونسٹ آدمی تھا- جعفری نے اس کی ایمانداری کو پرکھ لینے کے بعد سب کچھ اسی کے حوالے کر دیا تھا-

کام سے اس طرح کی ذہنی فراغت کے بعد اب اس کے دو ہی شوق رہ گئے- ایک مائرہ اور دوسرا شکار- مائرہ پندرہ برس کی ہوئی تب تک اس نے شکار کو بھی کم کم وقت دیا- مائرہ کو زیادہ چاہا لیکن یہ ضرور کیا کہ شکار میں مائرہ کو بھی تربیت دیتا رہا- وہ اسے کبھی بھی اکیلا چھوڑ کر جانے سے گھبراتا تھا- اس کے اکثر شکاری دوستوں میں مائرہ ایک اچھی اسسٹ کرنے والی یا معاون شکاری کے طور پر کامیاب ساتھی تصور کی جاتی تھی-

اب ایک سال سے عابدی اس کے ساتھ رہ رہا تھا- وہ کبھی کبھار ہی ورک شاپ یا لیکچرز کے سلسلے میں گھر سے غائب ہوتا ورنہ سال بھر میں تقریباً نو دس مہینے اس نے گھر ہی میں کتابوں اور خوردبینوں پر تجربات کی ہمراہی میں گزارے تھے-

آج کی گفتگو میں عابدی نے جن باتوں پر خصوصی زور دیا تھا' جن پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالی تھی' جن نکات کی وضاحت کی تھی اس نے جعفری کو تھوڑی دیر کے لئے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا- اگر عابدی کی تحقیق اور اخذ کردہ نتائج میں تھوڑی بہت بھی سچائی تھی تو اس کا مطلب تھا کہ مائرہ تو شیر خواری کے زمانے میں ایک ایسے چیتے کا خون چکھ بلکہ پی چکی تھی جو پورے چاند کی رات میں اپنی مادہ سے عین وصال کے لمحات میں بچھڑ گیا تھا- پھر جب وہ اسی طیش کے عالم میں اپنی مادہ

تک پہنچا تو اس کی لاش دیکھ کر غضب ناک ہو گیا- یہ اور بات ہے کہ اس کا غضب اسے موت کی
وادی تک لے گیا تاہم جاتے جاتے وہ اپنا خون مائرہ کے حلق میں ٹپکا گیا تھا اور اس کے نتیجے میں
مائرہ کسی بھی درندے کی طلب---

''نہیں نہیں---'' وہ ایک دم بے چین ہو اٹھا- ''یہ کیسے ہو سکتا ہے-'' وہ اٹھ کر قالین پر
ٹہلنے لگا-

اس کا دماغ الجھ کر رہ گیا تھا- ایک پل کے لئے خود پر غصہ بھی آیا کہ کیوں اس نے عابدی
جیسے فضول محقق کو گھر میں رکھ لیا- نہ وہ یہاں آتا نہ ایسی باتیں کرتا نہ وہ اس وقت الجھے دھوئیں کی
طرح بل کھا رہا ہوتا- پھر دوسرے ہی لمحے اسے اپنے اس خیال پر نفرت سی محسوس ہوئی- عابدی
اس کا بہترین دوست اور غمگسار تھا- اس نے جو کہا اپنی زندگی کے مقصد اور اوڑھنے بچھونے کا عرق
کشید کر کے کہا اور خلوص نیت سے کہا- اسے کیا خبر کہ مائرہ ایسی کسی صورت حال کا شکار ہو چکی ہے
ورنہ شاید وہ ایسی بات ہی نہ کرتا اور پھر یہ بھی کیا ضروری تھا کہ عابدی کی ہر بات سچ اور صحیح ثابت
ہو- ابھی تو وہ خود تحقیق کے سرابوں میں بھٹک رہا تھا- اس آخری خیال نے اسے تسلی دی اور کسی حد
تک اسے سکون آ گیا-

ٹہلتے ٹہلتے وہ دروازے کی طرف پلٹا اور شاہینہ کو دروازے میں دیکھ کر ٹھٹک گیا-

''کھانا لگ گیا انکل-'' وہ ادب سے بولی-

''شاہینہ---اتنی دیر-'' اس نے بے ساختہ دیوار گیر کلاک پر وقت دیکھا- اس نے
شاہینہ سے کھانا لگانے کو کہا تھا تب سے اب تک تقریباً آدھ گھنٹہ گزر چکا تھا-

''میں تیسری بار آئی ہوں انکل-'' شاہینہ نے حسب عادت نپے تلے لہجے میں کہا-''
کچھ سوچ رہے تھے میں نے ڈسٹرب کرنا مناسب نہ سمجھا-''

''اوہ---'' اس نے بے ساختہ تعریفی نظروں سے شاہینہ کو دیکھا- وہ اس کے مزاج کو اس
قدر سمجھتی تھی کہ بعض اوقات اسے اس پر حیرت ہوتی تھی- مائرہ سے وہ اردو اور انگلش کی کتابیں
پڑھتی رہتی تھی اور گفتگو میں مناسب الفاظ کا استعمال اس خوبصورتی سے کرتی کہ سننے والا اسے کم
کم دس بارہ جماعت پڑھی لکھی سمجھتا-

''شاہینہ---'' جعفری نے اسے غور سے دیکھا-

''جی انکل-'' اس نے نظریں اٹھائیں-

''تمہارا شوہر تمہاری سمجھداری کے باعث بے حد خوش اور سکون میں رہے گا-'' وہ مسکرایا-

''انکل-'' وہ شرما کر پلٹی اور دروازے سے نکل گئی-

جعفری کے ہونٹوں سے قہقہہ آزاد ہو گیا- اس نے کمرے سے نکل کر واش بیسن کا رخ
کیا- ہاتھ منہ دھو کر وہ ڈائننگ ٹیبل پر پہنچا تو مائرہ منہ پھلائے بیٹھی اخبار دیکھ رہی تھی-

''یہ کیا پاپا--- میں آدھ گھنٹے سے بھوکی بیٹھی ہوں-'' اس نے اخبار ایک طرف پھینک
دیا-

''سوری بیٹا--- میں ذرا مصروف تھا-'' وہ کرسی سنبھال کر نیپکن لگانے لگا-

''کہاں مصروف تھے پاپا-'' وہ اسے غور سے دیکھ کر بولی- ''آپ کو تو جھوٹ بولنا بھی نہیں
آتا- شاہینہ تو بتا رہی تھی آپ ممی کی یادوں میں گم ہیں-''

''آں---'' وہ بے ساختہ چونکا- پھر مائرہ کی بات سمجھ میں آئی تو اس کے ہونٹوں پر بھی
مسکراہٹ پھیل گئی- مائرہ پہلے ہی اسے مسکراتی نظروں سے دیکھ رہی تھی-

''ظاہر ہے بیٹا- اس سے زیادہ اچھا اور ضروری کام کیا ہوگا میرے لئے-''

''یہ تو ہے-'' مائرہ نے کہا اور سالن کی ڈش اس کی طرف بڑھا دی--- دونوں باپ بیٹی
کھانا کھانے لگے- یہ پہلے دن سے طے تھا کہ کبھی شمیم سحر کے ذکر پر افسردہ نہ ہوا جائے گا- اس
کے ذکر پر مسکراہٹیں اور زندہ دلی نچھاور کی جائے گی- اسے اپنی زندگی میں زندہ رکھنے کا یہی سب
سے بہتر طریقہ تھا جو ان باپ بیٹی نے اپنا رکھا تھا-

''آج انکل عابدی کھانے پر نہیں آئے پاپا- شاہینہ نے بتایا وہ اپنے کمرے میں ہیں اور
ان کا پیٹ ٹھیک نہیں-''

''ایسی کوئی بات نہیں-'' جعفری نے ہنس کر کہا- ''یہ شاہینہ کی بچی بہت تیز ہوتی جا رہی
ہے- عابدی نے صبح ذرا زیادہ کھا لیا تھا اب اسے ایڈجسٹ کر رہا ہے- بس اتنی سی بات ہے-''

''ہوں-'' مائرہ نے گلاس واپس رکھا- ''ابھی پوچھتی ہوں جا کر--- اتنا کیوں کھاتے
ہیں کہ دوبارہ کھایا نہ جائے-''

''میں یہیں بتانے آ گیا ہوں بھائی لوگو--- تمہیں میرے پاس آنے کی ضرورت نہیں-''
عابدی نے ڈائننگ روم میں قدم رکھا- اس کے پیچھے پیچھے ایک بائیس تئیس سال کا مضبوط بدن
والا لڑکا بھی تھا جس کے تیکھے نین نقش، اونچے قد اور سادہ لباس نے اسے خاصا پرکشش بنا رکھا
تھا-

مائرہ نے اس کا ایک ہی بار میں ایسا بھرپور جائزہ لیا کہ وہ جھینپ گیا اور مائرہ کو اس کی یہ
ادا بھی اچھی لگی-

''آؤ بھئی سکندر آؤ-''

سکندر نے جب اپنی بے حد ٹھہراؤ آمیز آواز میں مائرہ اور جعفری کو مشترکہ سلام کیا جعفری نے اسے بڑی گہری نظروں سے دیکھا۔اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے جعفری نے عابدی کی جانب سوالیہ انداز میں نگاہ کی۔

"یہ سکندر ہے۔گاؤں سے آیا ہے۔جہاں ایک چیتے نے اودھم مچا رکھا ہے۔تمہیں اپنا شکار کا پروگرام آج ہی فائنل کرنا ہوگا۔" عابدی نے جیسے اسے مینو سنایا۔"بیٹھو سکندر---کھانا کھا گئے؟" آخری فقرہ اس نے سکندر سے مخاطب ہو کر کہا۔

"جی نہیں---میں نے سٹیشن پر اترتے ہی پہلا کام کھانا کھانے کا کیا تھا۔صرف چائے پیوں گا۔" وہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

جعفری اور مائرہ نے کھانا ختم کر لیا۔شاہینہ برتن سمیٹنے لگی۔اسے سب کے لئے چائے کہنے کی ضرورت نہ تھی۔وہ اپنا کام بخوبی سمجھتی تھی۔

"ہوں---تو سکندر میاں---کیسا ہے وہ چیتا جس نے تمہارے گاؤں کو نشانہ بنا رکھا ہے۔" جعفری نے سگریٹ سلگایا۔عابدی پہلے ہی اس کے ساتھ والی نشست سنبھال چکا تھا اور سکندر عین مائرہ کے سامنے بیٹھا تھا۔

"میں نے اسے نہیں دیکھا جی۔" سکندر نے اسی ٹھہرے ہوئے اور بڑے دلنشیں انداز میں جواب دیا۔اس کا بات کرنے کا انداز بے حد خوبصورت تھا۔"تاہم اب تک وہ جتنی واردات کر چکا ہے ان میں اس نے چند بھیڑیں اور دو گائیں پھاڑ کھائی ہیں۔کل رات خالی گئی ورنہ ساری وارداتیں اس نے مسلسل کی ہیں۔میں صبح فجر سے پہلے بس پر سوار ہوا تھا اس لئے یہ مجھے کہ کل رات اس نے کوئی واردات نہیں کی۔"

"ایسا پہلے بھی کبھی ہوا ہے؟" جعفری نے پوچھا۔

"جی نہیں---یہ کوئی نیا نیا جانور وارد ہوا ہے۔میری بائیس تیئس سالہ زندگی میں ہما گاؤں میں ایسا کوئی درندہ داخل نہیں ہوا۔"

"جنگل تمہارے گاؤں سے کتنا دور ہے؟"

"یہی کوئی تین چار میل ہوگا جی۔اور وہ جنگل بھی کیا ہے پہاڑی علاقہ ہے جی۔ فیصد حصے میں تو چشمے وغیرہ ہیں اور بس۔"

"کسی نے اسے دیکھا بھی ہے۔"

"جی ہاں۔تین دن پہلے جب اس نے چوہدری صاحب کے باڑے میں بھیڑ اٹھائی تو ا کے ملازموں نے اس کا پیچھا کیا۔وہ تین آدمی تھے اور تینوں نے اس پر فائرنگ بھی کی۔وہ تینو

گواہ ہیں کہ وہ چیتکبرا چیتا ہے۔"

"ہوں۔" جعفری نے کچھ سوچتے ہوئے گہرا کش لیا۔

اسی وقت شاہینہ چائے لے آئی اور تھوڑی دیر کے لئے ماحول برتنوں کی کھنک سے بہل گیا۔مائرہ کی دو تین مرتبہ سکندر سے نگاہیں ملیں۔وہ اسے بڑی دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔سکندر اس کی نگاہوں کا مطلب تو نہ سمجھا لیکن اسے اپنی طرف دیکھتے پا کر پہلے تو جھینپ گیا۔پھر اس نے بھی ۔بار گھور کر اسے دیکھا۔وہ اس کی بے باکی پر چونکی اور بے ساختہ مسکرا دی۔تنگ آمد بجنگ آمد کا محاورہ اس کے دماغ میں گونجا اور سکندر کو پھر نظر پھیرتے ہی بنی۔

"تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ کس گاؤں سے آئے ہو اور کون ہو بھائی؟" اچانک جیسے جعفری کا ذہن کھل گیا۔

"ماشاءاللہ۔" عابدی نے طنز کیا۔"جو بات سب سے پہلے پوچھنے کی تھی وہ اب دھیان شریف میں آ رہی ہے۔جناب عالی! یہ اوسیہ سے آیا ہے۔"

"ارے---وہیں تو مجھے درانی اور سلامت کے ساتھ شکار کے لئے جانا تھا۔اس گاؤں کا ریسٹ ہاؤس بھی ہم بک کرا چکے ہیں۔"

"مجھے درانی صاحب ہی نے بھیجا ہے جی---وہ کل رات سے وہیں ہیں۔سلامت صاحب آج پہنچ چکے ہوں گے۔"

"ارے---" اس بار واقعی جعفری حیرت زدہ رہ گیا۔

"اور اصل اطلاع یہ ہے کہ میں بھی آپ کے ساتھ جا رہا ہوں۔" عابدی نے دھماکہ کیا۔

"کیا؟" جعفری نے اسے بے یقینی سے دیکھا۔

"اور میں بھی!" مائرہ نے جیسے شور مچا دیا۔

"بے بی تم۔" اس نے گھبرا کر کچھ کہنا چاہا۔

"بس پاپا---جب انکل عابدی بھی جا رہے ہیں اور میرے ایگزام بھی پوسٹ پونڈ ہو گئے ہیں تو میں بھی جا رہی ہوں بس---" مائرہ نے فیصلہ کن لہجے میں اعلان کیا۔

اور جعفری کے دماغ میں اٹھارہ سال پہلے کا واقعہ ایک منظر کی طرح گھوم کر رہ گیا۔اس کی بے بس نگاہیں عابدی پر جم گئیں۔

"کیا ہوا؟" عابدی نے اسے خاموش دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔"تم یہ سب سن کر خوش نہیں ہوئے؟"

"نہیں---ایسی کوئی بات نہیں۔" جعفری نے خود کو سنبھالا۔وہموں اور سوچوں نے اس

کے ذہن پر یلغار کر رکھی تھی۔ "میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ تم کیا کرو گے جا کر؟"

"وہی جو کئی بار پہلے بھی کر چکا ہوں۔ تمہارے ساتھ رہوں گا۔ تم شکار کرو گے۔ میں صرف بندوق تھامے تمہیں کور کرتا رہوں گا۔ گولی تم چلاؤ گے۔ ڈر میں جاؤں گا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور اس بار تو میرے جانے کی ایک خاص وجہ بھی ہے۔"

"وہ کیا؟" بے ساختہ جعفری نے پوچھا۔

"سکندر کا کہنا ہے کہ یہ چیتا پورے چاند کی رات سے پانچ دن پہلے گاؤں پر حملہ آور ہوا ہے۔ کل کی رات پورے چاند کی رات ہے۔ مجھے نجانے کیوں محسوس ہو رہا ہے کہ اس مرتبہ میں اپنے مقصد اور تحقیق کے سلسلے میں ضرور کوئی انوکھی' نئی' کارآمد اور حتمی شے حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔"

"یعنی۔۔۔" جعفری نے کہنا چاہا۔

"ہاں۔ جو تم سمجھ رہے ہو میرا مطلب وہی ہے۔ پورے چاند کی رات کا چیتا۔۔۔ ایک درندہ۔۔۔!" عابدی نے بڑے ٹھہراؤ سے کہا۔

"تو پھر مائرہ نہیں جائے گی ہمارے ساتھ!" جعفری نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"وہ کیوں پاپا؟" مائرہ نے حیرت اور اچنبھے سے اس کی طرف دیکھا۔ ان سب باتوں سے میرا کیا تعلق؟"

"تعلق ہونا کیا ضروری ہے؟" وہ شاید زندگی میں پہلی بار جھنجلا کر بولا۔ مائرہ نے اسے پہلے حیرت' پھر افسوس اور آخر میں بھرائی ہوئی آنکھوں سے دیکھا۔ "میں نے کہہ دیا کہ تم نہیں جاؤ گی تو بس نہیں جاؤ گی۔"

اور اس بے رحمانہ حکم پر مائرہ نے آخری بار اسے پھر حیرت اور دکھ سے دیکھا۔ ایک جھٹکے سے کرسی سرکائی۔ لات مار کر اسے پیچھے گرایا اور تقریباً دوڑتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

سکندر' عابدی اور شاہینہ بھی حیران کن نظروں سے جعفری کو دیکھ رہے تھے جو سلگتے سگار کو آنکھوں کے سامنے لا کر یوں دیکھ رہا تھا جیسے ابھی اس کے دھوئیں سے کوئی جن برآمد ہو گا اور اس سے پوچھے گا۔

"آپ نے مائرہ کو ایسا کیوں کہا میرے آقا؟"

اگلے لمحے جن تو برآمد نہ ہوا' البتہ جعفری نے زور سے سگار کو ایش ٹرے میں ٹھونسا اور مسل کر رکھ دیا۔ لگتا تھا وہ اپنا سارا غصہ اس بے زبان پر نکالنے کی کوشش کر رہا ہے۔

"مائی فٹ!" وہ غرایا اور اٹھ کر کمرے سے نکل گیا۔

"جعفری۔۔۔" عابدی نے کرسی چھوڑتے ہوئے اسے پکارا مگر وہ سنے اور رکے بغیر دروازے سے نکلتا چلا گیا۔

عابدی حیرت زدہ سا کبھی خالی دروازے کو اور کبھی سکندر کو دیکھتا رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ جعفری کو ہوا کیا ہے؟

"تم بیٹھو۔۔۔ چائے ختم کرو۔ میں ابھی بلواتا ہوں تمہیں؟" کہہ کر عابدی بھی باہر لپکا۔

سکندر نے میز کے پار کھڑی شاہینہ کو ایک نظر دیکھا اور چونک پڑا۔ اسے صاف لگ رہا تھا کہ شاہینہ کے چہرے پر اس کے لئے ایک ہی لفظ لکھا ہے۔ "احمق!"

O

"یہ کیا حماقت ہے جعفری-" عابدی نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے ناگواری سے کہا- اس نے دیکھ لیا تھا کہ جعفری ہاتھ پشت پر باندھے بے چینی سے ٹہل رہا ہے- عابدی کی آواز پر وہ رکا- بڑی بجھی ہوئی اور اجنبی نظروں سے اسے دیکھا اور دوبارہ قدموں کو حرکت دے دی-

"میں نے کچھ کہا ہے منسٹر اعظم-" عابدی نے اس کی دکھتی رگ چھیڑی- اس کے قریب پہنچ کر اس نے جعفری کا بازو تھام کر مزید شٹلنگ سے روک دیا-

میں نے کہہ دیا ناں عابدی--- مائرہ شکار پر نہیں جائے گی!" وہ تلخی سے بولا-

"مگر کیوں؟ اگر اس کی کوئی معقول وجہ ہے تو میرا خیال ہے وہ خود بھی ضد نہیں کرے گی-" عابدی بھی سنجیدہ ہو گیا- "اور پھر یہ ایسی بات نہیں تھی کہ جس کے لئے ایک انجان مہمان کے سامنے یوں پنڈورا باکس کھولا جاتا-"

"تو یہ بات اپنی اس لاڈلی کو سمجھاؤ ناں جا کر جس نے سارا کھڑاگ کھڑا کیا- میں نے تو محض اسے نہ جانے کا بتایا تھا-" وہ پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولا

"پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ صرف میری ہی نہیں تمہاری بھی لاڈلی ہے- اسے اس طرح Behave کرنے کی سطح تک تم لائے ہو' میں نہیں- دوسری بات یہ کہ اس نے کوئی کھڑاگ کھڑا نہیں کیا- اس کی ناراضگی کے اظہار کا یہی طریقہ تھا جو اس نے اختیار کیا- اور تیسری بات یہ ہے کہ تمہارے بتانے کا انداز اس قدر آمرانہ تھا کہ اس کی جگہ کوئی بھی ہوتا' آپے سے باہر ہو جاتا-"

"مطلب یہ کہ سارا قصور میرا ہی ہے-" وہ تلخی سے اب بھی پیچھا نہ چھڑا پایا-

"سارا نہیں' زیادہ--- اور اس کے لئے تم زیادہ محسوس نہ کرو- معمولی بات ہے ختم ہو جائے گی- ہاں--- اور بھی آسانی سے ختم ہو سکتی ہے اگر تم مجھے وہ وجہ بتا دو جس کی آڑ میں تم مائرہ کو ساتھ نہیں لے جانا چاہتے-"

"نہیں بتا سکتا میں-" اس نے جھٹکے سے رخ پھیر لیا- "میں باپ ہوں- کیا مجھے اپنی ہر

بات کے لئے وجہ بیان کرنا ہو گی-"

"ہرگز نہیں-" عابدی نے جلدی سے کہا- "یہ تم سے کس نے کہا- اگر تم مائرہ کو ساتھ نہیں لے جانا چاہتے تو اسے ضد نہیں کرنا چاہیے لیکن بھلے آدمی- وہ یہ تو پوچھ سکتی ہے ناں کہ اے میرے ابا جان صبح تک تو مجھے آپ پیکنگ کا حکم دے رہے تھے- یہ اچانک کیا افتاد آ پڑی کہ آپ نے میرا پتہ کاٹ دیا-"

"عابدی--- عابدی تم سمجھ نہیں سکتے میرے ذہن میں کیا لاوا پک رہا ہے- خدا کے لئے تم مائرہ کو سمجھاؤ کہ اس وقت رک جائے- مجھے پریشان نہ کرے- میں کسی مناسب وقت پر اسے اور تمہیں سب بتا دوں گا-"

"او کے--- او کے---" عابدی نے ہاتھ کھڑے کر دیئے- "ریلیکس- میں اس سے بات کرتا ہوں- تم زیادہ ٹینشن نہ لو اور ادھر وہ سکندر اکیلا بیٹھا میز پر ناخنوں سے لکیریں کھینچ رہا ہو گا تم اس کے پاس جاؤ- میں مائرہ سے مل کر آتا ہوں- تب تک تم پروگرام فائنل کرو اس کے ساتھ- درانی کا پیغام ہے کہ آج ہی رات کو تم کو یہاں سے روانہ ہو جانا چاہیے-"

"میرا موڈ خراب ہو رہا ہے--- شاید میں بھی نہ جا پاؤں-" جعفری نے کہا اور عابدی کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا- دنیا ادھر کی ادھر ہو سکتی تھی مگر جعفری شکار سے ٹل جائے یہ ناممکنات میں سے تھا-

ایک دم اس کو معاملے کی گھمبیرتا کا احساس ہوا- بات واقعی اتنی اہم تھی جو جعفری اس قدر ٹینس ہو رہا تھا- اس نے جعفری کو دروازے کی طرف قدم بڑھاتے دیکھا تو رہ نہ سکا-

"جعفری--- براہ کرم میرے آنے تک سکندر کو رخصت نہ کرنا- اگر تم نہ بھی جاؤ تو میں بہر حال اس کے ساتھ جانا چاہوں گا-"

جعفری نے پلٹ کر دیکھے بغیر اثبات میں یوں سر ہلایا جیسے کہہ رہا ہو "تم سب جہنم میں جاؤ-" اور کمرے سے نکل گیا-

عابدی اس کے پیچھے ہی باہر آیا اور اوپر جانے والی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا- مائرہ کا کمرہ سیڑھیوں کے اختتام پر ٹیرس کے بائیں ہاتھ تھا- اس نے بند دروازے پر دستک دی-

"کھلا ہے-" اندر سے مائرہ کی ناراض آواز ٹن سے ابھری- عابدی بے ساختہ مسکرا دیا- دروازے کا ہینڈل گھمایا اور اندر داخل ہو گیا-

مائرہ سامنے صوفے پر نیم دراز انگلیاں چٹخا رہی تھی- اس کا چہرہ ستا ہوا تھا اور لگتا تھا وہ روئی ہے- عابدی کے دل کو دھچکا سا لگا- وہ صاحب اولاد نہیں تھا مگر مائرہ اس کو بیٹی سے کم عزیز نہیں تھی-

''ارے---تم یہاں بیٹھی مزے کر رہی ہو اور وہاں تمہارے باپ نے میرا ناطقہ بند کر رکھا ہے-'' عابدی نے ماحول کی کدورت کو شگفتگی میں بدلنے کے لئے لفظوں میں لطافت بھرنا چاہی-

''اب کیا ہوا؟'' مائرہ نے ہولے سے پوچھا-

''میری طرف دیکھو گی تو بتاؤں گا ناں بابا؟'' عابدی اس کے قریب جا بیٹھا-

''دیکھنے سے کیا ہوگا- آپ زبان سے بات کریں اور کانوں سے جواب سن لیں-'' اس نے سیدھے ہو کر پوچھتے ہوئے کہا-

''ہوں-'' عابدی نے قیاس کیا کہ مائرہ ناراض کم اور دکھی زیادہ ہو رہی ہے- ظاہر ہے اس کی معقول ترین وجہ یہ تھی کہ جس باپ نے کبھی اسے پھول نہ مارا' آج الفاظ کی سختی سے اس کا دل چھلنی کر دیا تھا-''لگتا ہے غصہ ابھی اترا نہیں-''

''اترے گا بھی نہیں-'' وہ منہ پھلا کر بولی-''مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ مجھے ساتھ نہ لے جانے کی وجہ کیا ہے؟''

''اور اگر وجہ نہ بتائی جائے تو؟'' عابدی نے پیار سے پوچھا-

''تو یہ دوسری زیادتی ہوگی میرے ساتھ!''

''نہ بیٹی نہ---'' عابدی نے ہاتھ بڑھا کر اس کا سر اپنے ساتھ لگا لیا-''وہ تو پگلا ہے ساری زندگی اس نے تمہارے ساتھ تمہارے لئے گزار دی تو کیا اس کا اتنا بھی حق نہیں تم پر کہ کبھی تمہیں کسی کام سے بلاوجہ روک سکے- اور میں یہ بھی بتا دوں کہ تمہیں روکنے کی اس کے پاس کوئی معقول وجہ بھی موجود ہے-''

''تو بتاتے کیوں نہیں مجھے؟'' وہ عابدی کے بالکل ساتھ لگ گئی- کسی معصوم بچی کی طرح جسے تیز دھوپ کا خوف سمٹ جانے پر مجبور کر رہا ہو-

''بتائے گا لیکن ابھی نہیں- وہ کہتا ہے وقت آنے پر بتاؤں گا تو بیٹی اس میں حرج ہی کیا ہے- ظاہر ہے کوئی تو بات ہے جو وہ ایسے رویے پر اتر آیا- اب اس وقت صورت حال کو مزید خراب ہونے سے بچانے کے لئے کیا تم اتنا تعاون نہ کرو گی کہ خاموشی سے اس کی بات مان لو-''

''انکل آپ بھی---'' مائرہ نے اسے خفگی سے دیکھا-

''میں بھی بیٹی-'' عابدی نے مسکرا کر جواب دیا-''ہاں--- میں بھی- میں نے کبھی تمہارے باپ کو اس قدر ٹینس نہیں دیکھا کہ وہ خود بھی شکار پر جانے کا ارادہ ترک کر دے-''

''کیا؟'' مائرہ کو جھٹکا سا لگا-

''ہاں مائرہ-'' عابدی نے اس کے شانے سے ہاتھ ہٹا لیا-''بیٹی--- بات یقیناً ایسی ہے کہ تمہاری ناراضگی کے خوف سے وہ خود بھی شکار کا پروگرام کینسل کرنے کی حد تک سنجیدہ ہو گیا ہے-''

''نہیں نہیں انکل-'' وہ تڑپ اٹھی-''میں پاپا کو ہرگز اس کی اجازت نہیں دوں گی-'' اس کا لہجہ بھیگ سا گیا-''زندگی میں میرے بعد ان کا ایک ہی تو شوق ہے- وہ اسے بھی میرے لئے تیاگ دیں- یہ میں سہ نہیں سکتی- ہرگز نہیں-''

''تو اس کی بات مان لو بیٹی---وہ---''

''مان لی انکل مان لی-'' مائرہ نے نم آنکھوں سے عابدی کی طرف دیکھا-''میں تو ویسے ہی حسب عادت ضد پر اتر آئی تھی ورنہ مجھے اپنی خواہش کیا پاپا سے زیادہ عزیز ہے- یہ انہوں نے کیسے سوچ لیا؟''

''جاؤ-'' عابدی نے اسے بے حد پیار بھری نظروں سے دیکھا-''اسے جا کر بتاؤ کہ تم اس سے ناراض نہیں ہو ورنہ وہ سچ مچ شکار سے ہاتھ کھینچ لے گا اور یہ میں بھی برداشت نہ کر پاؤں گا مائرہ کہ میرا دلاور دوست بجھ کر رہ جائے-''

مائرہ نے اثبات میں سر ہلایا- الٹے ہاتھ سے آنکھوں کی نمی صاف کرتے ہوئے کمرے سے نکلی تو تیز قدم تھی- سیڑھیوں تک آئی تو دوڑ پڑی اور ڈائننگ روم میں داخل ہوئی تو ہوا کے اس جھونکے کی طرح بے قرار تھی جسے پھولوں کو مہکانے کے لئے گلشن میں جانے کی جلدی ہو-

جعفری ایک کرسی کی پشت پر ہاتھ رکھے خاموش کھڑا تھا- اس نے مائرہ کو آتے دیکھا- پھر اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھ پاتا- مائرہ لپک کر آئی اور اس کے سینے میں سما گئی-

''پاپا--- پاپا---'' وہ اس کے سوا کچھ کہہ نہ پا رہی تھی- بس اس کے سینے میں منہ چھپائے بچوں کی طرح سسکے جا رہی تھی-

''ارے-'' جعفری کے جلتے دل میں سکون کی سرد لہر نے باہیں کھولیں-''کیا ہوا بیٹا-''

''پاپا--- پاپا---'' وہ جیسے اس کے دل میں گھس جانا چاہتی تھی--- تب جعفری نے بھیگی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ اسے اپنے ساتھ بھینچ لیا-

باپ اور بیٹی کی محبت کا یہ ایسا پاکیزہ انداز تھا کہ سکندر بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا- شاہینہ نے اسے ایک بار پھر تیز نظروں سے دیکھا- یوں جیسے وہ مائرہ کے آنسوؤں اور جعفری کی آزردگی کا باعث اسی کو سمجھتی ہو- پھر اس کے آگے رکھا ہوا خالی کپ اٹھا کر اس طرح سامنے کچن کے دروازے میں داخل ہوئی جیسے سکندر نے کوئی بھی لفظ منہ سے نکالا تو وہ کپ اس کے سر پر دے

مارے گی۔

''بس---بس بیٹا---تم تو یونہی ناراض ہو جاتی ہو۔''

''آپ شکار پر جا رہے ہیں ناں؟'' مائرہ نے سرخ اور متورم آنکھوں سے باپ کی طرف دیکھا۔

''کیوں؟'' جعفری نے اس کی آنکھیں خشک کرتے ہوئے پوچھا۔ ''تم ایسا کیوں پوچھ رہی ہو؟''

''آپ اپنا پروگرام کینسل نہ کریں۔ میں گھر پر رہوں گی۔ آپ ضرور جائیں۔''

''دل سے کہہ رہی ہو؟''

''ہوں--'' اس نے تیزی سے اثبات میں سر ہلایا۔

''جھوٹ تو نہیں!''

''اوں ہوں۔'' وہ نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

''او کے---میں سوچوں گا۔''

''سوچنے کا وقت نہیں ہے جناب۔'' سکندر نے موقع کی مناسبت سے دخل دینا ضروری سمجھا۔ ''آپ کو آج جتنی جلدی ہو سکے چل پڑنا چاہیے۔''

''سکندر ٹھیک کہہ رہا ہے یار۔'' عابدی نے کہا تو وہ چونک کر پلٹا---عابدی نجانے کب کا آ کر ایک کرسی پر براجمان ہو چکا تھا۔

''اب تم باپ بیٹی یہ برسات کا موسم ٹھیک کرو اور کام کی طرف لوٹو۔ سکندر کی بتائی ہوئی صورتحال واقعی سستی کرنے اور سوچنے کی متحمل نہیں ہو سکتی۔''

''میں سمجھتا ہوں عابدی۔'' جعفری نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''پھر بھی تیاری کے لئے کچھ وقت تو چاہیے۔''

''پاپا---'' مائرہ نے اس سے الگ ہوتے ہوئے کہا۔ ''آپ کی پیکنگ میں کر چکی ہوں۔ آپ کو اپنے طور پر جو تیاری کرنی ہے اس میں کتنا وقت لگ سکتا ہے۔ یہ آپ سوچ لیں اور میرا بھی یہی خیال ہے کہ وقت ضائع نہ کریں' انکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔''

''اگر پیکنگ مکمل ہے تو مجھے صرف بازار جانا ہوگا۔ رائفل میں نے سروس کے لئے دی ہوئی ہے۔ راؤنڈز خریدنا ہیں اور ایک دو اور ضروری چیزیں۔''

''تو بھلے آدمی تم جاؤ اور اپنا کام کر کے لوٹ آؤ۔ اتنی دیر میں ہم دونوں چچا بھتیجی تمہاری باقی کی کسر پوری کر دیں گے یعنی جو تیاری میں کمی ہے اسے مکمل کرنے کے بارے میں کہہ رہا

ہوں۔'' عابدی نے جلدی سے بات بدلی۔

جعفری بے اختیار مسکرا پڑا۔ ''پورے سور ہو تم!''

''نوازش۔'' عابدی نے سر جھکایا۔ ''دوست کس کا ہوں۔''

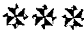
''آیئے بھی انکل---ان باتوں میں تو آپ پوری رات گزار دیں گے۔ پاپا آپ جایئے اور جلدی لوٹ آیئے گا۔''

''او کے۔'' جعفری نے جیب میں ہاتھ ڈال کر کی رنگ نکالا۔ پھر سکندر کی جانب دیکھا۔

''تم میرے ساتھ چلو جوان۔ یہاں اکیلے بور ہوتے رہو گے۔ ذرا مجھے وہاں کے بارے میں ضروری باتیں ہی بتا ڈالو۔''

''جی' چلئے۔'' وہ مستعدی سے اٹھا۔

کچن کے دروازے سے برآمد ہوتی شاہینہ نے سکندر کی جانب بڑی عجیب نظروں سے دیکھا۔ وہ کچھ سمجھا' کچھ نہ سمجھا اور جعفری کے پیچھے پیچھے کمرے سے نکل گیا۔ شاہینہ اس کے جانے کے بعد خالی دروازے کو یوں تک رہی تھی جیسے دروازے کے ماتھے پر سینگ نکل آئے ہوں۔



''ہاں تو سکندر خان لودھی۔'' جعفری نے بے تکلفی کا اظہار کرتے ہوئے سٹیئرنگ گھمایا اور دوسری سڑک پر آ گیا۔ سکندر اس کے طرز تخاطب پر کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

''آپ نے تو مجھے کہیں کا کہیں پہنچا دیا جناب۔ بہرحال آپ کچھ کہہ رہے تھے!''

''میں یہ پوچھنا چاہ رہا تھا کہ تم کچھ اپنے بارے میں بتاؤ گے یا سینڈوچ بنے بیٹھے رہو گے؟''

''کیا بتاؤں جناب۔'' وہ سنجیدہ ہو گیا۔ ''گاؤں کا رہنے والا ہوں۔ ماں باپ مر چکے ہیں۔ ایک بوڑھا ماموں ہے جس نے مجھے سگی اولاد کی طرح پالا ہے۔ ریوڑ چراتا ہے۔ بکریوں اور بھیڑوں کا دودھ پلا پلا کر مجھے پڑھاتا ہے۔ خود فاقہ کر لیتا ہے مجھے اچھا کھلاتا ہے۔ اچھا پلاتا ہے۔ میں نے جن بھیڑوں کا ذکر کیا وہ میرے ماموں ہی کی تھیں۔ اس کا نقصان مجھے اپنا نقصان لگتا ہے جناب۔ میرا جی چاہتا ہے اگر وہ درندہ میرے سامنے آ جائے تو میں اسے جان سے مار دوں۔'' وہ دانت پیس کر بولا اور بے اختیار جعفری کا قہقہہ جیپ کے اندر رقصاں ہو گیا۔

''آپ ہنسے کیوں جناب؟ کیا میں نے کوئی غلط بات کہہ دی؟'' سکندر نے چونک کر اسے

حیرت سے دیکھا۔

''غلط نہیں سکندر۔۔۔ نان ٹیکنیکل اور انہونی۔۔۔ تم خالی ہاتھ ایک درندے اور وہ بھی چیتے جیسے خونخوار درندے کو کیسے مارو گے؟ بس یہ سوچ کر میں ہنس پڑا تا ہم تمہارا جذبہ بے حد قابل قدر ہے۔'' جعفری سنجیدہ ہو گیا۔ ''جو لوگ احسان یاد رکھتے ہیں۔ محسن کو یاد رکھتے ہیں۔ ان کے خون میں ایک نجابت ہوتی ہے۔ ایک پاکیزگی ہوتی ہے اور میں نے محسوس کیا ہے تمہاری باتوں سے کہ تم اپنے ماموں کے لئے وہ پاکیزگی اپنے خون میں برقرار رکھے ہوئے ہو۔''

''کیسے نہ رکھوں جناب۔'' سکندر نے آہ بھری۔ ''میں نے ماں دیکھی نہ باپ۔ آنکھ کھولی تو ماموں ہی سب کچھ نظر آیا۔ پچھلے سال میں نے بی اے پاس کیا ہے۔ تب سے نوکری کی تلاش میں ہوں۔ ماموں نے کبھی مجھے پریشان نہیں ہونے دیا۔ وہ کہتا ہے کہ ہم دو معصوم جانیں ہیں۔ ہمارے لئے ان بھیڑ بکریوں کا دودھ پینے کے بعد بھی اتنا بچ جاتا ہے کہ فروخت کر کے دو وقت کی روٹی اور کپڑا اتنا آسانی سے مل جائے۔ پھر جلدی اور فکر کی کیا بات ہے۔ آرام سے سکون سے تلاش کرو۔ نوکری بہت زیادہ تلاش کرنے سے نہیں' راہ چلتے سڑک پر گری اٹھنی کی طرح خود بخود مل جایا کرتی ہے۔''

''واہ۔۔۔'' جعفری بے ساختہ کہہ اٹھا۔ ''کیا خوبصورت بات کہی تمہارے ماموں نے!''

''وہ بوڑھا ہو گیا ہے ناں جناب۔ اس لئے ایسی باتیں سوچ بھی لیتا ہے اور کہہ بھی لیتا ہے۔ مگر میرے پاس اتنا فالتو وقت نہیں ہے۔ میرا جی چاہتا ہے میں نوکری کروں' پیسے کماؤں اور اس کی بوڑھی ہتھیلی پر وہ سرخ سرخ کاغذ لا رکھوں جن کی کڑک اور مہک اسے ایک بار پھر جوان کر دے۔ وہ اپنی چندھی آنکھوں سے انہیں دیکھے اور بچوں جیسی نتھری ہوئی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر یہ کہتی ہوئی ناچ اٹھے۔ ''ارے سکندر۔۔۔ بیٹا اتنے سارے روپے تو میری اس عمر میں بھی شادی کرا سکتے ہیں رے۔''

اور سکندر کے ساتھ ساتھ جعفری بھی ہنس پڑا۔

''بھئی تمہارے ماموں سے تو ملنا پڑے گا۔ بے حد دلچسپ آدمی لگتے ہیں وہ۔''

''جناب۔ وہ صرف دلچسپ باتیں ہی نہیں کرتا۔ آپ دنیا جہان کے مسائل پر اس سے مشورہ لے لیں۔ وہ یوں بات کرنے لگا جیسے اس کی ساری زندگی اسی ماحول میں گزری ہو جس کی آپ بات کر رہے ہیں۔ ایک دن اس نے ہوائی جہاز اڑتے دیکھا تو کہنے لگا۔ یار سکندر اسے دیکھ کر یوں نہیں لگتا جیسے یہ کوہ کاف کا وہ جن ہے جسے کسی نے چھلنی دے کر اس کام پر لگا دیا ہو کہ وہ

سمندر سے اس میں پانی لے کر آئے۔''

''ہا ہا ہا ہا ہا۔'' جعفری کی ساری کلفت دور ہو گئی۔ اس نے اسلحہ ڈیلر کی دکان کے سامنے جیپ روکی اور انجن بند کرتے ہوئے بولا۔ ''لو بھئی سکندر خان لودھی۔ تم ذرا انتظار کرو۔ میں رائفل اور گولیاں لے آؤں۔ واپس آ کر پھر ماموں کی باتیں کریں گے۔''

سکندر نے سر ہلا دیا اور سڑک پر آتی جاتی ٹریفک میں کھو گیا۔ جعفری نے رائفل اور گولیاں لے کر آنے میں زیادہ وقت نہیں لگایا۔ دس ایک منٹ میں وہ لوٹ آیا۔ تھوڑی آگے جا کر اس نے پھر جیپ روکی اور ایک سٹور سے اندھیرے میں کام کرنے والی دوربین خریدی۔ ایک اور دکان سے اس نے ایک مردانہ سوٹ کا کپڑا اور گرم چادر بھی خریدی۔

دوربین تو اس نے رائفل کی نالی پر فٹ کر کے جانچ لی اور کپڑے اور چادر کا پیکٹ پچھلی سیٹ پر ڈال دیا۔

''سکندر خان کبھی شکار کھیلا کہ نہیں؟'' اس نے گاڑی گیئر میں ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں جناب۔'' سکندر نے مایوسی سے کہا۔ ''یہ امیروں کے شوق ہیں۔ ہم لوگ ایسی عیاشی کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ ہاں چھوٹا ریوالور میرے پاس گھر پر ہے جو ماموں نے مجھے میٹرک میں پاس ہونے پر لے کر دیا تھا۔ وہ میں خوب چلا لیتا ہوں۔''

''چھوٹا ریوالور کیا مطلب؟ کیا چڑیا جتنا ہے؟''

''نہیں جناب۔'' سکندر شرمندہ سا ہو گیا۔ ''وہ دراصل دیسی ہے اور بالکل بیکار سی وضع قطع کا ہے۔ میں تو عام طور پر کسی کو دکھاتا بھی نہیں۔''

''اس سے بندہ وندہ تو مر سکتا ہے ناں؟''

''ہاں جی۔ یہ کام تو وہ خوب کر لیتا ہو گا۔ میں نے اس سے ایک بار جنگلی کتے کو زخمی کر دیا تھا۔''

''تو پھر وہ چھوٹا تو نہ ہوا ناں۔ کام بڑے کرتا ہے تو بڑا ہی ہوا ناں۔''

بات جیسے سکندر کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے سر ہلایا اور خوش دکھائی دینے لگا۔ راستے میں ایک جگہ رک کر جعفری نے سگار کا ڈبہ خریدا پھر وہ سیدھے گھر چلے آئے۔ عابدی نے ان کی واپسی تک اپنی پیکنگ بھی کر ڈالی تھی۔ دو ہولڈال' عابدی کی رائفل' ایک مشترکہ اٹیچی کیس۔ بس مختصر سا یہ سامان اس نے کافی سمجھا تھا۔ ویسے بھی جعفری زیادہ بھیڑ بھاڑ کی شکل میں سامان ساتھ نہ رکھا کرتا تھا۔ مائرہ نے ان دونوں کو آتے دیکھا تو آگے بڑھ کر جعفری کے ہاتھ سے رائفل راؤنڈز باکس اور سگار کا ڈبہ لے لیا۔''

آپ لان ہی میں بیٹھئے- میں نے ملک شیک بنوایا ہے-'' وہ چیزیں اندر لے جاتے ہوئے بولی-

سکندر کو ساتھ لے کر جعفری لان میں بچھی کرسیوں پر آ بیٹھا- عابدی بھی وہیں چلا آیا- شاہینہ ملک شیک کا جگ اور گلاس ٹرے میں رکھے آئی- سب کو ملک شیک گلاسوں میں ڈال کر دیا- سکندر کو ایک نظر دیکھا اور واپس لوٹ گئی-

''تیاری مکمل ہے- اب تم کہو کس وقت چلنا ہے-'' عابدی نے گلاس خالی کر کے میز پر رکھتے ہوئے کہا-

''کیوں بھئی سکندر خان لودھی- کب چلنا چاہیے؟'' جعفری نے ایک بڑا گھونٹ لے کر پوچھا-

''جناب آپ نے تو یہ لودھی مستقل ہی میرے نام کے ساتھ جڑ دیا ہے-'' سکندر نے ہنس کر کہا-

''اچھا نہیں لگتا کیا؟''

''جی نہیں- ایسی کوئی بات نہیں آپ کہتے رہیے- اب تو مجھے بھی اچھا لگنے لگا ہے-''

جعفری نے مسکرا کر عابدی کی طرف دیکھا-

''عابدی- سکندر کا ماموں بے حد دلچسپ آدمی لگتا ہے- سکندر نے مجھے اس کی باتیں سنائی ہیں اور میرا دل اسے ملنے کے لئے بے چین ہو رہا ہے یار-''

''اچھا-'' عابدی نے سکندر کی طرف مسکراتی نگاہوں سے دیکھا- ''ایسی کیا خاص بات ہے سکندر خان کے ماموں میں!''

''یہ تو تم وہاں چل کر دیکھنا- ارے ہاں-'' جعفری اچانک چونکا- ''یار ہم دونوں جا رہے ہیں- پیچھے مائرہ تو اکیلی رہ جائے گی-''

''تو کیا؟ اب وہ بچی تو نہیں ہے جو تم اتنا فکر مند ہو رہے ہو--- جنگل میں شکار کھیلنے جا سکتی ہے- گھر پر ملازموں کے ساتھ اکیلی ہے واہ بھئی واہ-''

''جنگل اور شہر کے درندوں میں بڑا فرق ہوتا ہے عابدی-'' جعفری نے سنجیدگی سے کہا- ''یہ مہذب درندے ہیں پھر بھی انسان ہیں- وہ بے زبان درندے ہیں اور گولی کے قابل ہیں-''

''بس یار- زیادہ خشک گفتگو سے میرا دل متلانے لگتا ہے- تم اگر چاہو تو میں صبا سے کہوں وہ مائرہ کو چند دن اپنے پاس رکھ لے-''

''اتنا کہا مانتی ہے تمہارا؟'' جعفری نے اس کی آنکھوں میں دیکھا-

''میں ہی نافرمان ہوں جعفری- راندۂ درگاہ ہوتے ہوتے بچا ہوں-'' عابدی نے پھیکے سے لہجے میں کہا- ''وہ تو سراپا اقرار ہے- سراپا امید ہے-''

''اور اگر وہ چند دن کے لئے یہاں آ جائے-''

''نہیں-'' عابدی نے فوراً کہا- ''جو بات ممکن نہیں ہے اس کے لئے میں اسے مجبور نہیں کروں گا-''

''تو پھر رہنے دو- تم سے پہلے بھی کئی بار وہ انہی ملازموں کے ساتھ اکیلی رہی ہے- اب تو ماشاءاللہ جوان ہو چکی ہے-''

''جیسی تمہاری مرضی-'' عابدی نے بات ختم کرنا چاہی-

پھر یہی طے ہوا کہ صبح فجر کے فوراً بعد روانہ ہوا جائے- صبح سات بجے تک وہ مری پہنچ جائیں گے- وہاں سے گاؤں کا راستہ صرف ایک گھنٹے کا تھا-

نو بجے تک وہ کھانا وغیرہ کھا کر فارغ ہو گئے- سوا نو بجے وہ اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے- سکندر کو مہمان خانہ کھول دیا گیا تھا- صبح چھ بجے انہوں نے مائرہ وغیرہ کو اللہ حافظ کہا اور گھر سے نکل آئے- مائرہ گیٹ پر کھڑی اس وقت تک ہاتھ ہلاتی رہی جب تک جیپ اس کی آنکھوں سے اوجھل نہ ہو گئی- وہ بے حد اداس ہو رہی تھی- باپ کے ساتھ نہ جانے کا دکھ ایک بار پھر پوری شدت سے ابھر آیا-

''مائرہ بی بی- اندر چلیں-'' شاہینہ نے اسے چونکایا تو وہ دھیرے سے پلٹی- گیٹ سے کمرے تک جاتے جاتے اسے اگر باپ کے بعد کوئی چیز یاد آئی تھی تو وہ سکندر تھا- سیدھا سادہ نوجوان اور وجیہہ سکندر- اس نے چاہا مگر اس کے خیال کو ذہن سے جھٹک نہ سکی اور اسے اس وقت اور زیادہ حیرت ہوتی اگر وہ کچن میں چلی آتی جہاں خیالوں میں گم چولہے کے پاس کھڑی شاہینہ انگلی سے دھلی ہوئی پلیٹ کی گیلی سطح پر ایک لفظ لکھ رہی تھی بار بار- پانی کی نمی اسے مٹا دیتی تو وہ دوبارہ لکھ دیتی- وہ اس کھیل میں اتنی مگن تھی کہ اسے یہ بھی پتہ نہ چلا کہ دودھ ابل ابل کر چولھے میں گر رہا ہے- اس کی انگلی تو مشینی انداز میں ایک ہی لفظ ایک ہی نام بار بار لکھے جا رہی تھی- سکندر- سکندر- سکندر!

O

صبح ٹھیک ساڑھے سات بجے جعفری نے مری کے مال روڈ پر جیپ روک دی۔ انہو
نے ایک سیلون کا رخ کیا۔ نہا دھو کر فریش ہوئے۔ ایک چھوٹے سے صاف ستھرے ریستورا
میں ناشتہ کیا۔ سکندر نے بل چکانے کی کوشش کی تو جعفری نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''اوں ہوں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ حرکت دوبارہ نہیں کرنا!'' پرس نکال کر
نے بل چکا دیا۔

''صاحب! یہ علاقہ ہمارا ہے۔ ہمیں خدمت کرنے دیں۔'' سکندر ممنونیت سے بولا۔

''پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم نے تمہیں اب تک یہ علاقہ کرتے ہوئے دیکھا نہیں۔'' جعفر
نے سنجیدگی سے کہا۔ عابدی نے اس کے فقرے پر بمشکل ہنسی روکی اور منہ پھیر لیا۔ ''اور دوسر
بات یہ کہ تمہارا علاقہ یہ نہیں اوسیہ ہے۔ وہاں جا کر تم جو سلوک چاہو ہمارے ساتھ کرنا ہم چپ
رہیں گے۔ اب چلو۔''

چالیس منٹ میں وہ گاؤں پہنچ گئے۔ اوسیہ ایک پکی بستی تھی جس کے رہنے والوں
غربت اور مفلسی ذرا کم مقدار میں جھلک رہی تھی۔ سکندر نے گاؤں کے چودھری عبدالسلام
مہمان خانے کے باہر جیپ رکوائی۔ یہ مہمان خانہ گاؤں کے شروع ہی میں تھا۔ چار پانچ کمروں
پکا مکان جس کو حتی الامکان صفائی اور رنگ و روغن کا لیپ پھیرا گیا تھا' رہنے کے لئے بڑی مناسب
جگہ تھی۔

''سکندر۔ ریسٹ ہاؤس ہی چلے چلتے بھئی؟'' جعفری نے کہا۔

''جناب ریسٹ ہاؤس آپ کا سامان جا رہا ہے۔ یہاں چوہدری صاحب' سلامت
صاحب اور درانی صاحب آپ کے منتظر ہیں۔ ان سے یہی طے ہوا تھا کہ آپ کو یہاں چھوڑ کر
سامان ریسٹ ہاؤس لے جاؤں۔'' سکندر اچھل کر زمین پر جا کھڑا ہوا۔

''اچھا۔ پھر ٹھیک ہے۔'' وہ دونوں بھی اتر آئے۔ ''جیپ چلا لیتے ہو؟''

''جی صاحب۔'' اس نے زور سے سر ہلایا۔

''تو لے جاؤ اسے ریسٹ ہاؤس۔'' جعفری نے اترتے ہوئے کہا۔

''جی جناب۔'' سکندر نے جیپ میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

جعفری اور عابدی کے لئے یہ بستی' اس کے مکین اور چوہدری وغیرہ سب پرانے جانے
لے تھے۔ ان کی باتوں کی آوازوں نے شاید اندر والوں کو باخبر کیا۔ وہ ابھی دروازے کے پاس
پہنچے تھے کہ عبدالسلام' درانی اور سلامت آگے پیچھے باہر نکل آئے۔

''ارے واہ۔ یہ تو ٹھیک ٹائم پر آ پہنچے بھئی!'' درانی نے رسٹ واچ پر نظر ڈالی اور نعرہ مارا۔

پھر وہ ان دونوں سے آگے بڑھ کر بڑی گرم جوشی سے ملے۔ عبدالسلام کچھ پریشان سا تھا
ہم اس نے پذیرائی میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ سلامت بھی بہت خوش تھا۔ وہ تینوں ایک ایک دو دو
ال کے فرق سے پینتیس چالیس کے پیٹے میں تھے۔ صحت سب کی بہت اچھی تھی۔ عبدالسلام ان
ے ذرا کم جثے کا حامل تھا تاہم عام لوگوں میں وہ ''قوی ہیکل'' کہا جا سکتا تھا۔ عبدالسلام ان سب
اندر لے آیا۔

ان کے بیٹھتے ہی اس کے ملازم چائے اور دوسرے لوازمات لے آئے۔ بڑی پر تکلف
ے پی گئی۔ سفر کے بارے میں ہلکا پھلکا تبادلہ خیال ہوا۔

''اور سناؤ بھئی یارو۔۔۔ کچھ تفصیل تو سکندر نے بتا دی تھی۔ باقی اگر قابل بیان ہے تو تم
ہ دو۔'' جعفری نے چارپائی پر نیم دراز ہوتے ہوئے کہا۔

''ارے ہاں۔ سکندر کے نام پر یاد آیا۔'' سلامت چونکا۔ ''رات یہاں بڑا حادثہ ہو گیا
''

''کیا ہوا؟'' عابدی کے ساتھ ساتھ جعفری بھی سیدھا ہو بیٹھا۔

''رات اس چیتے نے پہلا آدم شکار کر ڈالا۔''

''یعنی؟'' وہ دونوں بری طرح چونکے۔

''سکندر کا ماموں رات اس کا لقمہ بن گیا!'' درانی نے بتایا۔

''نہیں۔'' جعفری اور عابدی اچھل پڑے۔ ''یہ کیسے ہو سکتا ہے درانی؟''

''یہ رات ہو چکا ہے جعفری۔'' سلامت نے افسردگی سے کہا۔

''مگر کیسے؟'' عابدی نے پوچھا۔

''وہ رات اپنی بھیڑوں کے باڑے کو چیک کرنے کی غرض سے ادھر گیا۔ اسی وقت کہیں
۔۔ چیتا بھی آن دھمکا۔ بس قضاء نے اپنا رخ بدلا۔ بھیڑیں تو بچ گئیں بے چارہ نذر و مارا
ا۔''

''اوہ۔۔۔'' بے چینی سے جعفری اٹھ کھڑا ہوا۔ ''یہ تو بہت بری خبر سنائی تم نے! سکندر بے

چارہ تو پہلے ہی بہت پریشان اور جذباتی ہو رہا تھا۔۔۔مگر۔۔'' ایک دم جعفری نے پلٹ کر سلا، اور درانی کی طرف دیکھا۔'' یہ کیسے کنفرم ہوا کہ سکندر کا ماموں یعنی نذرو اسی چیتے کے ہاتھوں مار جو پہلے سے اودھم مچائے ہوئے ہے؟''

''اس بے چارے کی چیخوں نے آدھے گاؤں کو جگا دیا۔ لوگوں میں سے اکثریت رات اس درندے کو دیکھا ہے۔ وہ چیتکبرا چیتا ہی تھا۔ لوگوں کے شور مچانے' اس کا پیچھا کرنے نذرو کی ادھڑی ہوئی لاش چھوڑ کر بھاگ گیا۔'' عبدالسلام نے بتایا۔

''یہ بہت برا ہوا۔ سکندر کے حوالے سے تو یہ برا ہے ہی۔ اصل اندیشے والی بات یہ اس درندے کے منہ کو انسانی خون لگ گیا۔'' جعفری بڑبڑانے کے انداز میں بولا۔

''ہاں۔ تمہارے آنے سے پہلے ہم لوگ یہی باتیں کر رہے تھے۔'' سلامت نے جوا دیا۔

''مگر یہ تم نے کیا لاپرواہی کی کہ آتے ہی ہمیں چائے پر لگا دیا۔ ہمیں سب سے پہلے سک کے ساتھ اس کے گھر جانا چاہیے تھا۔۔۔ بلکہ تم لوگوں کو تو وہیں ہونا چاہیے تھا۔'' عابدی تلخی بولا۔

''ہم لوگ تمہارے انتظار میں یہاں آ گئے۔ وہاں نذرو کو کفن دے کر آئے تھے۔ لوگوں کے آنے کی دیر تھی۔ اب اس کا جنازہ اٹھانا ہے۔''

''تو چلو۔۔۔ دیر کس بات کی ہے؟ اٹھو سب۔'' جعفری نے کہا اور کسی کے ردعمل کا کئے بغیر باہر نکل آیا۔

چند منٹ بعد وہ گلیوں کی کچی زمین روندتے ہوئے سکندر کے گھر کی طرف جا رہے اس کا گھر گاؤں کے تقریباً شمال میں آخری کونے پر تھا۔ کچا پکا کوٹھا تھا۔ لوگ باگ یہاں جمع سکندر کے رونے کی آواز ان کو گھر کے باہر ہی سنائی دے گئی۔ میت کو کفن دے کر گھر کے چھو سے صحن میں رکھا گیا تھا۔

ان چاروں کے ساتھ چودھری کو آتے دیکھ کر مردوں اور عورتوں نے راستہ چھوڑ نا شر کر دیا۔ بچے بھی ادھر ادھر ہو گئے۔

گھر کے اندر سب سے پہلے جعفری لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا داخل ہوا۔ سکندر اپنے کی میت کے پاس زمین پر اجڑا اجڑا بیٹھا سسکیاں لے رہا تھا۔ وہ بار بار نذرو کے چہرے کو د اسے چھوتا اور پھر بین کے انداز میں رونے لگتا۔

جعفری نے ایک نظر ہی میں اندازہ کر لیا کہ چیتے نے نذرو کا بایاں بازو اور نچلا دھڑا

ڈالا تھا کیونکہ کفن کے سفید کپڑے میں سے بائیں بازو اور دھڑ کے نچلے حصے کا خون اب بھی رس رس کر اوپر سرخی دے رہا تھا۔

''سکندر۔'' جعفری نے رائفل دیوار کے ساتھ لگا کر اسے پکارا۔

''صاحب۔۔۔ صاحب۔'' سکندر نے اس کی آواز پر سر اٹھایا۔ اسے دیکھا اور بلک کر اس کی پھیلی ہوئی باہوں میں گر گیا۔

''بس سکندر بس۔'' باقی لوگ بھی تب تک قریب آ گئے اور اسے تسلی دینے لگے۔

''حوصلہ کرو سکندر۔۔۔ حوصلہ کرو۔'' جعفری نے اسے زمین پر بیٹھ کر ساتھ لگا لیا۔ ''تمہارے ماموں کا انتقام ہم پر فرض ہو گیا سکندر۔ اب وہ درندہ پاتال میں بھی جا چھپے تو ہم اسے ڈھونڈ نکالیں گے۔''

''نہیں صاحب نہیں۔ میں اسے اپنے ہاتھوں سے ماروں گا۔'' سکندر زور زور سے دائیں بائیں سر مارتے ہوئے برستی آنکھوں سے جعفری کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ''اس نے میری زندگی کا مقصد ہی چھین لیا صاحب۔۔۔ میں اسے کتے کی موت ماروں گا۔'' وہ آپے سے باہر ہو گیا۔

''ہاں ہاں۔۔۔ کیوں نہیں۔'' جعفری اسے دلاسہ دیتے ہوئے شانہ تھپکنے لگا۔ ''میں وعدہ کرتا ہوں تم سے سکندر۔ میں اسے موت کے گھاٹ اتارنے کے لئے تمہیں پورا پورا موقع دوں گا۔'' اس کا لہجہ عجیب سا ہو گیا۔ ''یہ میرا وعدہ ہے تم سے۔''

''صاحب۔ صاحب۔'' وہ بے حال ہوتا چلا گیا۔

سب کے دل برے ہو رہے تھے۔ اسی اداسی اور نوحہ وفغاں کی فضا میں نذرو کا جنازہ اٹھایا گیا اور آدھ گھنٹے بعد اسے گاؤں کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ قبرستان گاؤں سے باہر اسی سمت واقع تھا جدھر جنگل کو راستہ جاتا تھا۔

سکندر کو بڑی مشکل سے نذرو کی قبر سے اٹھایا گیا۔ وہ وہاں سے ہلنے پر آمادہ ہی نہ تھا۔ یہ جعفری ہی کی کوشش تھی کہ وہ اسے قبرستان سے باہر لے آیا۔

قبرستان سے باہر بائیں ہاتھ ایک چھوٹی سی عمارت موجود تھی جو ایک کمرے اور بڑے سے صحن پر مشتمل تھی۔ یہ وہاں کی عیدگاہ بھی تھی اور جنازگاہ بھی۔ نذرو کا جنازہ بھی وہیں پڑھایا گیا تھا۔ اس میں وضو کے لئے ایک دیوار کے ساتھ ٹونٹیاں لگا کر انتظام کیا گیا تھا جن کا کنکشن اوپر بنی پانی کی ٹینکی سے تھا جو ہر وقت پانی سے پر رہتی۔ اس میں پانی بھرنے کے لئے صحن کی جنوبی دیوار کے ساتھ چھوٹا سا کنواں موجود تھا جس کو چلا کر ایک جستی پائپ کے ذریعے ٹینکی میں پانی پہنچایا جاتا تھا۔

وہاں موجود کمرے میں عید کے موقع پر بچھانے کے لئے دریاں اور دوسرا متعلقہ سامان بند رہتا تھا۔ سکندر کے ماموں کو دفنانے کے بعد چارپائی بھی اسی کمرے میں رکھ دی گئی۔ تالا لگا کر چابی گاؤں کی اکلوتی مسجد کے امام صاحب نے صدری کی جیب میں ڈال لی۔ دوسرے لوگ تو دعا اور تعزیت کرنے کے بعد رخصت ہو گئے مگر سکندر جنازگاہ کی سیڑھیوں پر بیٹھ گیا اور گھٹنوں میں سر دے لیا۔

چودھری ان لوگوں کی اجازت سے دوسرے لوگوں کے ساتھ چلا گیا کہ اسے کچھ ضروری کام تھا۔ وہ چاروں اب سکندر کے پاس کھڑے بیٹھے صورت حال پر غور کر رہے تھے۔ جعفری بے حد سنجیدہ تھا۔

''سکندر۔'' وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا۔

سکندر نے آہستہ سے سر اٹھایا۔ اس کا چہرہ زرد اور آنکھیں رو رو کر سرخ ہو گئی تھیں۔ اس کے نتھنے اب بھی پھڑک رہے تھے۔ آنکھیں تھیں کہ بنگال کے دریاؤں کی طرح خشک ہی نہ ہو رہی تھیں۔

''حوصلہ کرو جوان۔'' جعفری نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ''اس طرح تو بڑی مشکل ہو جائے گی۔''

''میں کیا کروں صاحب۔ میں کیا کروں۔'' وہ پھر پھسل پڑا۔ ''میری تو دنیا اندھیر ہو گئی۔''

''میں سمجھتا ہوں سکندر۔ ہم سب تمہارے لئے غمزدہ ہیں۔'' جعفری نے اسے ساتھ لگا لیا۔ ''لیکن اگر ہم صرف ماتم کرتے رہیں گے تو کام مزید خراب ہو جائے گا۔ آج تمہارے ماموں کی جان گئی کل کسی اور کی جا سکتی ہے۔ تم نہیں جانتے کہ درندے کے منہ کو انسانی خون لگ جائے تو علاقے کا بچہ بچہ خطرے کی زد میں آ جاتا ہے۔''

''میری طرف سے اب سارا گاؤں مر جائے صاحب۔ میرا ماموں نہ رہا۔ مجھے کسی سے کیا؟'' وہ بلک کر بولا۔

''نہ سکندر نہ۔۔۔'' جعفری نے اس کو ہولے سے جھنجھوڑا۔ ''یہ خودغرضی غیر انسانی رویہ ہے۔ کیا تم اپنے ماموں کا انتقام نہ لینا چاہو گے؟''

''ضرور لینا چاہتا ہوں صاحب۔ میں چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں۔'' سکندر نے مٹھیاں بھینچ لیں' دانت کچکچا کر اس نے جبڑے کس لئے۔ ''میں چاہتا ہوں جس طرح اس نے میرے ماموں کا کمزور جسم چباڈالا' میں اس کا نرخرہ ادھیڑ دوں۔ اس کا سینہ چاک کر دوں۔ اس کی آنکھیں پھوڑ دوں۔ اس کی گردن مروڑ دوں۔'' اس نے دونوں ہاتھوں کو یوں حرکت دی جیسے واقعی وہ چیتے

کی گردن کو بل دے رہا ہوں۔

''اور اس کے لئے ضروری ہے کہ تم ہوش میں آؤ۔ ہوش میں رہو۔ اپنے سوچنے سمجھنے اور عمل کرنے کی قوتوں کو برقرار رکھو۔ جذباتی ہونے کے وقت سے پہلے سکون اور پلاننگ کو اپنا ہتھیار بناؤ۔۔۔ پھر وہ لمحہ بھی آ سکتا ہے جب تم واقعی اس بے رحم کی گردن مروڑ سکو۔''

سکندر نے جعفری کی باتیں دھیان سے سنیں۔ اس کی حالت میں نمایاں تبدیلی آئی۔ اس نے آنکھیں پونچھ ڈالیں۔

درانی نے اپنا رومال اسے دیا جس سے اس نے چہرے اور ناک کو خشک کیا۔ عابدی نے کندھے پر لٹکتے تھرماس کا ڈھکن اتارا۔ جنازگاہ کے باہر لگے ہینڈ پمپ سے پانی لیا اور سکندر کو لا تھمایا۔

''اسے پی لو سکندر۔۔۔ طبیعت سنبھل جائے گی۔''

سرد پانی نے سکندر کے جلتے سینے میں ٹھنڈک پیدا کی یا نہیں' البتہ یہ ضرور ہوا کہ اس کا طیش فرو ہونے لگا۔ خالی ڈھکن عابدی کو واپس کرتے ہوئے اس کے لبوں کو حرکت ہوئی۔ شکریے کا بے آواز لفظ ان میں سے نکلا اور سر کی خفیف اثباتی حرکت کے سہارے عابدی کے ذہن میں اتر گیا۔

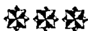
اس نے سر کو ہلا کر شکریہ وصول کیا۔ ہلکی سی مسکراہٹ سکندر کی طرف اچھالی اور درانی کی طرف متوجہ ہو گیا جو سلامت کے ساتھ ایک طرف کھڑا ہولے ہولے باتیں کر رہا تھا۔

''کیا خیال ہے۔ چلیں!'' جعفری نے سکندر کی طرف دیکھا۔

اس نے زبان سے جواب نہ دیا۔ اٹھ کھڑا ہوا۔

''عابدی۔ چلو بھئی۔ ریسٹ ہاؤس چل کر کوئی پلاننگ کرتے ہیں۔''

جعفری سکندر کو ساتھ لے کر گاؤں کی طرف جانے والے راستے کے بجائے دوسری طرف چل پڑا۔ یہ راستہ نیچے پہاڑی وادی اور گاؤں کے درمیان بنے ریسٹ ہاؤس کی طرف جاتا تھا۔



اوسیہ ایک پہاڑی گاؤں تھا۔ اس کے دامن میں نیچے سرسبز و شاداب وادی تھی جس کی گہرائیوں اور کھوہ نما غاروں میں چیتے' شیر اور دوسرے درندے آباد تھے۔ چشموں کا پانی اور چھوٹے جانوران کی غذا تھے۔ اوسیہ والے وادی میں بلاضرورت کبھی نہ اترتے تھے۔ ایک دو مرتبہ

وہاں ایسے حادثات رونما ہو چکے تھے کہ شکاری حضرات بھی پوری تیاری کے بغیر نیچے اترنے سے احتراز کرتے تھے- حکومت نے سیاحوں اور سیر سپاٹے کے شوقین لوگوں کے لئے ایک سے زیادہ مقامات پر ایک پہاڑی سے دوسری پہاڑی تک چیئر لفٹ کی سہولت بہم پہنچا رکھی تھی- یہ سہولت منچلوں کے لئے تفریح کا باعث بھی تھی- مگر کچھ عرصہ قبل چیئر لفٹ میں سوار ایک عورت کے ساتھ ایسا دل دہلا دینے والا حادثہ پیش آیا کہ لوگ بد احتیاطی سے چیئر لفٹ میں سفر کرنے سے پرہیز کرنے لگے-

ہوا یہ کہ اس عورت کی گود میں چند ماہ کا بچہ تھا- چیئر لفٹ جب تاروں کے سہارے تیرتی ہوئی اپنے متعینہ فاصلے کے درمیان پہنچی تو وادی کی زمین سے تقریباً بیس فٹ اونچی رہ گئی- عورت وادی کے حسن میں گم تھی کہ اچانک ایک پہاڑی کھوہ سے دھاڑتا ہوا شیر برآمد ہوا- پھر اس سے پہلے کہ وہ بے چاری کچھ سوچ سکتی شیر نے دور سے جست کی اور اس کی ممتا بھری آغوش سے اس کا بچہ پنجے میں دبوچ کر دوسری طرف نکل گیا- چیختی اور بلکتی ماں کے سامنے وہ اس کے معصوم شیر خوار بچے کو لقمہ بنا کر غائب ہو گیا- ہر طرف کہرام مچ گیا- ماں بے چاری چیخ چیخ کر پاگل ہو گئی- اس کا خاوند ساتھ تھا- وہ اسے سنبھالتا اور بدحواسی کے عالم میں خود بھی مدد کے لئے لوگوں کو پکارتا رہا- دوسری چیئر لفٹ میں آتے لوگوں اور دونوں طرف ہل پوائنٹ پر موجود ان گنت مردوں اور عورتوں نے یہ دلخراش منظر دیکھا اور سوائے شور مچانے، چیخنے چلانے اور پہلو بدلنے کے کچھ بھی نہ کر سکے-

ایسے دو ایک واقعات اور بھی ہو چکے تھے جب اکا دکا باہر کے مسافروں یا گاؤں والوں پر وادی کے شیر یا چیتے نے حملہ کر دیا مگر--- براہ راست گاؤں کے اندر گھس کر باڑوں اور بالآخر انسانوں پر حملہ آور ہونے کا یہ پہلا واقعہ تھا-

سلامت اور درانی نے جعفری اور عابدی کو راستے میں مختصر طور پر ان باتوں سے آگاہ کیا- سکندر خاموشی سے ان کے ساتھ چلتا رہا- ریسٹ ہاؤس پہنچ کر انہوں نے وہاں کے چوکیدار سلطان خان سے ملاقات کی جو ریسٹ ہاؤس کے باہر ہی ان کا منتظر تھا- کھانا اس نے تیار کر رکھا تھا- انہوں نے نہ چاہتے ہوئے بھی تھوڑا بہت کھایا- سکندر کو جعفری نے اصرار کر کے چند لقمے نگلنے پر آمادہ کیا- چائے وغیرہ سے فارغ ہو کر وہ جعفری کے کمرے میں اکٹھے ہو گئے- سکندر بیحد تھکا تھکا اور پژمردہ تھا- اس کا جوان جسم ایک دم نحیف دکھائی دینے لگا تھا- آنکھوں کے گرد سیاہی اتر آئی تھی- رنگ اڑا اڑا اور ہاتھ پاؤں سرد ہو گئے تھے-

جعفری غم کی اس کیفیت سے خوب آشنا تھا- اس لئے وہ مسلسل سکندر کی دلجوئی کر رہا تھا-

نجانے اسے اس لڑکے سے اتنی ہمدردی کیوں ہو گئی تھی- اسے وہ اپنا اپنا محسوس ہونے لگا تھا-

جعفری نے سگار سلگایا اور اس کے دو تین گہرے کش لے کر اس نے باقی افراد کی جانب ایک سرسری نگاہ سے دیکھا- سلامت اور درانی نے ایزی ہو کر بیٹھنا زیادہ پسند کیا تھا اس لئے وہ آرام کرسیوں پر نیم دراز تھے- عابدی اس کے بستر پر کمبل اوڑھے آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا- سکندر سر جھکائے اس کے سامنے آتشدان کے قریب کرسی پر کسی سوچ میں ڈوبا بیٹھا تھا- شعلوں کا زرد اور سرخ عکس اس کے چہرے پر عجیب سی اداسی بھری آگ بکھیر رہا تھا- جعفری کا رخ دروازے کی جانب اور ان سب کا رخ اس کی جانب تھا-

"اب آپ لوگوں کا آگے کیا پروگرام ہے؟" جعفری نے بات شروع کی-

"پروگرام تو یہی ہے کہ جتنی جلدی ہو سکے اس درندے کا خاتمہ کیا جائے-" سلامت نے اس کی جانب نظریں اٹھائیں-

"مگر اس کے لئے ہمیں وقت اور طریقہ کار طے کر لینا چاہیے!" درانی نے بات کو تمہید میں جانے سے روکا-

"ٹھیک ہے---" جعفری نے شانے اچکائے- "آپ لوگ بتائیے کیسے اور کب؟"

"آج رات ہی ہمیں اپنا کام کر گزرنا چاہیے- دیر کرنے کا مطلب ہے کہ اس درندے کو مزید جانیں ضائع کرنے کا لائسنس دے دیا جائے-" یہ عابدی کی آواز تھی- اور اس مشورے کے پیچھے یہ خیال کارفرما تھا کہ آج چودھویں کی رات تھی- وہ چاہتا تھا کہ اس چیتے کو آج کی رات ہی شکار کیا یا زندہ پکڑ لیا جائے-

"سکندر--- کیا تم ہمیں اس معاملے میں کچھ مدد فراہم کر سکو گے؟" جعفری نے اسے چونکایا-

"آپ حکم کریں صاحب مجھے کیا کرنا ہو گا؟" سکندر نے اپنی ویران آنکھوں سے جعفری کی جانب دیکھا تو وہ اندر سے ہل کر رہ گیا- ایک مایوس، ایک دم دنیا میں تنہا رہ جانے والے انسان کی اداسی نے اسے لرزا کر رکھ دیا- بے اختیار اسے شمیم سحر یاد آ گئی- اسے معلوم تھا کہ اپنوں سے بچھڑ جانے کا دکھ کس اذیت کا حامل ہوتا ہے- یہ اذیت اس وقت اور بھی جان لیوا ہو جاتی ہے جب یہ احساس اس جلتی پر تیل ڈال دے کہ اس سے ان کے اپنے کو چھین لینے والا طاقتور بھی ہے اور ان کی پہنچ سے دور بھی-

"چند باتیں اگر تم وضاحت سے بتا سکو تو ہمارے لئے پلان کرنا آسان ہو جائے گا سکندر-"

"آپ پوچھیں --- میں حتی الامکان ضروری تفصیل عرض کروں گا۔" وہ بڑی سلجھی ہوئی باتیں کر رہا تھا۔ مختصر اور ٹھوس۔ اس کی شگفتہ مزاجی کو نقب لگ گئی تھی۔

"پہلی بات یہ کہ وہ راستہ کس طرف اور یہاں سے کتنی دور ہے جس سے وہ درندہ گاؤں کی طرف آتا ہے؟"

"اس ریسٹ ہاؤس کے مغرب میں جو نشیبی علاقہ ہے وہ اسی طرف سے وادی کا دامن پار کر کے اوپر آتا ہے۔ نشیبی علاقے میں چنار کے درختوں کی بھرمار ہے۔ انہی کے درمیان کہیں وہ کسی چٹانی کھوہ میں سے برآمد ہوتا ہے۔ میں نے خود تو نہیں دیکھا۔ ہاں جن لوگوں نے اسے دو رات پہلے ادھر غائب ہوتے دیکھا تھا یہ ان کا بیان ہے اور ظاہر ہے وہ غلط بیانی کیوں کریں گے۔ جو انہوں نے دیکھا وہ بتا دیا۔ رہی بات یہ کہ وہ جگہ یا راستہ کتنی دور ہے تو ہم زیادہ سے زیادہ آدھ گھنٹے میں پیدل وہاں پہنچ سکتے ہیں۔ میں نے اوپر سے کھڑے ہو کر اس جگہ کا خاصی دیر تک جائزہ لیا ہے۔"

"ہوں ---" جعفری نے دوسروں کی طرح اس کی ہر بات غور سے سن کر ذہن نشین کر لی۔ "رات میں وہاں تک جانے کے لئے کوئی دقت تو نہ ہوگی؟"

"جی نہیں۔ راستہ صاف ہے۔ ہاں نشیب میں اترنے اور اس کے بعد جو مشکلات پیش آ سکتی ہیں ان سے آپ میری نسبت زیادہ واقف ہیں۔"

"سکندر --- یہ بتاؤ۔" اس بار درانی نے زبان کھولی۔ "وہاں مچان وغیرہ باندھنے کے لئے ---"

"بہتیرے درخت ہیں صاحب۔" سکندر نے اس کی بات اچک لی۔ "چنار کے درختوں کے علاوہ وہاں سطح زمین پر گھنے اور بڑے بڑے پرانے درخت موجود ہیں۔ ان پر آسانی سے مچان باندھی جا سکتی ہے۔"

"اس کے لئے ہمیں چارے کے طور پر بھیڑ بکری کی بھی تو ضرورت ہوگی۔"

"وہ یہاں کونسا مسئلہ ہے صاحب۔ سلطان خان سے ایک آدھ بھیڑ خریدی جا سکتی ہے۔"

"ایک اہم بات اور سکندر۔" سلامت نے اس کی جانب نگاہ کی۔ "گاؤں کو جانے والا کوئی دوسرا راستہ بھی ہے اس درندے کے لئے۔"

جعفری چونکا۔ بات واقعی اہم تھی۔

"یہ تم نے ٹھیک سوچا سلامت۔ ہم یہاں مصروف رہیں اور وہ کسی دوسرے راستے سے گاؤں میں جا گھسے۔ ایسا بھی تو ممکن ہے۔ کیوں سکندر؟"

"جی صاحب۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس کی حالت میں اس گفتگو سے نمایاں فرق نظر آ رہا تھا۔ "دوسرا راستہ ریسٹ ہاؤس کی مخالف سمت میں موجود ہے۔ یہ بھی جنگلی پودوں اور خودرو جھاڑیوں سے اٹا پڑا ہے تاہم وہاں سے اس درندے کی آمد کے امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ حصہ تقریباً آدھ فرلانگ پر مشتمل ہے۔"

"اس کے علاوہ؟" جعفری نے پوچھا۔

"جی نہیں --- اور کوئی راستہ نہیں ہے جس کے ذریعے وہ گاؤں میں داخل ہو سکے۔ کیونکہ گاؤں کے تیسری طرف کھائیاں ہیں اور چوتھی طرف شہر سے آنے والی سڑک جو آگے ایوبیہ کو جاتی ہے۔"

"چلو --- یہ تو طے ہوا کہ ہمیں دو راستوں پر نظر رکھنا ہوگی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ دو ٹیمیں بنانا ہوں گی۔" عابدی نے پہلی بار زبان کھولی۔

"ظاہر ہے۔ یہ ضروری ہے۔" جعفری نے جواب دیا۔

"تو کون کون کس ٹیم میں رہے گا؟"

"سلامت اور درانی ریسٹ ہاؤس کے مخالف سمت والے حصے پر رہیں گے۔ ارے ہاں سکندر --- یہ حصہ یہاں سے کتنی مسافت پر ہے۔"

"تقریباً بیس منٹ کی مسافت پر صاحب۔" اس نے مختصراً جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ سلامت اور درانی اس حصے پر آغاز و اختتام کی جگہ سنبھالیں گے اور پوری طرح چوکنا رہ کر نگاہ رکھیں گے۔"

"اور دوسری ٹیم میں تم اور میں؟" عابدی نے دبے دبے جوش سے کہا۔

"سکندر بھی ہمارے ساتھ رہے گا۔" جعفری نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ وہ اسی راستے سے آئے گا جس پر ہم تینوں اس کے لئے مچان باندھیں گے۔"

"مگر جعفری --- یہ خطرناک ہو جائے گا۔" سلامت نے اعتراض کیا۔

"وہ کیسے؟"

"وہ ایسے کہ تم اپنے ساتھ ایک تو سکندر کو رکھ رہے ہو جو شکار کے معاملے میں انجان ہے۔ دوسرے عابدی محض تمہیں کور کر سکتا ہے۔ ہماری یا تمہاری طرح شکار پر جھپٹ نہیں سکتا یا بے خوفی سے اس کا سامنا نہیں کر سکتا --- معذرت کے ساتھ عابدی۔" اس نے آخری فقرے پر عابدی کی جانب دیکھا۔

"نہیں نہیں۔ میں نے تمہاری بات کا قطعاً برا نہیں مانا۔" عابدی نے فراخدلی سے کہا۔

''میں تمہاری صاف گوئی پر ناراض نہیں ہوں مگر یار تم لوگ مجھے اتنا بھی اناڑی نہ سمجھو کہ میں بے دال کا بودم لگنے لگوں۔''

''یہ بات نہیں عابدی۔'' جعفری نے دخل دیا۔ ''ان کی بات درست ہے مگر میں خود چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ رہو۔ میں تمہارے دعووں کو بھی پرکھنا چاہتا ہوں اور تمہیں بھی۔۔۔'' جعفری نے اشارے میں بات کی۔ ''رہی بات میری ٹیم کے ہلکارہ جانے کی تو اس کا حل بھی سوچ لیا ہے میں نے!''

''وہ کیا؟'' درانی نے پوچھا۔

''وہ یہ کہ جس طرف سے بھی وہ درندہ آئے گا ظاہر ہے اس طرف سے فائرنگ میں پہل ہوگی اب یہ دوسری ٹیم کی ذمے داری ہے کہ فائر کی آواز سنتے ہی اس ٹیم کی طرف روانہ ہو جائے جس نے فائر کھولا ہے۔ فاصلہ اتنا زیادہ نہیں ہے کہ گھنٹے لگ جائیں۔ چند منٹ میں وہ پہلی ٹیم کی مدد کو آسکتے ہیں۔ اب یہ خدا جانے کہ فائر کرنے کا موقع ہمیں پہلے ملتا ہے یا تمہیں؟''

''ہاں۔ یہ کسی حد تک تو ٹھیک ہے بہر حال ہنڈرڈ پرسنٹ فٹ ہونے والا کلیہ نہیں ہے۔ ہمارے اکٹھا ہونے تک کیا صورتحال ہو چکی ہوگی' یہ کون کہہ سکتا ہے؟'' درانی نے کھل کر کہا۔

''یار۔۔۔ کوئی بات اللہ پر بھی چھوڑ دینی چاہیے وہ بہتر کرے گا۔'' جعفری نے بات نمٹانے کی کوشش کی۔ ''ویسے بھی چاندنی رات ہے اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے والی صورت حال تو ہے نہیں کہ ہم اتنی باریکیوں میں چلے جائیں۔''

''یہ چاندنی ہی تو خطرناک ہے جعفری۔'' سلامت نے انگلی اس کی طرف اٹھائی۔ ''اگر ہم اس کی نظروں میں آگئے تو وہ دس گنا زیادہ خطرناک ہو جائے گا اور اس کی ایک ایسی وجہ میں بیان کر سکتا ہوں جو تم لوگوں کے حلق سے شاید نہ اترے۔''

''وہ کیا؟'' بیک وقت جعفری اور درانی کے لبوں سے نکلا۔ عابدی اور سکندر بھی اسے بڑی گہری نظروں سے دیکھنے لگے۔

''اس کو انسانی لہو کی چاٹ لگ چکی ہے۔ اس کے خون میں انسانی لہو کی آمیزش ہو چکی ہے۔ وہ عیاری جو اس کی جبلت میں شامل ہے اب اس میں انسانی مکاری بھی شامل ہو چکی ہے۔ ایک سے بھلے دو کے مصداق وہ دو آتشہ ہو چکا ہے۔ اگر تم سائنس سے ہٹ کر فطرت کی بات کرو تو اس کی تمام حسیات اس قدر تیز ہو چکی ہوں گی جس کے بارے میں ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔''

''کیا بچوں جیسی باتیں کر رہے ہو؟'' جعفری نے برا سا منہ بنایا۔ ''ہم یہاں شکار کرنے آئے ہیں' فلسفے پر کتاب لکھنے نہیں۔''

''کتاب تو میں لکھوں گا جعفری۔'' دھیرے سے عابدی نے کہا۔ ''آج چودھویں کی رات بھی ہے اور وہ درندہ اگر کہیں اپنی مادہ کے ساتھ مل گیا تو۔۔۔''

''بکو مت یار۔'' جعفری نے اسے جھڑک دیا۔ ''تم کیا ہر وقت اپنی فلاسفی کی کھچڑی میں اندیشوں کا گھی بگھارتے رہتے ہو۔ وہ آج پورے خاندان کے ساتھ بھی آگیا تو بچ کر نہیں جا سکے گا۔ شرط صرف یہ ہے کہ وہ سامنے آجائے۔''

''صاحب۔۔۔ آپ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے!'' سکندر نے اچانک جعفری کی آنکھوں میں دیکھا۔

''مجھے یاد ہے سکندر۔'' جعفری نے بڑے پرسکون لہجے میں کہا۔ ''مگر کیا تم بندوق چلا سکو گے۔''

''نہیں صاحب۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔ ''ہاں' خنجر اور چاقو خوب چلا سکتا ہوں۔''

''اچھا۔۔۔'' سلامت چونکا۔ ''کوئی خنجر وغیرہ ہے تمہارے پاس؟''

''جی ہاں۔۔۔'' اس نے شرٹ اوپر اٹھائی اور بائیں طرف بیلٹ میں اڑسا ہوا ایک چمچماتا ہوا خنجر باہر کھینچ لیا۔

ٹیوب لائٹ کی دودھیا روشنی میں خنجر کا نو انچ لمبا پھل آنکھوں کو خیرہ کر رہا تھا۔

''یہ تمہارے پاس کب سے ہے سکندر؟'' جعفری نے حیرت سے پوچھا۔

''یہ میرے پاس ہی رہتا ہے صاحب۔۔۔ جب سے اس درندے نے گاؤں کا رخ کیا ہے میں تب سے اسے پاس رکھتا ہوں۔ اگر آپ مجھے موقع دیں تو میں اسی خنجر سے اس حرامزادے کا قیمہ کر دوں گا۔'' سکندر نے دانت کچکچائے۔

''میں کوشش کروں گا سکندر۔'' جعفری نے ایک طویل سانس لیا۔ ''مگر تم بھی ایک وعدہ کرو۔''

''جی صاحب۔'' دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں۔

''جب تک میں نہ کہوں تم اس درندے کا رخ نہیں کرو گے۔ جذباتی ہو کر تم اپنی زندگی خطرے میں ڈالو گے تو ہم سب کے لئے مشکل ہو جائے گی۔''

''بالکل۔۔۔'' سلامت اور درانی نے تائید کی۔

''میں وعدہ کرتا ہوں صاحب۔'' سکندر نے مضبوط لہجے میں کہا۔ ''مگر آپ بھی خیال رکھئے گا کہ اس کی کھال صحیح سلامت اتار لینے کا خیال آپ کو مجھ سے غافل نہ کر دے۔''

"نہیں بھئی---" جعفری بے اختیار مسکرا دیا- "ایسا نہیں ہوگا-"

"یار سکندر-- یہ تم نے شکاریوں کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا-" سلامت نے اس جانب دیکھا اور شگفتہ لہجے میں کہا- "ہر شکاری اپنے شکار کی کھال بغیر کسی زائد اور ناجائز کٹ صاف صاف حاصل کرنا چاہتا ہے- یہی تو اس کی بہادری اور بے جگری کا میڈل ہوتا ہے-"

جواب میں سکندر خفیف سا مسکرا کر رہ گیا-

"اگر تم بولنے کی اجازت دو تو میں نمانا بھی کچھ عرض کروں؟" اس ساری گفتگو میں عابد شاید دوسری بار بولا-

"ضرور ضرور---آپ کو کس نے روکا مابدولت-" سلامت نے لقمہ دیا-

"جعفری---اگر اس درندے کو زندہ پکڑ لیا جائے تو؟"

"وہ کیوں؟" سکندر بے اختیار بول اٹھا-

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو عابدی!" جعفری بھی الجھ سا گیا اور استفسارانہ نگاہوں سے عابدی طرف دیکھنے لگا-

"یار میں چاہتا تھا اس کی جبلت کا مطالعہ کرنے کے لئے---"

"اسے ساتھ شہر لے جاتے-" جعفری نے اس کی بات پوری کر دی-

"ہاں---" عابدی نے امید وبیم کے درمیان قدم رکھا-

"نہیں عابدی-" جعفری نے صاف انکار کر دیا- "یہ ممکن نہیں- ہم اس درندے کو ز پکڑنے اور پھر زندہ ساتھ لے جانے کا رسک نہیں لے سکتے- پھر یہ سوچو کہ ہم اسے لے جا رکھیں گے کہاں؟"

"یار میرا گھر ویران پڑا ہے- وہیں اسے ایڈجسٹ کر لیں گے-"

"کیسے؟"

"بھئی کمرے کو لوہے کے پنجرے میں تبدیل کروا لیں گے اور کیسے؟" عابدی نے جلد سے کہا-

"اور حکومت سے کون نمٹے گا؟ انتظامیہ ہمیں سولی پر لٹکا دے گی؟"

"تو ہم کیا اس کے اشتہار چھپوائیں گے؟"

"نہیں عابدی نہیں- اس میں بے شمار خطرے اور اندیشے ہیں- میں نہ تمہیں اس کا مشو دوں گا نہ اس سلسلے میں تمہاری حوصلہ افزائی کروں گا-"

"یعنی---"

"معاملہ گول سمجھو- کیوں صاحبان؟" جعفری نے سلامت اور درانی کی طرف دیکھا-

"بالکل درست-" وہ دونوں بولے تو عابدی کے ارمانوں پر اوس پڑ گئی- ساتھ ہی سکندر کے چہرے پر بڑھتا ہوا تناؤ ایک دم ختم ہو گیا- اسے خوف آ رہا تھا کہ کہیں جعفری عابدی کی تجویز سے متفق ہو کر چیتے کو زندہ رکھنے پر آمادہ نہ ہو جائے مگر جعفری نے ایسی صورتحال کی آمد کو یکسر مسترد کر دیا تو اس نے اطمینان کا سانس لیا-

"اور ویسے بھی عابدی ہمیں سب سے پہلے سکندر کے ماموں کا انتقام لینا ہے- میں اس پر کسی قسم کا کمپرومائز کرنے کو تیار نہیں ہوں- حیوانی جبلت پر ریسرچ سے زیادہ وہ جذبے قابل توجہ ہیں جو ہمیں انسانی فطرت نے ودیعت کئے ہیں-"

عابدی نے ایک نظر سکندر کی جانب دیکھا اور سر جھکا لیا- سکندر نے بڑی ممنونیت سے جعفری کی جانب دیکھا جو کمرے میں داخل ہوتے سلطان خان کی جانب متوجہ ہو گیا تھا-

"ہاں بھئی سلطان خان- کیا خیر خبر ہے؟"

"سب ٹھیک ہے صاحب-" وہ ہنس کر بولا- "میں پوچھنے آیا تھا رات کے کھانے میں کیا کھائیں گے؟"

"بھئی مینو کیا ہے؟" درانی نے جلدی سے پوچھا-

"مینو وینو کوئی نہیں ہے صاحب- آپ جو کہیں گے بن جائے گا-"

"تو گوشت بھون لو یار--- ساتھ تندوری روٹیاں گرم گرم اور بعد میں سبز چائے-"

"اور زردہ صاحب-" سلطان خان نے جعفری کی پسندیدہ ڈش کا نام لیا-

"نہیں بھئی آج نہیں- آج ہمیں رات کو جاگنا ہے میٹھا کھا لیا تو نیند دبوچ لے گی-"

"تو کیا آج رات ہی---"

"ہاں سلطان خان--- اس کام میں دیر کرنا مناسب نہیں ہے- آج رات ہی اپنے کام پر لگ جانا چاہتے ہیں- ہو سکتا ہے کہ یہ قصہ آج رات ختم ہو جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کئی راتیں لگ جائیں-"

"اللہ بہتر کرے گا صاحب- تو کتنے بجے کھانا لگا دوں؟"

"بھئی ابھی چار بجے ہیں- سات بجے لگا دینا- نو بجے ہم یہاں سے نکلنا چاہتے ہیں-" جعفری نے لیڈر ہونے کا ثبوت دیا-

"اور تب تک کیا کریں گے؟" عابدی نے پوچھا-

"یہاں سے نکلیں گے- سکندر نے جو جگہ بتائی ہے اس کا جائزہ لیں گے- مچان باندھیں

گے اور تب تک کھانے کا وقت ہو جائے گا- تب ہم لوٹ آئیں گے-'' جعفری نے رکے بغیر پروگرام دہرایا-

''او کے-'' درانی نے سیٹ چھوڑ دی- ''چلو جوانو---- نکلو---- دیر نہ کرو- ابھی تو دن کا اجالا ہے- اندھیرا ہونے سے پہلے کام کر لیں-''

''سلامت اٹھ گیا- سکندر اور عابدی نے بھی جعفری کی تقلید کی اور وہ پانچوں ریسٹ ہاؤس سے نکل آئے-



سکندر ان کو پہلے اس طرف لایا جہاں ان کو مچان باندھنا تھی- رسی اور ایک کلہاڑی سکندر نے سلطان خان سے لے لی تھی- باریک نائیلون کی ڈوری ان سب کے پاس موجود تھی-

تقریباً پچیس منٹ تک پہاڑی راستے پر چلتے رہنے کے بعد وہ ایک ایسی جگہ آ رکے جہاں سے کھائی کا علاقہ ختم ہو کر نشیبی سبزہ زار شروع ہوتا تھا- انہوں نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی- نیچے اترنے کے لئے کوئی زیادہ تردد نہ کرنا پڑا- وہ آسانی سے نشیب میں اتر گئے-

سامنے چنار کے درخت نیچے سے اوپر تک پہاڑی ڈھلوانوں پر اس ترتیب سے سر اٹھائے کھڑے تھے جیسے سکول میں ڈرل کرنے کے لئے بچے اٹن شن کھڑے ہوں- سامنے پہاڑی حصے میں غار اور کھوہ کے نشانات ملتے تھے- نیچے وادی میں چشمے ابل رہے تھے اور ان کے ساتھ گھنے سایہ دار طویل و عریض درختوں کا ذخیرہ سا موجود تھا- جعفری نے چاروں طرف بڑی گہری اور تجربہ کارانہ نظروں سے دیکھا- پھر اس نے چشمہ پار کر کے ذخیرے کے درمیان ایک بہت گھنے درخت کی مضبوط شاخوں کو تاکا- ان کی لچک کا اندازہ کیا اور باقی لوگوں کی طرف پلٹا-

''کیا خیال ہے- یہ درخت کیسا رہے گا؟''

''مناسب ہے-'' درانی نے کہا- سلامت نے بھی تائید کے انداز میں سر ہلایا- عابدی اور سکندر خاموش رہے-

''تو چلو اس پر مچان باندھیں-''

سکندر نے کلہاڑی اٹھائی اور جعفری کے روکنے کے باوجود دو تین درخت چھوڑ کر ایک درخت کی شاخوں پر ٹوٹ پڑا- جعفری چاہتا تھا یہ کام وہ لوگ خود کریں مگر سکندر نے جس مہارت سے ان شاخوں کا مواد مہیا کیا وہ جعفری کو اطمینان دلا گیا- اس نے پہلے لمبائی کے تناظر میں شاخیں کاٹیں- پھر چوڑائی کے لئے شاخیں اس نے پتوں سمیت کاٹیں اور خوب گھنی شاخوں کا

انتخاب کیا تھا-

جعفری نے سلامت اور درانی کی مدد سے اس درخت پر زمین سے تقریباً بارہ فٹ اونچی جگہ پر مچان بنانا شروع کی- شاخوں کو آپس میں باندھنے کے لئے اس نے سلطان خان کی مہیا کردہ رسی اور اپنی نائیلون کی ڈوری استعمال کی- تقریباً ایک گھنٹہ لگ گیا اور دو تین آدمیوں کے بیٹھنے کے لئے ایک شاندار مچان تیار ہو گئی- درخت کی شاخوں کے گھنے پتوں میں پوشیدہ وہ مچان ان کو اپنی آغوش میں لے کر یوں دم سادھے بیٹھی تھی جیسے کوئی مرغی بچوں کو پروں میں چھپائے ہوئے ہو-

پوری طرح اطمینان کرنے کے بعد وہ تینوں نیچے اتر آئے- سکندر نے کلہاڑی کندھے پر رکھی اور ان کے ساتھ واپس چل پڑا- عابدی خاموش خاموش تھا مگر جعفری کے سارے انتظام سے پوری طرح مطمئن تھا-

جب وہ نشیب سے اوپر کچے راستے پر آئے تو شام ڈھل چکی تھی اور اندھیرا تیزی سے اپنی چادر پھیلانے کی کوشش کر رہا تھا-

''سکندر---'' جعفری نے سانس برابر کرنے کے بعد اسے مخاطب کیا-

''جی صاحب---'' وہ اس کے قریب چلا آیا-

''اب ہمیں اس جگہ لے چلو جہاں سلامت اور درانی کو ڈیوٹی دینی ہے-''

''چلیں صاحب-''

وہ ان کے آگے آگے چل پڑا-

درانی اور سلامت بڑی چوکنی نظروں سے اردگرد کے ماحول کا جائزہ لے رہے تھے- اپنے ساتھ وہ ہر وقت جیبی ٹارچ رکھتے تھے تاہم ابھی اندھیرا اتنا گہرا نہیں ہوا تھا کہ ان کو ٹارچ جلانا پڑتی-

پندرہ سولہ منٹ بعد سکندر ان کو ایک ایسی جگہ لے آیا جہاں سے وہ نیچے نشیب میں دیکھتے تو بائیں ہاتھ کافی دور ان کو وہ درختوں کا ذخیرہ بھی دکھائی دے رہا تھا جہاں وہ ابھی ابھی مچان باندھ کر آئے تھے-

''یار- یہ جگہ تو خاصی مددگار ہے-'' درانی نے دائیں بائیں ٹارچ کی روشنی چھینکی- ''اگر ہم آپس میں سگنل طے کر لیں تو ٹارچ جلا بجھا کر ایک دوسرے کو خطرے سے آگاہ کر سکتے ہیں-''

''میں بھی یہی سوچ رہا تھا-'' جعفری نے تائید کی- ''تو طے یہ ہوا کہ اگر خدانخواستہ دونوں میں سے کسی ٹیم کو خطرہ محسوس ہو تو وہ ٹارچ کو تین بار جلائے بجھائے گی- دوسری ٹیم اس سگنل کو

وصول کرنے کا اشارہ دوبار ٹارچ جلا بجھا کر دے گی اور فوراً مدد کے لئے چل پڑے گی۔"

"بالکل ٹھیک۔" درانی نے جواب دیا۔

وہ حصہ جو کھائی زدہ علاقے سے محروم تھا' تقریباً آدھ فرلانگ پر مشتمل تھا۔ درانی سلامت نے اپنا اپنا پوائنٹ طے کر کے وہاں ایک ایک بڑے پتھر کو نشانی کے طور پر منتخب کر لیا تا جب وہ وہاں دوبارہ آئیں تو متعلقہ جگہ کو گم نہ کر بیٹھیں۔

"بس اب واپس چلیں؟" جعفری نے پوچھا۔

"چلو یار بھوک لگ رہی ہے۔" درانی نے پیٹ پر ہاتھ پھیرا۔

ریسٹ ہاؤس واپس پہنچنے میں انہیں بیس منٹ لگ گئے۔ کیونکہ اندھیرا ہو چکا تھا اور ٹارچ کی روشنی میں ذرا سنبھل کر چلنا پڑ رہا تھا۔

سلطان خان نے ان کے آتے ہی کھانا لگا دیا۔ کھانے سے فارغ ہوئے تو سوا سات ہو چکے تھے۔

کھانا جعفری کے کمرے ہی میں کھایا گیا تھا اس لئے سب لوگ وہیں جمع تھے۔

"اب یہ اگلے دو گھنٹے کیسے گزارے جائیں؟" سلامت نے پوچھا۔

"سگریٹ اور چائے پیو۔" درانی نے اسے چھیڑا۔ "یہ تمہارے لئے سب سے بہترین ذریعہ ہے وقت گزاری کا۔"

"میرا خیال ہے دو گھنٹے کی نیند لے لیں۔" جعفری نے سب لوگوں کی جانب دیکھا تا کہ رات کو پریشانی نہ ہو۔"

"نیک خیال ہے۔" درانی نے سگریٹ ایش ٹرے میں بجھایا اور کھڑا ہو گیا۔ "چلو سلامت علی خاں' اپنے کمرے میں چل کر نیند کا راگ گائیں۔"

سلامت نے زور سے اس کی کمر پر دھپ رسید کیا اور دونوں ہنستے ہوئے کمرے سے نکل گئے۔

جعفری اور عابدی کا بستر اسی کمرے میں لگایا گیا تھا۔ عابدی نے تو خود کو بستر پر پھیلایا کمبل سینے تک کھینچ لیا۔

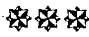
"سکندر۔ تم بھی تھوڑی دیر آرام کر لو۔" جعفری نے نرمی سے کہا۔

"آپ سو جائیں صاحب۔ مجھے نیند نہیں آئے گی۔ اگر آپ ڈسٹرب نہ ہوں تو میں یہیں آتشدان کے پاس بیٹھا رہوں۔"

"بات مان لیا کرو یار۔" عابدی نے اس کی طرف دیکھا۔ "تمہارے جذبات اور

احساسات اپنی جگہ مگر میرے بھائی۔ بدن راحت مانگتا ہے۔ آرام چاہتا ہے تا کہ وقت پر تمہیں دھوکا نہ دے۔ تھوڑی دیر لیٹ جاؤ۔ نیند نہ بھی آئے تو آنکھیں بند کر کے پڑے رہو۔ سوچوں ہی سے کھیلنا ہے تو اس کے لئے بے آرامی کی تلوار کی کیا ضرورت ہے۔ یہ کام تم بستر پر چت لیٹ کر بھی آسانی سے کر سکتے ہو۔ شاید جسم تمہاری پیش کردہ راحت کے بدلے تمہیں کوئی اچھا خواب کوئی اچھا خیال عطا کر دے۔"

"میں جاتا ہوں صاحب۔" سکندر نے مزید بحث کرنا مناسب نہ سمجھا۔ جعفری نے بھی اسے نہ روکا اور وہ کمرے سے نکل گیا۔ سلطان خاں نے اسے ساتھ والا کمرہ کھول دیا جہاں اس نے بستر پر لیٹ کر واقعی آنکھیں بند کر لیں اور ذہن کو آزاد چھوڑ دیا۔



رات کے ٹھیک سوا نو بجے تھے جب پانچ آدمیوں کا یہ مختلف السمت گروپ ریسٹ ہاؤس سے نکل آیا۔ سلطان خان نے ان کے واپسی تک جاگنے کا ارادہ ظاہر کیا اور اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اس نے ریسٹ ہاؤس کے باہر بائیں طرف بنے ایک سائبان تلے چارپائی بچھالی اس پر بستر ڈالا۔ حقہ پاس زمین پر رکھا اور کمبل اوڑھ کر سردی سے مقابلے کی ٹھان لی۔

ریسٹ ہاؤس سے چلے تو سکندر کے ہاتھ میں ایک بھیڑ کی رسی تھی جسے وہ اپنے ساتھ کھینچتا ہوا لے جا رہا تھا۔ سلطان خان نے ان کو یہ بھیڑ قیمتاً نہیں دی تھی۔ وہ گاؤں والوں کے ساتھ اس بھیڑ کے تحفے کی شکل میں اپنا حصہ ڈال رہا تھا۔ جعفری نے اسے بہت مجبور کیا مگر وہ قیمت لینے پر راضی نہ ہوا۔

کچے راستے پر آ کر وہ رک گئے۔

"لو بھئی شکاریو۔" جعفری نے سلامت اور درانی کی طرف دیکھا۔ "اللہ کے حوالے۔"

"اللہ کے حوالے۔"

جعفری نے درانی اور سلامت سے بڑی گرمجوشی سے ہاتھ ملایا۔ عابدی اور سکندر نے بھی ان سے مصافحہ کیا۔ وہ دونوں ریسٹ ہاؤس کے مخالف سمت میں چل دیئے اور عابدی اور سکندر نے جعفری کی معیت میں مغربی سمت میں قدم بڑھا دیئے جہاں ذخیرے میں ایک درخت پر مچان ان کا انتظار کر رہی تھی۔

جعفری آگے آگے تھا۔ سکندر اس کے بائیں ہاتھ اور عابدی ان دونوں کے عقب میں چلا

آ رہا تھا۔ جعفری نے ٹارچ روشن کر لی تھی۔ رائفل کندھے پر لوڈڈ حالت میں لٹکی ہوئی تھی۔ کارتوس بیلٹ کمر پر اور سائڈ پر شکاری چاقو موجود تھا۔ عابدی بھی انہیں ہتھیاروں سے لیس تھا۔ جعفری نے چلتے وقت سکندر کو ریوالور دینا چاہا جسے اس نے لینے سے پہلے تو انکار کیا۔ پھر جعفری کے سمجھانے پر لے لیا۔ یہ ریوالور اب اس نے جیکٹ کی سائڈ پاکٹ میں ڈال رکھا تھا۔ اصل ہتھیار اس کا خنجر تھا جو اس نے شرٹ پتلون کے اندر کر کے بائیں طرف بیلٹ میں اڑس لیا تھا۔

چاند ابھر آیا تھا۔

اس کی ٹھنڈی ٹھنڈی چاندنی نے چاروں طرف پھیلی ہوئی خنکی کے احساس میں خاصا اضافہ کر دیا۔ جس راستے پر وہ چل رہے تھے اس کے بائیں طرف اونچے اونچے ٹیلے اور چٹانیں تھیں اور چاند ان کے اوپر تھا اس لئے وہ اس کی روشنی میں نہیں تھے ہاں نیچے وادی میں اس کی چاندنی پوری قوت سے اپنا سحر پھونک رہی تھی۔ وہ افسوں زدہ ماحول ان کو اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ چلتے چلتے جعفری رک گیا۔ نشیب میں اترنے کا پوائنٹ آ گیا تھا۔

عابدی اور سکندر نے بھی قدم روک لئے۔ جعفری نے ٹارچ کا بٹن آف کر دیا۔ چاندنی نیچے وادی پر نور کی برسات کر رہی تھی۔ چاند اب اس قدر بلند ہو چکا تھا کہ وہ سر گھما کر اسے اپنے اوپر دیکھ سکتے تھے۔

"نیچے اترنے کے لئے ٹارچ کی روشنی ضروری تو نہیں ہے؟" جعفری نے ان دونوں کو سوالیہ انداز میں دیکھا۔

"نہیں --- چاندنی اچھی خاصی پھیلی ہوئی ہے۔" عابدی نے اس کی تقلید میں دائیں بائیں اور پھر سامنے نشیب میں وادی پر نظریں دوڑائیں۔ سکندر نے جواب دینے کے بجائے بھیڑ کی رسی ہاتھ پر لپیٹی اس کی اگلی دونوں ٹانگیں بائیں ہاتھ میں اور پچھلی ٹانگیں دائیں ہاتھ کی گرفت میں لے کر اسے اٹھایا اور میلے میں باپ پر سوار بچے کی طرح اپنے کندھوں پر ڈال لیا۔ بھیڑ ممیا کر ذرا کسمسائی مگر جب سکندر کی گرفت مضبوط دیکھی تو زور لگانا بند کر دیا۔ اب وہ بھی ان کی طرح نیچے وادی کو دیکھ رہی تھی۔

جعفری نے سکندر کی اس حرکت پر مسکرا کر اسے دیکھا اور قدم نشیب کی طرف بڑھا دیئے۔ اس کے پیچھے سکندر بھیڑ اٹھائے ہوئے اور آخر میں عابدی رائفل سنبھالے آ رہا تھا۔ چونکہ اترائی کا معاملہ تھا اس لئے جعفری کو رائفل شانے سے اتار کر ہاتھ میں لیتے دیکھ کر عابدی نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ ویسے بھی اب وہ جس طرف جا رہے تھے وہاں کسی بھی وقت کوئی اچھا برا جانور سامنے آ سکتا تھ اور ضروری تھا وہ ہر قسم کی صورتحال کے لئے تیار رہتے۔

اترائی ختم ہونے میں دس منٹ لگ گئے۔

ڈھلوانی حصہ پار کر کے وہ وادی کی زمین پر اترے تو سب سے پہلے قدرتی چشمے نے ان کے قدم چومے۔ اس کا صاف شفاف پانی ہلکی سے شور آمیز آواز میں پتھروں کے بیچوں بیچ راستہ بناتا ہوا آہستہ روی سے بہہ رہا تھا۔ آسمان کے چاند کا عکس اس کی آغوش میں محو سکون تھا۔

فل بوٹس میں چھپے ان کے پاؤں چشمے کے پانی کا ذائقہ نہ چکھ سکے۔ وہ تینوں چشمہ پار کر کے آگے بڑھے۔ دو منٹ سے بھی کم وقفے میں وہ ذخیرے تک آ پہنچے۔ جعفری نے کھڑے ہو کر ایک درخت کی طرف اشارہ کیا جو اس درخت سے تقریباً بیس گز دور تھا جس پر انہوں نے مچان باندھ رکھی تھی۔

"سکندر --- بھیڑ کو وہاں باندھ دو۔"

"جی۔" وہ کہہ کر اس طرف بڑھ گیا۔

یہ درخت چشمے سے چند گز دور اور صاف زمین پر تھا۔ مچان سے وہ بآسانی اس درخت پر نظر رکھ سکتے تھے۔ راستے میں کوئی ایسی رکاوٹ نہ تھی جو ان کو اپنے کام میں محسوس ہوتی۔

بھیڑ ممیاتی رہی۔ سکندر نے اس کی فریاد پر دھیان نہ دیا۔ اسے درخت کے تنے سے باندھ کر وہ لوٹ آیا۔ جعفری نے ایک بار چاروں طرف کا جائزہ لیا۔ پھر ان دونوں کے ساتھ وہ مچان والے درخت کی طرف بڑھ گیا۔

پہلے جعفری، پھر عابدی اور آخر میں سکندر مچان پر پہنچا۔ مچان اتنی بڑی اور مضبوطی سے بنائی گئی تھی کہ وہ آسانی سے اس میں سما گئے۔ ٹانگیں اور گرد کی شاخوں پر ٹکا کر وہ یوں بیٹھ گئے کہ جعفری کا رخ بھیڑ کی طرف تھا۔ وہ رائفل سے شست باندھ کر پوری طرح دیکھ چکا تھا کہ اس کے اور بھیڑ کے درمیان کوئی شے رکاوٹ نہ تھی۔ اگر ان کا مطلوبہ درندہ یا کوئی دوسرا جانور وہاں آ دھمکتا تو وہ ٹھیک ٹھیک نشانہ لگا سکتا تھا۔ عابدی اس کے دائیں ہاتھ ذرا ترچھا ہو کر بیٹھا تھا۔ اس کے اور عابدی کے درمیان تقریباً ڈیڑھ فٹ کا فاصلہ تھا۔ اس نے بھی رائفل تان کر جانچ لیا کہ اسے نشانہ لینے میں کوئی دقت نہ ہو۔ رہا سکندر تو وہ ان دونوں سے ذرا آگے اور تقریباً دو فٹ اوپر اس طرح براجمان تھا کہ ضرورت پڑنے پر وہ سلامت اور درانی کو سگنل بھی دے سکتا اور خود بھی درندے پر جھپٹ سکتا تھا۔

جعفری نے جان بوجھ کر اسے اس طرح بٹھایا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ جذباتی ہو کر کوئی ایسی حرکت کر بیٹھے جو ان کے سارے کئے کرائے پر پانی پھیر دے۔

گھنے درخت کے پتوں نے ان تینوں کو مچان سمیت اس طرح ڈھانپ رکھا تھا کہ آسانی

سے ان کو دیکھ لینا ممکن نہ تھا۔ چاند کی چھن چھن کر آنے والی چاندنی بھی ان تک بمشکل کرنوں کی صورت پہنچ رہی تھی۔

جعفری نے رائفل کا بٹ نیچے کر کے اس کی نالی درخت کی ایک شاخ کے ساتھ اس طرح ٹکادی کہ بوقت ضرورت بآسانی اسے گرفت میں لے سکے۔ عابدی نے رائفل کو لاڈلے بچے کی طرح گود میں لٹا رکھا تھا۔ سکندر نے خنجر نکال لیا اور اس کی دھار کو بار بار انگلی پھیر کر چیک کر رہا تھا۔ اس نے اپنے اضطراب کو کس مشکل سے ضبط کے پٹے سے باندھ رکھا تھا یہ وہی جانتا تھا۔

''سکندر۔ دھیان رکھنا سلامت وغیرہ کی طرف سے سگنل کا۔'' جعفری نے دبی دبی سرگوشی میں اس کی طرف سر اٹھائے بغیر کہا۔

''میں مستعد ہوں صاحب۔۔۔ آپ فکر نہ کریں۔'' سکندر نے بھی اسی لہجے میں جواب دیا۔ اندھیرے اور چاندنی کو چیر کر اس کی نگاہیں دور اس بالائی حصے پر جا ٹکیں جہاں سلامت اور درانی کو ہونا چاہیے تھا۔

عابدی نے دور بندھی بھیڑ کو غور سے دیکھا۔ ''سکندر۔ بھیڑ بھوکی تو نہیں ہے۔''

''نہیں صاحب۔ میں نے چلنے سے پہلے اسے دانہ پانی ڈال دیا تھا۔''

وہ تینوں سرگوشیوں میں اس قدر دھیمی آواز سے گفتگو کر رہے تھے کہ ایک دوسرے کی بات سننے کے لئے بھی ان کو کان لگانا پڑ رہا تھا۔

''یار جعفری۔ میں ایک سگریٹ پی لوں۔''

''پاگل ہوئے ہو۔'' جعفری نے ڈانٹنے کے لہجے میں کہا۔ ''سگریٹ نوشی کا یہ وقت؟''

''یار ابھی کونسا ہمارا مہمان آ پہنچا ہے۔ اس کے آتے ہی بجھا دوں گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے آنے سے پہلے سگریٹ ختم ہی ہو جائے۔'' عابدی بے کل ہو رہا تھا۔

''ہرگز نہیں۔'' جعفری نے صاف انکار کر دیا۔

''یار صرف ایک سگریٹ۔۔۔ چلو آدھا۔'' عابدی گھگھیایا۔

''یہ تمہیں ہو کیا رہا ہے۔ کیوں اس طرح بچوں جیسی ضد کر رہے ہو؟'' جعفری جھلا گیا۔ پھر بھی اس نے کوشش کی کہ آواز سرگوشی کی حد پار نہ کرے۔

''دراصل میں نے کھانے کے بعد صرف ایک سگریٹ پیا ہے۔ سو کر اٹھا تو سگریٹ پی ہی نہیں سکا۔ اب طبیعت مچل رہی ہے۔''

''بکو مت۔'' جعفری نے اسے جھڑک دیا۔ ''کیا مجھ سے بڑے سموکر ہو تم؟ میں سگار بجھنے

ہی نہیں دیتا مگر دیکھو آرام سے بیٹھا ہوں۔''

''یار تم ہر ایک کو اپنے ساتھ مت ملایا کرو۔'' عابدی بھی جھلا گیا۔ ''تم کوئی انسان ہو؟''

''کیا مطلب؟'' جعفری غرایا۔

''میرا مطلب ہے تم دو دن بھی تمباکو نہ پیو تو تمہارا گزارا ہو جائے گا۔ تم چیونگم کھا کر اپنی طلب کا پیٹ بھر لو گے۔''

''تو یوں بکو۔'' جعفری نے اوپری جیب سے چیونگم کا پیکٹ نکال کر اسے تھما دیا۔ ''خواہ مخواہ بحث کئے جا رہے ہو۔''

''تھینک یو۔'' عابدی نے بچوں کی طرح خوش ہو کر کہا۔ ''آسانی سے مل جانے والی شے مزا نہیں دیتی۔ اگر میں سیدھے سیدھے تم سے چیونگم مانگ لیتا تو یہ لطف کیسے آتا جو تمہیں غصہ دلا کر حاصل ہوا ہے۔''

جواب میں جعفری دھیرے سے مسکرا کر رہ گیا۔ سکندر کی نگاہیں ایک لمحے کے لئے اپنے ٹارگٹ سے ہٹ کر بھیڑ کی طرف آئیں۔ پھر دوبارہ اس نے درانی وغیرہ کے پوائنٹ کی طرف نظریں جما دیں۔

''سکندر۔ لو چیونگم کھاؤ۔'' عابدی نے ایک پیس اس کی طرف بڑھایا۔

''نہیں صاحب۔ میں یونہی ٹھیک ہوں۔'' اس نے نرمی سے جواب دیا۔

''تمہاری مرضی۔'' عابدی نے وہ بھی اپنے منہ میں ٹھونس لیا اور دانتوں سے کچلنے لگا۔

جعفری کی پرتجسس اور منتظر نگاہیں بھیڑ پر جمی تھیں جو وقفے وقفے سے بڑی ہلکی آواز میں ممیاتی۔ رسی تڑانے کی کوشش کرتی۔ ناکامی پر ذرا دیر اچھلتی پھر سر جھکا کر یوں جھومنے لگتی جیسے بڑا وجد آور گیت سن رہی ہو۔

سکندر نے اسے درخت سے باندھتے وقت اس بات کا خیال رکھا تھا کہ رسی صرف اتنی ہی دراز رہے کہ بھیڑ درخت کے سامنے رہے۔ اتنی لمبی نہ چھوڑی جائے کہ وہ گھوم کر درخت کے عقب میں چلی جائے۔

اسی وقت جعفری نے ہلکی سی جمائی لی۔

''چیونگم پیش کروں؟'' عابدی نے جھٹ سے کہا۔

''ہے میرے پاس۔'' جعفری نے دوسرا پیکٹ نکال کر پھاڑا۔ ایک پیس منہ میں ڈالا اور جبڑوں کو حرکت دینے لگا۔

''ویسے اس وقت ہم دونوں جگالی کرتے ہوئے کیا اچھے لگ رہے ہوں گے جعفری۔ اچھا

ہے سلامت ہمارے ساتھ نہیں ہے ورنہ وہ بولنے سے باز نہ رہتا۔"

"اور تم کونسا کم بول رہے ہو۔ خاموش بیٹھو۔" جعفری نے اسے پھر ڈانٹا۔

"اور انتظار کرو۔" عابدی نے جیسے اس کا فقرہ پورا کیا۔

"پورے سور ہو تم۔" جعفری کی ہنسی نکل گئی۔

"چلو تمہاری طرح نامکمل تو نہیں ہوں ناں۔"

"اچھا بس۔" جعفری نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے ہاتھ اٹھا دیا۔

عابدی نے اس کی بات نجانے کیوں مان لی ورنہ وہ ابھی مزید بک بک کے موڈ میں تھا۔ اس نے بھی جعفری کی تقلید میں نظریں سامنے جما دیں۔ اب ان کو انتظار کرنا تھا۔ صرف انتظار۔ ایک درندے کا۔ جو اگر وہاں آ جاتا تو سیدھا موت کے منہ میں آتا۔ موت۔ جو تین انسانوں کے روپ میں اس کی منتظر تھی!

"شش۔۔۔" اچانک جعفری نے ہونٹوں کے آگے ہاتھ کھڑا کر کے ان دونوں کو چونکا دیا۔ چوکنے ہو کر وہ بھی جعفری ہی کی نگاہوں کے مرکز کو گھور رہے تھے۔

بھیڑ نے اچانک زور زور سے چیخنا اور بے تحاشا اچھلنا شروع کر دیا۔ ان کو یوں لگ رہا تھا جیسے تناؤ کا طوفان ان کے جسموں کو تڑخا دے گا۔ وہ بت بنے سامنے چاندنی میں نہائے چشمے کے کنارے ایک ٹک نگاہیں جمائے سانسیں روک کر رہ گئے۔

O

وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے خراماں خراماں چشمے کے کنارے یوں چہل قدمی کے انداز میں آگے بڑھ رہے تھے جیسے کوئی بادشاہ اپنی ملکہ کو رت جگا منانے سے پہلے ذہنی طور پر تیار کرنے کے لئے بہانے تراش رہا ہو۔ ان کے چتکبرے اور چمکدار جسم چاندنی میں دمک رہے تھے۔

بھیڑ نے جونہی چلا کر اچھل کود شروع کی وہ دونوں انہی قدموں پر رک گئے۔ نر چیتا دھیرے سے غرایا اور بھیڑ کی جانب منہ کر کے اس نے ہوا میں کچھ سونگھا۔ بھیڑ اب اتنے زور زور سے چلا رہی تھی کہ وادی کا سارا حسن خوف زدہ ہو کر رہ گیا تھا۔

مادہ نے گردن جھکا کر چشمے کے کنارے پانی میں منہ مارا اور جیسے ناراضگی کے عالم میں سر کو جھٹکا دیا۔ نر چیتا اس کی ادا پر بے تاب سا ہو گیا۔ اس نے زور سے غرا کر بھیڑ کی جانب نگاہ کی اور نجانے کیا ہوا کہ بھیڑ کی ممیاہٹ اس کے گلے میں پھنس کر رہ گئی۔ اس نے کتے کے پلے کی طرح آواز کی آخری سیڑھی سے لڑھکنی کھائی اور سمٹ کر درخت کے ساتھ لگ گئی۔ اس کا سارا جسم لرز رہا تھا۔ خوف زدہ نظروں سے وہ اب چیتے کو دیکھ تو رہی تھی مگر آواز اس کی دفن ہو چکی تھی۔

چیتا ایک قدم پیچھے ہٹا۔ دائیں بائیں اور سامنے کا اپنی کنچوں کی طرح چمکتی آنکھوں سے جائزہ لیا۔ پھر مادہ کے بدن کے ساتھ اپنا بدن مس کر کے ہولے ہولے رگڑنے لگا۔ مادہ نے ہلکی سی غراہٹ آمیز آواز نکالی اور گھوم کر رخ نر کی جانب کر لیا۔ دونوں اٹھکیلیاں کرنے لگے۔ ہلکی ہلکی آوازیں ان کے حلق سے خارج ہو رہی تھیں۔ کبھی وہ اگلے پنجے اٹھا کر ایک دوسرے کا چہرے چھوتے۔ کبھی گال کے ساتھ گال رگڑتے۔ نر دھیرے دھیرے جاگ رہا تھا۔ اس کی حرکتوں میں بے تابی کا عنصر بڑھتا جا رہا تھا۔ ایک آدھ بار اس نے مادہ کو دھکا دے کر زمین پر گرانا چاہا مگر وہ طرح دے کر نکل گئی۔ وہ نر کو کھلا رہی تھی۔ نر کھیل رہا تھا۔ جذبات میں تندی آنے لگی تھی۔ مستی بڑھتی جا رہی تھی۔ دونوں کی حرکتیں اب صاف ظاہر کر رہی تھیں کہ وہ ایک خاص وقت کے قریب تر ہوتے جا رہے ہیں۔

"سکندر۔" جعفری نے سرگوشی کی گردن پر احتیاط کا پاؤں رکھ کر دبایا۔ "کیا یہی ہے وہ

چیتا؟"

"جی صاحب---میں اس کی نشانی دیکھ چکا ہوں-" وہ بے حد مضطرب تھا-

"کیسی نشانی؟"

"اس کی دم کٹی ہوئی ہے صاحب- یہی اس کی سب سے بڑی نشانی ہے جو اس کا پیچھا کرنے والوں نے بتائی تھی-"

"یعنی یہ طے ہے کہ ہمارا شکار یہی ہے!"

"جی صاحب-"

"اچھا بس خاموش---اب بات کرنے کی ضرورت نہیں-" جعفری اس قدر آہستگی سے بول رہا تھا جیسے ٹیپ ریکارڈر کی سپیڈ کم ہونے پر الفاظ کی ادائیگی میں نقص آ گیا ہو-" عابدی- یو آر ریڈی!"

"یس----" عابدی نے رائفل سیدھی کر لی-

"سکندر- جب تک میں نہ کہوں تم کوئی حرکت اپنی مرضی سے نہیں کرو گے- اور اب سب سے پہلے سلامت وغیرہ کو سگنل دے دو-"

"جی صاحب-" سکندر نے بے حد احتیاط سے حرکت کی- ٹارچ کو درانی پوائنٹ کی طرف کر کے تین بار جلایا بجھایا- جواب میں ادھر سے دو مرتبہ روشنی نے آنکھ جھپکی-

"جواب موصول ہو گیا صاحب-" سکندر نے بتایا تو جعفری نے سر مطمئن انداز میں ہلا کر شست باندھ لی-

نر نے مادہ کے بدن کو چاٹنا شروع کر دیا- مادہ اب اسے نہ پیچھے دھکیل رہی تھی نہ خود گریزاں تھی- بس وہ کبھی کبھی زبان سے نر کا چہرہ چھو لیتی- یا لمحے بھر کو سمٹ کر دوسرے ہی پل دوبارہ پھیل جاتی-

چاند اس وقت پورے جوبن پر آ چکا تھا- چاندنی نے اپنا سارا جادو شاید وادی کے اس حصے میں بکھیر دیا تھا- نر نے ایک بار مادہ کی گردن پر زبان پھیری' پھر چہرہ بلند کر کے چاند کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں- چند لمحے خاموشی کے ساتھ دم سادھے گزر گئے- مادہ نے ہولے سے غرا کر نر کو اپنی موجودگی کا احساس دلایا- نر نے ایک ادائے خاص کے ساتھ چاند کے چہرے سے نگاہیں ہٹائیں اور مادہ اس کی سکڑتی پھیلتی' بلور کی طرح چمکتی آنکھوں سے مسحور ہو کر رہ گئی- ایک پل نہ گزرا ہو گا کہ وہ بے اختیار زمین پر بیٹھتی چلی گئی- نر دو قدم پیچھے ہٹ کر اس کے عین عقب میں آ گیا-

"عابدی---ریڈی-" جعفری نے ٹریگر پر انگلی رکھ دی-

"ڈونٹ ڈوواٹ جعفری پلیز-" عابدی نے ملتجی لہجے میں کہا-"یار یہ نایاب ترین منظر ہے- اس جوڑے کو جان سے مت مارو- زندہ پکڑ لو---یہ میرا مطلوبہ جانور ہی ہے-"

جعفری نے اس کے آخری الفاظ سنے-

ایک پل کے لئے بڑی عجیب نظروں سے سر گھما کر عابدی کو دیکھا اور دوبارہ شست باندھ لی-

پھر اس سے پہلے کہ عابدی کچھ اور کہتا---اوپر تلے دو فائر ہوئے- دو دھماکے ہوئے- ایک نے نر کی گردن اور دوسرے نے مادہ کی کھوپڑی اڑا دی- نر ایک زوردار غراہٹ آمیز چیخ کے ساتھ اچھلا- مادہ نے دو تین پلٹیاں کھائیں-

"فائر کرو عابدی-" جعفری نے تیزی سے کہا اور دوبارہ رائفل لوڈ کرنے لگا-

عابدی نے بادل نخواستہ اینگل سیٹر پر آنکھ ٹکا دی-

چیتے کو ہدف کا اندازہ ہو گیا تھا وہ اپنی ادھڑی ہوئی گردن کے ساتھ ایک بار اپنی مادہ کی طرف بڑھا جس کی کھوپڑی کے پرخچے اڑ چکے تھے اور وہ آخری سانس لے رہی تھی-

ایک دہشت ناک دھاڑ سے ساری وادی گونج اٹھی- اسی وقت دو فائر اور ہوئے اور جعفری والے درخت کی جانب لپکتے ہوئے اس درندے کا بدن ہوا ہی میں پلٹ کر زمین پر جا گرا- وہ اپنی ناقابل یقین حد تک بلند جست کی انتہا کو چھونے سے پہلے ہی عابدی کے فائر کا نشانہ بن گیا- دونوں فائر اس کے پیٹ میں لگے اور اب وہ کٹا پھٹا زمین پر پڑا تڑپ رہا تھا- رخ اس کا اب بھی ان لوگوں کی مچان کی طرف تھا اور وہ پوری کوشش کر رہا تھا کہ کسی طرح گھسٹ گھسٹ کر درخت تک پہنچ جائے-

اسی وقت سلامت اور درانی نے ہوائی فائر کر کے ان لوگوں کو اپنی آمد سے آگاہ کیا- وہ شاید دور سے دیکھ چکے تھے کہ چیتا شدید زخمی ہو کر زمین پر پڑا دم توڑ رہا ہے-

جعفری نے رائفل نیچے کر لی- پھر اس سے پہلے کہ مزید کوئی حرکت رونما ہوتی اچانک کسی نے مچان سے نیچے چھلانگ لگا دی-

"سکندر-" جعفری بے اختیار چیخ اٹھا-"ابھی نہیں سکندر- وہ بے حد خطرناک ہے اس وقت-"

مگر---اس کی آواز جیسے سکندر نے سنی ہی نہیں- وہ خنجر لہراتا ہوا سیدھا چیتے پر جا پڑا- چیتا اس قدر زخمی تھا کہ اس کے لئے چند انچ حرکت کرنا بھی ممکن نہ رہ گیا تھا- تاہم جب سکندر اس

پر آسوار ہوا تو اس نے آخری بار پوری قوت جمع کی اور سکندر کو پنجہ مارنے کی کوشش کی۔ سکندر نے وحشیوں کی طرح ایک زوردار آواز حلق سے خارج کی اور کھچاک سے اس کا خنجر چیتے کے سینے میں اتر گیا۔ خنجر کھینچ کر اس نے باہر نکالا اور دوسری بار چیتے کے سینے میں اتار دیا۔ ٹانگوں سے اس نے چیتے کے زخمی اور ادھڑے ہوئے جسم کو قابو کر رکھا تھا۔ چیتے نے تڑپ کر پلٹنی کھانا چاہی مگر ناکام رہا۔ اس کا جسم اب باقاعدہ لرز رہا تھا۔ وہ پلٹنی کھانے میں تو ناکام رہا مگر ہوا یہ کہ اب جو وہ بے سدھ ہوا تو دونوں کے چہرے آمنے سامنے آگئے۔ چیتے کی بلور جیسی چمکتی ہوئی دو آنکھیں تھیں یا آگ کی لپٹیں کہ سکندر کی آنکھوں میں تیزاب سا اترتا چلا گیا۔ اس کا تیسری بار چیتے کے سینے میں اترنے کے لئے بے تاب خنجر والا ہاتھ جس تیزی سے نیچے آرہا تھا وہ اچانک دم توڑ گئی۔

چیتا اس کی آنکھوں میں گھور رہا تھا۔

سکندر اس کی قوت سے مسحور ہو کر رہ گیا تھا۔

دونوں کی آنکھیں ایک دوسرے میں گڑی ہوئی تھیں۔

سکندر کو لگ رہا تھا جیسے اس کی آنکھوں کے راستے کوئی آگ ہے' دہکتی ہوئی لہر ہے جو خون میں سرایت کرتی جا رہی ہے۔ اس کا ہاتھ اتنی آہستگی سے نیچے آرہا تھا جیسے سلوموشن میں کوئی منظر دکھایا جا رہا ہو۔

اچانک چیتے نے ایک تیز غراہٹ خارج کی۔ سکندر کے لبوں پر بے اختیار جوابی غراہٹ ابھری۔

ایسا محسوس ہوا جیسے چیتے نے مسکرانے کے انداز میں بھاڑ سا منہ کھول دیا ہو۔ وہ ایک بار پوری جان سے لرزا' کانپا اور ساکت ہو گیا۔

سکندر کا خنجر والا ہاتھ بڑے بے جان انداز میں نیچے آیا۔ خنجر چیتے کے جسم سے ٹکرایا۔ سکندر کی کلائی مڑ گئی جیسے اس کے بدن میں جان نہ رہ گئی ہو۔ پھر وہ ایک کراہ کے ساتھ پیچھے کو الٹ گیا۔ اس کی بند ہوتی ہوئی آنکھوں کو اگر بھاگ کر قریب آتا ہوا جعفری یا عابدی دیکھ پاتا تو حیرت اور خوف ایک بار ضرور اسے پاتال کی گہرائیوں میں پٹخ دیتے کیونکہ وہ آنکھیں سکندر کی نہیں اس دم توڑتے چیتے کی لگ رہی تھیں۔ لگ رہی تھیں کیا مطلب شاید وہ تھیں ہی اس چیتے کی۔ ان میں غیر انسانی' حیوانی چمک اور لپک اپنی پوری انتہا کے ساتھ لہرا رہی تھی۔

''سکندر۔۔۔سکندر۔۔۔'' جعفری' عابدی سے پہلے اس کے قریب پہنچا۔ عابدی نے رائفل سنبھال کر مادہ کا رخ کیا جو ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ جعفری کی ایک ہی گولی نے اس کا بھیجا اڑا دیا تھا۔ کھوپڑی اڑنے کے چند ہی لمحے بعد اس نے دم توڑ دیا تھا۔ وہ رائفل اس کے جسم سے ٹکا کر

بے حد افسوس بھری نظروں سے اس شاندار ملکہ کو گھورنے لگا جو چند لمحے قبل اپنے نر کے ساتھ بھرپور اٹھکیلیوں میں مصروف تھی۔

جعفری نے چیتے کی موت کا یقین کرنے سے پہلے سکندر کو کھینچ کر ایک طرف ڈالا۔ پھر چیتے کے بے جان جسم سے اس کی موت کا یقین حاصل کر کے وہ سکندر کی طرف متوجہ ہوا۔ اتنی دیر میں سلامت اور درانی بھی نشیب میں اتر کر ان کے قریب آچکے تھے۔ وہ دو دو درندوں کو شکار کر لینے پر رشک بھری نظروں سے عابدی اور جعفری کو دیکھ رہے تھے۔

''سکندر۔ سکندر۔'' جعفری نے اس کے ہاتھ سے خنجر نکال کر ایک طرف ڈالا اور بار بار اسے پکارنے لگا۔

''اس کے منہ پر پانی ڈالو یار۔'' بیزاری سے عابدی نے کہا۔ اسے اس جوڑے کی موت کا بیحد افسوس تھا۔

''تو لاؤ ناں۔۔۔سوچ کیا رہے ہو۔ پانی لاؤ۔'' جعفری نے جھلا کر کہا۔

عابدی نے آگے بڑھ کر چشمے سے پانی اوک میں لیا اور لا کر سکندر کے منہ پر چھینٹے کے انداز میں چھڑک دیا۔ چند لمحوں بعد سکندر نے جھرجھرا کر آنکھیں کھول دیں۔۔۔ اس کی آنکھیں کھلیں اور ان میں دیکھتے ہی جعفری کو جھٹکا سا لگا۔ اس کا سارا دماغ جھنجھنا اٹھا۔ وہ آنکھیں کیسی غیر انسانی لگ رہی تھیں۔ درندگی' چمک اور آگ سے دہکتی ہوئی آنکھیں۔

ایک ہی پل گزرا ہوگا کہ سکندر کی آنکھیں بجھ گئیں۔ ان میں جلتی غیر انسانی جوت نے پردہ کر لیا۔

''تم ٹھیک تو ہو؟'' جعفری نے جلدی سے پوچھا۔ اس کی آنکھوں کے نارمل ہوتے ہی وہ چونک اٹھا تھا۔

چند لمحوں تک سکندر اسے اجنبی سی نگاہوں سے گھورتا رہا۔ پھر جیسے اسے دھیرے دھیرے سب یاد آگیا۔ ایک دم اس نے گردن گھما کر دائیں بائیں دیکھا۔ عابدی' سلامت اور درانی کے بعد اس کی نظر چند فٹ دور پڑے بے حرکت چیتے پر پڑی۔

''میں۔۔۔ میں ٹھیک ہوں صاحب۔'' وہ اٹھ بیٹھا۔ ''یہ۔۔۔یہ۔۔۔'' اس نے چیتے کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ مر چکا ہے۔'' جعفری اطمینان بھرا سانس لے کر کھڑا ہو گیا۔ ''مگر تم نے جو حماقت کی وہ بے حد خطرناک تھی سکندر۔'' اس کا لہجہ خشک ہو گیا۔

''صاحب۔۔۔ میں۔۔۔ میں برداشت ہی نہ کر پایا اور۔۔۔''



"حالانکہ میں نے تمہیں منع کیا تھا اور تم نے وعدہ بھی کیا تھا-" جعفری نے اس کے شرمندہ شرمندہ لہجے کی قطعی پرواہ نہ کی-

جواب میں کھڑا ہوتا سکندر محض ہونٹ کاٹ کر رہ گیا- شرمساری اس کو گردن جھکائے رکھنے پر مجبور کر رہی تھی-

"چلو چھوڑو یار--- جو ہو گیا اس پر مٹی ڈالو- اب بولو کرنا کیا ہے؟" عابدی نے بات سنبھالنے کی کوشش کی-

"کرنا کیا ہے؟ اب صبح تک ان کا پہرہ دو- کہیں دوسرے جانور آ کر ان کی لاشوں کو خراب نہ کر ڈالیں-" سلامت نے دخل درمعقولات کی-

"کوئی ضروری نہیں-" درانی نے چاروں طرف نظریں دوڑاتے ہوئے کہا- "اگر تم لوگ میرا ساتھ دو تو دو گھنٹے میں ہم ان دونوں کی کھالیں نکال سکتے ہیں-"

"ارے ہاں- میں تو بھول ہی گیا تھا-" عابدی نے درانی کی جانب تمسخر سے دیکھا- "مجھے تو یاد ہی نہ تھا کہ ایک ڈ قصائی ہمارے ساتھ ہے-"

"جو مرضی کہو جانی--- بہرحال یہ فن ہے اور تم اس سے نابلد ہو-" درانی نے جیکٹ کی زپ کھولتے ہوئے کہا-

"یہ تو ہے-" عابدی لاجواب ہو گیا-

جعفری نے بھی رائفل سکندر کو تھمائی اور جیکٹ اتار دی- عابدی اور سکندر اس درخت کے پاس چلے آئے جس کے ساتھ بھیڑ بندھی تھی- وہ بے چاری دم سادھے یوں سر اگلی ٹانگوں میں دیئے سکڑی سمٹی پڑی تھی جیسے اسے جاڑے کا بخار آ گیا ہو- اسے لرزتے دیکھ کر عابدی کو اس پر بےحد ترس آیا-

"انسان اپنے فائدے کے لئے نہ درندے کو بخشتا ہے نہ معصوموں کو-" عابدی نے ہمدردی سے بھیڑ کے جسم پر ہاتھ پھیرا- وہ ہولے سے ممیا کر رہ گئی-

"ہاں یہ تو ہم سب نے ابھی کر کے دکھا دیا عابدی صاحب-" سکندر نے دھیرے سے جواب دیا- "اس معصوم کو اس درندے کے حوالے کر کے ہم اس کا شکار کرنا چاہتے تھے- یہ قسمت سے بچ گئی اور وہ بدقسمتی سے مارا گیا-"

عابدی نے جواب میں اِدھر اُدھر نظر دوڑائی- پھر سگریٹ نکال کر ہونٹوں میں دبایا اور لائٹر کا شعلہ دکھا دیا-

"مگر عابدی صاحب- ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی-"

"وہ کیا-" عابدی نے اسے غور سے دیکھا-

"اس چیتے نے بھیڑ کو چیر پھاڑ کیوں نہیں کیا؟ جبکہ اس عمل میں کوئی رکاوٹ بھی درپیش نہ تھی-"

"ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ وہ دونوں بھرے پیٹ سے ہوں گے اور دوسری وجہ---" وہ سوچتے ہوئے ایک پل کے لئے رکا- "وہ اس سے بھی زیادہ ٹھوس ہے جو میری سمجھ میں آتی ہے-"

"وہ کیا؟" سکندر پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گیا-

"آج ان دونوں کی ملن رات تھی سکندر-" عابدی نے ایک آہ بھر کر دھواں اگلا- "وہ دونوں ملاپ کی اٹھکیلیوں میں مصروف تھے- اس حالت میں وہ کسی بھی دوسرے جاندار سے موت کا کھیل نہ کھیلنا چاہتے ہوں گے- اپنے ملاپ کی خوشی میں شاید انہوں نے اس بے ضرر بھیڑ کی جان بخش دی مگر---" اس نے پھر وقفہ لیا--- "مگر میرے روکنے کے باوجود جعفری نے ان کی جان لے کر سانس لیا-"

"شاید آپ ٹھیک کہتے ہیں عابدی صاحب-" سکندر نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا- اس کی نظریں دور پڑے مادہ چیتے کے بے حس و حرکت بدن پر جم گئیں- "ہم انسان کبھی کبھی درندوں کو بھی مات کر دیتے ہیں-"

"میں صرف یہ چاہتا تھا کہ جعفری اس نر کو نہ مارے- یہ میری ریسرچ کے لئے بے پناہ اہمیت رکھتا تھا-" عابدی نے درخت سے ٹیک لگا کر چیتے کی کھال اتارتے جعفری اور درانی کو دیکھا- "مگر اب نجانے ایسا موقع کب آئے گا؟"

"شاید جلد ہی---" سکندر بدستور مادہ کو گھور رہا تھا-

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟" عابدی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا-

"کیا--- کیا کہہ رہا تھا میں؟" بے اختیار سکندر چونک اٹھا-

"تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے سکندر-" عابدی نے اسے گہری نگاہوں سے دیکھا- "اس واقعے نے تم پر اچھا اثر نہیں ڈالا-"

"نہیں عابدی صاحب-" سکندر مسکرایا- "میں بالکل ٹھیک ہوں- میرا انتقام پورا ہو گیا- میں نے اپنے بے گناہ ماموں کا بدلہ لے لیا اور اس کے لئے میں جعفری صاحب کا زندگی بھر شکرگزار رہوں گا- وہ نہ ہوتے تو شاید میں کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو پاتا-"

"یہ تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو- عجیب بات ہے سکندر- کبھی کبھی ایک ہی فعل یا ایک ہی انسان مختلف آدمیوں کے لئے مختلف اثرات کے حامل ہو جاتے ہیں- جیسے جعفری تمہارے لئے باعث

سکون ہے کہ اس ۔نے تمہیں اپنے ماموں کا انتقام لینے میں بے حد مدد دی اور میں اس کے اس فعل
کے نتیجے میں بیزار ہوں کہ میری ریسرچ کو ٹھکانے لگانے کا ایک سنہری موقع اس نے چھین لیا۔"
"اب چھوڑیئے بھی عابدی صاحب۔" سکندر نے بشاشت سے کہا۔ "زندگی رہی
موقعے ملتے رہیں گے۔شاید پھر کبھی کوئی شکار آپ کے لئے کامیابی کی نوید لے کر آئے۔"
"ہاں---مگر یہ تو قسمت کی خوبی پر ہے ناں---نجانے اب یہ موقع کب آئے؟"
"سکندر---" اسی وقت جعفری نے اسے آواز دی اور وہ "جی صاحب" کہتا ہوا اس
طرف لپکا۔
"یہ کھال چشمے کے پانی میں اچھی طرح دھو ڈالو۔" جعفری نے خون آلود ہاتھ پینٹ سے
رگڑ کر صاف کرتے ہوئے کہا۔
"جی صاحب۔" سکندر نے درانی اور سلامت کے ہاتھوں میں لٹکتی کھال تھام لی۔
خاصی وزنی تھی۔ وہ اسے سر سے بلند کرتے ہوئے چشمے کی طرف بڑھ گیا جس کے پانی میں چا
عکس اسے حیرت سے تک رہا تھا۔ جونہی اس نے کھال کو پانی میں ڈالا' چاند کی شبیہہ ہلچل کا شکا
گئی۔
کھال کو دھوتے ہوئے سکندر کی آنکھیں ایک بار پھر دہک اٹھیں---ان میں
درندگی اور آگ کی لپٹیں لہرائیں جو کچھ دیر پہلے اس درندے کی آنکھوں میں ناچ رہی تھیں جس
بے جان کھال کو وہ پانی میں ڈبکیاں دے رہا تھا۔تقریباً پونے تین گھنٹے گزر گئے۔ دونوں کھ
اتار لی گئیں۔ دھو کر صاف کر لی گئیں۔ دونوں کھالوں کو تہہ کر کے بنڈل سا بنایا گیا۔ پھر اس
درمیان سے ایک مضبوط بانس نما لمبی شاخ گزار کر اسے اٹھایا گیا۔ درانی اور سلامت نے
پیچھے سے اس بانس کا ایک ایک سرا تھاما اور ڈولی ڈنڈا کرتے ہوئے چل پڑے۔
جعفری اور عابدی ان کے پیچھے اپنی رائفلیں شانوں پر ڈالے چلے آ رہے تھے۔سکن
سب سے آخر میں تھا۔ اس نے حسب سابق بھیڑ کو اٹھا کر کندھوں پر ڈالا اور چل دیا۔
حیرت کی بات یہ تھی کہ بھیڑ نے پہلے تو سکندر کے کندھوں پر آتے ہی خوب زوردار خوفز
آوازیں نکالیں۔ پھر یوں سہم کر سمٹ گئی جیسے اسے کسی نے صلیب پر لٹکا دیا ہو۔ وہ کانپے جا رہی
اور حتی الامکان کوشش کر رہی تھی کہ سکندر کے چہرے سے خود کو دور رکھے۔
دور آسمان پر چمکتا چاند ان پانچ آدمیوں کے قافلے کو اپنی سرد نگاہوں سے گھور رہا تھا۔
کی چاندنی میں پھیکا پن آ گیا تھا۔ اس کے سحر اور روح کو سکون دینے والی ٹھنڈک میں کمی آ گئی تھی
وصل کی لذت سے بہرہ ور ہونے میں ناکام دو حیوانوں کے بے جان' کھالوں سے محر

کٹے پھٹے گوشت آلودہ پنجر چشمے کے کنارے ایک دوسرے سے دور دور پڑے تھے---ان میں
سے ایک انسانوں کا مجرم تھا۔ اسے سزا ملنا لازم تھی مگر دوسرا حیوان تو بے گناہ تھا۔ پھر اسے بھی وہی
سزا کیوں ملی جو مجرم کو---شاید مجرم کا ساتھ دینے والے کی سزا بھی وہی ہوتی ہے جو مجرم کی۔ یہ وہ
قانون ہے جو شہر سے پہلے جنگل میں لاگو ہو چکا تھا۔ اس کی مثال تھے یہ دو حیوان جو ہجر کی سولی
چڑھ گئے تھے۔

O

اوسیہ والوں نے خوشی کے مارے جعفری اور اس کے ساتھیوں کا اس انداز میں شکر ادا کیا کہ وہ شرمندگی سی محسوس کرنے لگے۔ اتنی محبت' اتنا تشکر۔۔۔۔ وہ سوچتے اور سر جھکا کر جاتے۔

گاؤں والوں نے بہت کوشش کی کہ وہ ریسٹ ہاؤس چھوڑ کر گاؤں میں آ جائیں۔ وہ کی مہمان نوازی میں بہت آگے جانا چاہتے تھے مگر جعفری وغیرہ نے انکار کر دیا۔ ان کے لئے یہ خوشی بہت تھی کہ انہوں نے گاؤں والوں کو ایک حیوان کی درندگی سے نجات دلا دی تھی۔

ان کے لاکھ منع کرنے پر بھی گاؤں والوں نے کم از کم یہ کیا کہ ان کے اعزاز میں ایک دعوت کر ڈالی جس میں گاؤں کی روایتی مہمان نوازی اور لذیذ ترین کھانے ان کے لئے سوغات بن گئے۔

جعفری اب واپس لوٹ جانا چاہتا تھا۔ اسے مائرہ کی یاد ستا رہی تھی۔ عابدی کو بھی واپسی میں کوئی اعتراض نہ تھا' البتہ سلامت اور درانی ابھی چند دن وہاں رکنے کے حق میں تھے۔ جعفری نے ان دونوں کو قطعاً نہ روکا مگر ان سے اپنی واپسی کی اجازت لے لی۔ طے ہوا کہ دوسرے دن صبح جعفری اور عابدی واپس روانہ ہو جائیں گے۔

سارا دن اور شام گاؤں والوں کے ساتھ رونق میلے میں گزر گیا۔ رات آئی تو وہ تقریباً دس بجے ریسٹ ہاؤس لوٹ آئے۔

سکندر ان دونوں کے ساتھ ہی چلا آیا۔ جعفری نے اسے گاؤں والوں کے جشن ہاؤ ہو میں رکنے کو کہا بھی مگر اس نے کوئی خاص دلچسپی ظاہر نہ کی۔ پھر جعفری نے بھی زور نہ دیا۔

ریسٹ ہاؤس آ کر سلامت اور درانی تو فوراً ہی سونے کے لئے اپنے کمرے میں چلے گئے۔ سلطان خان نے ان سے چائے وغیرہ کا پوچھا مگر عابدی نے منع کر دیا۔ گاؤں والوں نے ان کو حلق تک بھر دیا تھا۔ اب طلب ہوتی بھی تو جگہ نہیں تھی اس لئے چائے یا کافی کا پروگرام کینسل کر دیا گیا۔

عابدی نے کپڑے بدلے اور بستر میں گھس گیا۔ جعفری باتھ روم سے نکلا تو سکندر آتشدان

میں لکڑیاں الٹ پلٹ رہا تھا۔ رات سرد ہوتی جا رہی تھی اور آگ ہی اس خنکی کا راستہ روک سکتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ہی کمرہ خاصا گرم ہو گیا۔

جعفری نے اپنے بستر میں نیم دراز ہو کر کمبل سینے تک کھینچ لیا۔ پھر سگار سلگا کر دھواں چھوڑنے لگا۔ سکندر سامنے کرسی پر بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔

''کیا سوچ رہے ہو سکندر؟'' جعفری نے اسے مخاطب کیا تو وہ ہولے سے چونکا۔

''کیا سوچنا ہے صاحب۔'' وہ بڑے پھیکے سے انداز میں مسکرایا۔ ''اب زندگی میں سوچنے کیلئے رہ کیا گیا ہے؟''

''کیا مطلب؟'' جعفری نے اسے غور سے دیکھا۔ ''اتنی مایوسی کیوں؟''

''صاحب۔'' سکندر نے اس کی جانب دیکھا۔ ''ایک ماموں تھا بھری پری دنیا میں۔ وہ نہیں رہا۔ اب میں اس گاؤں میں کیا ساری دنیا میں تنہا ہوں۔ کہنے کو سارا گاؤں اپنا ہے مگر حقیقت تو یہی ہے ناں کہ میرا اب کوئی نہیں۔'' اس کی آواز ٹوٹ سی گئی۔

''اب آگے کیا کرو گے؟ میرا مطلب ہے پڑھو گے یا؟'' جعفری نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''کیا کرنا ہے پڑھ کر صاحب۔ ماموں کے لئے نوکری کرنا چاہتا تھا کہ اس کی خدمت کروں گا۔ اب نوکری کرنے سے بھی جی اچاٹ ہو گیا۔ گاؤں میں جو چھوٹا سا مکان ہے' سوچ رہا ہوں اسے بیچ دوں اور کسی دوسری جگہ چلا جاؤں۔ یہاں تو مجھے ہر وقت اپنے اس محسن کی یادیں ستاتی رہیں گی جس کی میں ایک نیکی کا بدلہ بھی نہ اتار سکا۔''

''دیکھو سکندر۔'' جعفری نے سگار کی راکھ جھاڑتے ہوئے کہا۔ ''تم ایک پڑھے لکھے نوجوان ہو۔ عقل مند ہو' سمجھدار ہو' اپنی مرضی کے مالک ہو' میرا یا کسی اور کا تم پر کوئی زور نہیں ہے مگر ایک مخلصانہ مشورہ ہے کہ جو بھی کرو سوچ سمجھ کر کرنا۔ اندھا دھند فیصلے بعد میں پچھتاوا بن کر زندگی بھر لہو رلایا کرتے ہیں۔ تم بے شک تنہا ہو گئے ہو۔ اکیلے پڑ گئے ہو مگر کیا یہ صورتحال صرف تمہارے ساتھ ہے۔ کیا پوری دنیا میں تم اکیلے ہی اس کیفیت سے دوچار ہو؟ ۔۔۔نہیں۔۔۔۔ تم جیسے ہزاروں لاکھوں لوگ ہوں گے جن کو زندگی کی شاہراہ پر اکیلے ہی اپنی صلیب کندھوں پر اٹھا کر چلنا پڑا۔ مجھے ہی دیکھ لو۔ میری شمیم سحر اٹھارہ برس پہلے مجھ سے بچھڑ گئی تھی لیکن کیا میں اس کے ساتھ دم توڑ گیا۔ میں آج بھی زندہ ہوں۔ سانس لے رہا ہوں۔ میں نے کبھی اسے اپنے تصورات میں' اپنی یادوں میں' اپنی راتوں میں اکیلا نہیں چھوڑا۔ وہ ایک سائے کی طرح ہمیشہ میرے ساتھ رہی ہے۔ اب بھی ہے۔ مرتے دم تک رہے گی۔ تم بھی اپنے محسن اور مربی ماموں کو اپنی زندگی میں وہ

مقام دے دو جس کی عزت اور حرمت قائم رکھنے کے لئے تم دن رات اپنی سی کوشش کرتے رہو۔ اسے اپنے خیالوں میں' اپنے مقصد حیات میں' اپنے آدرش میں زندہ رکھو۔ وہ تمہیں کیا بنانا چاہتا تھا۔ وہ بن جاؤ۔ بن جانے کی کوشش کرو۔ یقین کرو اس مرحوم کی دعائیں تمہاری کوششوں پر ابر قبولیت بن کر برسیں گی۔ اس کی خوشی' اس کی مسکراہٹ' اس کی مسرت تمہیں کبھی خوابوں میں اور کبھی حقیقت کی دنیا میں آ کر مبارکباد دیا کرے گی--- لیکن اگر تم نے زندگی سے فرار کو اپنا رہبر بنا لیا تو اس کی ساری محبت' ساری قربانیاں' ساری دعائیں اکارت ہو جائیں گی--- کیا اس نے اس لئے تمہیں خون جگر پلا پلا کر جوان کیا تھا کہ تیز ہوا کا ایک ہی جھونکا تمہیں زمیں بوس کر دے--- میں تمہیں اتنا ہی سمجھا سکتا ہوں' آگے تم اپنی مرضی کے مالک ہو۔"

"آپ نے جو کہا درست کہا صاحب۔" سکندر اس کے خاموش ہونے پر سر اٹھا کر بولا۔ "مگر اس نے تو کبھی مجھے یہ بتایا ہی نہیں کہ وہ مجھے کیا بنانا چاہتا تھا۔ کس روپ میں دیکھنا چاہتا تھا۔ پھر میں کیا رخ متعین کروں اپنی زندگی کا؟"

سکندر بے حد سلجھی ہوئی اور مدلل گفتگو کر رہا تھا۔ عابدی خاموشی سے ان دونوں کی بحث کا مزہ لے رہا تھا اور اسے سکندر کی باتوں پر حیرت ہو رہی تھی۔ گاؤں کا ایک سیدھا سادا نوجوان زندگی کے فلسفے کو سمجھ رہا تھا۔ سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"چلو--- یہ بھی مان لیا کہ تمہیں اپنے ماموں کی خواہش معلوم ہی نہیں کہ وہ تمہیں کیا بنانا چاہتا تھا لیکن کیا وہ یہ چاہتا تھا کہ تم ایک مایوس اور ناامید انسان کی جھوٹی زندگی جیو؟"

"ہرگز نہیں۔" سکندر نے بڑی شدت سے نفی میں سر ہلایا۔ "وہ تو زندگی بھر مجھے قناعت اور مسلسل کوشش کی تلقین کرتا رہا۔ صبر کے معنے سمجھاتا رہا۔"

"یہ---" جعفری نے اس کی بات پکڑ لی۔ "یہ ہے وہ بات جو تمہارے لاشعور میں میٹھی نیند سو رہی ہے۔ کوشش اور صبر--- اتنا ہی کافی ہے سکندر۔ ایک اچھا' باعمل اور باکار انسان بننے کی کوشش اور اس کوشش کے ثمر آور ہونے تک صبر--- کیا تمہیں اب بھی اپنے ماموں کی خواہش کا ادراک نہیں ہوا؟"

"ہو گیا صاحب۔" سکندر بے ساختہ کہہ اٹھا۔ اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ "میں اندھا تھا کہ اب تک اس طرف سوچ ہی نہ پایا۔"

"نہیں سکندر۔" جعفری نے اسے دلاسہ دینے کے انداز میں ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "تم ایسی کسی بات کو اپنے الفاظ میں جگہ نہ دو جس کے بارے میں تم پر یقین نہیں ہو۔ تم اندھے نہیں تھے۔ صدمے کے اثرات نے تمہیں ذہنی طور پر مفلوج کر دیا تھا۔ اب شعور نے تمہارا ہاتھ تھام لیا ہے تو

ساری باتیں دھیرے دھیرے تمہاری سمجھ میں آنا شروع ہو جائیں گی۔ کبھی الفاظ میں بھی ایک دم انتہا پسندی کا مظاہرہ نہ کرو۔ یہ احتیاط زندگی بھر تمہارے کام آئے گی۔"

"میں آپ کا ممنون ہوں صاحب۔" سکندر نے ہتھیلیوں سے آنکھیں صاف کیں۔ "آپ نے مجھے یاسیت کے گڑھے میں گرنے سے بچا لیا۔"

"ارے نہیں۔" جعفری ہنسا۔ "تم ایک اچھے نوجوان ہو۔ تمہارے ماموں کے قتل میں اسے قتل ہی کہوں گا' کا بدلہ لینے کے لئے میں نے تمہارا ساتھ اسی لئے دیا کہ تمہارے بے گناہ ماموں کی روح کو سکون مل جائے اور تم بھی زندگی میں اس غم کے بوجھ تلے نہ دبے رہو کہ تم نے اپنے سب سے بڑے محسن کی موت پر لاچارگی' بے بسی اور کچھ نہ کر سکنے کے نوحوں کے سوا کچھ نہ کیا۔"

"یہ تو آپ کا وہ احسان ہے صاحب جس کے لئے میں زندگی بھر آپ کے پاؤں دھو دھو کر پیوں تو بھی کم ہے۔" سکندر نے ممنونیت سے جعفری کی جانب دیکھا۔ "اگر آپ میری طرف تعاون کا ہاتھ نہ بڑھاتے۔ مجھے موقع نہ فراہم کرتے تو میں واقعی زندگی بھر اذیت کے جہنم میں جلتا رہتا۔"

"اچھا بس۔" جعفری نے اسے مزید اظہار ممنونیت سے روک دیا۔ "مزید اس موضوع پر ایک لفظ نہیں۔ تم اب یہ کہو کہ مکان بیچ دینے کا پروگرام بدلا یا نہیں؟"

"نہیں صاحب۔" سکندر نے بدلے ہوئے لہجے میں کہا۔ "مکان تو مجھے بہرحال بیچنا ہے کیونکہ مجھے اب یہاں رہنا نہیں ہے۔ یہ چھوٹا سا پہاڑی گاؤں ہے۔ یہاں رہ کر میں اپنی حاصل کردہ تعلیم سے بھی کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔"

"پھر کہاں جاؤ گے؟" جعفری نے اسے پرسوچ نظروں سے دیکھا۔

"کہیں بھی--- کسی بڑے شہر میں جہاں میں آگے بڑھنے کا کوئی راستہ تلاش کر سکوں۔"

"سکندر--- تم نے اپنی تعلیم کیا بتائی تھی؟"

"بی اے فرسٹ ڈویژن صاحب۔"

"اگر تم کوئی ہلکی پھلکی نوکری کرنا چاہو تو اس سلسلے میں---"

"میں کچھ مدد کر سکتا ہوں۔" اچانک عابدی نے ان کو اپنے وہاں ہونے کا احساس دلایا۔

"ارے--- تم ابھی تک جاگ رہے ہو؟" جعفری نے حیرت سے اسے دیکھا۔ "میں تو سمجھ رہا تھا تم کب کے انٹاغفیل ہو چکے ہو۔"

"بھائی لوگو۔ تم چپ کرو گے تو کوئی سوئے گا ناں۔ کوؤں کی طرح کائیں کائیں کر رہے

ہو گھنٹہ بھر سے۔ایسے میں نیند کیا خاک آئے گی؟" عابدی نے ذرا سا اوپر کھسک کر بیڈ کے سرہانے سے ٹیک لگالی۔

"شاداشے---تو ہم کوے ہیں تمہارے لئے۔" جعفری نے اسے گھور کر دیکھا۔

"جس قسم کی سیانی باتیں تم دونوں کر رہے تھے اس سے تو یہ بات بغیر کسی شک کے کہی جا سکتی ہے کہ تم دونوں کوؤں کی کسی اعلیٰ نسل سے تعلق رکھتے ہو۔"

"اچھا بکومت۔" جعفری جھینپ گیا۔"تم سکندر کی نوکری کے بارے میں ٹانگ رہے تھے بلکہ گھمار ہے تھے۔"

"ہاں---" اس نے کمبل سے بازو باہر نکالے اور سینے پر ہاتھ باندھ لئے۔"میں سے کہہ کر اس کی نوکری کا بندوبست کرا سکتا ہوں۔"

"بینک میں؟" جعفری نے پوچھا۔

"نہیں بھئی۔بینک میں یہ زیادہ سے زیادہ کلرک لگ جائے گا۔وہاں نہیں۔صبا کے وومن کلب میں پچھلے دنوں ایک سیٹ خالی ہوئی ہے اسسٹنٹ مینجر کی۔شاید ابھی تک خالی ہی ہو۔خالی نہ بھی ہوئی تو اسے وہاں ایڈجسٹ کرایا جا سکتا ہے۔رہائش کا بندوبست اسے خود کرنا ہوگا۔وومن کلب میں بڑی بڑی بیگمات کے ساتھ عیاشی کرنا چاہے تو یہ بونس میں ہے۔نوکری بہر حال اچھی اور پرکشش تنخواہ کی حامل ہے۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہیں صاحب۔" سکندر 'عیاشی' کے لفظ پر شرما سا گیا۔"میں کیا ایسا لگتا ہوں آپ کو؟"

"تم ایسے نہیں ہو گے سکندر مگر ان الٹرا ماڈرن بیگمات اور صاحبزادیوں کو کون سمجھائے گا' بات جو تمہیں ایسا بنا لیں گی۔" عابدی اسے باقاعدہ گھس رہا تھا۔جعفری نے مزہ لینے کے لئے دخل نہ دیا اور سگار کے کش لگاتا رہا۔وہ ان دونوں کی اس گفتگو سے بھی کچھ اخذ کرنا چاہتا تھا۔

"صاحب' اگر کوئی آدمی برائی نہ کرنا چاہے تو دوسرا اسے زبردستی اس پر آمادہ نہیں کر سکتا نا!" سکندر بحث پر اتر آیا۔شاید اسے اپنے کردار کے بارے میں عابدی کے ریمارکس اچھے نہ لگے تھے۔

"یہ بات صرف عورت کے بارے میں کہی جا سکتی ہے اور سو فی صد درست بھی ہے کہ اگر عورت نہ چاہے تو اسے کوئی انگلی بھی نہیں لگا سکتا۔مرد کے بارے میں یہ بات ذرا اور طریقے سے کہنا پڑے گی۔"

"یعنی۔" سکندر نے اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

"مرد نہ بھی چاہے تو عورت اسے اپنی انگلی پر نچا سکتی ہے۔اس کا حسن' اس کی دولت اور اس کی مرضی---یہ تینوں الگ الگ بھی ہوں تو ایسے توبہ شکن ہتھیار ہیں جن کے آگے بڑے بڑے سورما' سکور ہو کر رہ جاتے ہیں۔"

"شاید آپ ٹھیک کہتے ہوں گے صاحب مگر میں اسے نہیں مانتا۔" سکندر نے نفی میں سر ہلایا۔

"مان جاؤ گے بچو۔مان جاؤ گے۔تم تو ویسے بھی منہ چت لگتے ہو۔جوان بھی ہو اور "ہینڈسم" کے زمرے میں بھی آتے ہو۔جب تم سوٹ بوٹ پہن کر وومن کلب میں قدم رنجہ فرماؤ گے تو تم پر ٹوٹ پڑنے والی جوانیاں اور بڑھاپے تمہیں کچھ سمجھ آنے ہی نہ دیں گے۔پھر جب تک تمہیں سمجھ آئے گی تمہاری مت ماری جا چکی ہوگی۔"

"صاحب آپ بھی کیا---" سکندر نے واقعتاً شرما کر منہ پھیر لیا اور سر جھٹک کر رہ گیا۔

"بس کرو عابدی۔" جعفری کو سکندر پر ترس آ گیا۔"یہ وومن کلب میں نوکری نہیں کرے گا۔"

"ویسے میرا جی چاہتا ہے صاحب۔میں عابدی صاحب کے دعوے کو غلط کرنے کے لئے وہاں نوکری ضرور کروں۔" اچانک سکندر بول اٹھا۔

"نہیں سکندر۔" جعفری نے تنبیہہ کرنے کے انداز میں اس کی طرف دیکھا۔"کبھی ایسے سانپ کے بل میں ہاتھ مت ڈالو جس کے زہر کا تمہیں اندازہ نہیں ہے۔بعض اوقات تریاق بھی نہیں مل پاتا اور انسان جھاگ چھوڑ دیتا ہے۔تمہیں نہ وہاں کے ماحول کا اندازہ ہے نہ تم اس کلاس کی عورتوں کے بارے میں کچھ جانتے ہو۔وہاں سب شکاری ہی نہیں آتیں' بڑے بڑے ٹھوس کردار کی حامل خواتین بھی آتی ہیں مگر تم ایسے امتحان میں پڑو ہی کیوں' جس کے سوالنامے میں سب سے اوپر یہ لکھا ہے کہ "Answer Sheet" کے طور پر اپنا بے داغ کردار استعمال کیجئے۔میں تو کم از کم تمہیں ایسا مشورہ ہرگز نہیں دوں گا کہ تم ایسی کسی جگہ پر نوکری کرو۔"

"اگر آپ راضی نہیں ہیں صاحب تو میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔" سکندر نے بڑے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔

"ارے---" عابدی نے بے پناہ حیرت سے کہا۔"رن مرید تو سنا تھا یہ صاحب مرید میں نے آج ہی دیکھا ہے۔یعنی اس بے دال کے بودم کے کہنے پر تم نے پرستان کی نوکری ٹھکرا دی اور وہ بھی ملنے سے پہلے۔"

"یہ بات نہیں ہے صاحب۔" سکندر نے مسکرا کر عابدی کی طرف دیکھا۔"میں آپ کی

طبیعت کو سمجھ گیا ہوں- آپ اندر سے بہت اچھے ہیں- مذاق مذاق میں آپ کڑوی سے کڑوی حقیقت بیان کر جاتے ہیں اور ذمے داری بھی نہیں لیتے- آپ نے ساری صورتحال بتا کر فیصلہ مجھ پر چھوڑ دینے کا جو کھیل کھیلا' میں اس کے چکر میں آ گیا تھا مگر صاحب نے بروقت مجھے آگاہ کر دیا- میں واقعی وہاں نوکری کر کے خسارے میں رہوں گا- اور رہی بات صاحب مریدی کی تو میں آخری بار کہہ رہا ہوں' آج کے بعد میں اس بات کو کبھی نہیں دہراؤں گا بلکہ اپنے قول و فعل سے ثابت کروں گا کہ صاحب کی ہر بات میرے لئے حکم کا درجہ رکھتی ہے- میں اس کی تعمیل میں جان بھی دے سکتا ہوں-''

''اور اس کی وجہ وہی ہے تمہارے ماموں کے انتقام میں معاونت والی-'' عابدی نے وضاحت چاہی-

''جی ہاں- بالکل-'' سکندر نے تائید کی مہر ثبت کر دی-

''تو پھر ٹھیک ہے- یہ تمہیں چڑیا گھر میں ٹکٹ بیچنے پر رکھوا دے گا- اس کی سب سے زیادہ واقفیت وہیں ہے- میں نے تو چاہا تھا تمہیں کسی اچھی جگہ نوکر کرا دوں مگر---''

''بکواس مت کرو-'' جعفری نے سگار منہ سے ہٹا کر کھانستے ہوئے کہا- اسے بے اختیار ہنسی آ گئی اور دھواں حلق کو جا لگا تھا-

''چلو- اب یہ کھانسی بھی میرے کھاتے میں ڈال دو- چل بھئی عابدی سو جا' ورنہ یہ ابھی کوئی اور الزام دے کر تجھے کمرے سے بھی نہ نکال دے-'' غڑاپ سے عابدی نیچے کو کھسکا اور کمبل میں گم ہو گیا- ساتھ ہی اس نے کروٹ لے لی-

چند لمحوں بعد جعفری کو غوطے سے نجات ملی- اس نے بھر آنے والی آنکھیں رومال سے خشک کیں- ''بہت بدتمیز ہے یہ-'' وہ اب بھی ہنسی روکنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا-

''میں جاگ رہا ہوں بڑے بھائی!'' عابدی نے کمبل کے اندر سے رخ دوسری طرف کئے کئے آواز لگائی-

''چھوڑو اسے سکندر-'' جعفری نے ہنسی ضبط کرنے کی کوشش کی- ''راولپنڈی چل کر دیکھیں گے تمہارے لئے کیا کیا جا سکتا ہے-''

''تو کیا میں آپ کے ساتھ ہی چلوں صاحب؟'' بے تابی سے سکندر نے پوچھا-

''ساتھ کیسے جا سکتے ہو یار-'' عابدی اٹھ بیٹھا- ''وہ مکان کیا تمہارے ابا جان آ کر فروخت کریں گے؟''

''عابدی!'' جعفری نے آنکھیں نکالیں-

''او کے باس-'' وہ پھر کمبل میں غائب ہو گیا-

''میں اگر ہفتہ دس دن ٹھہر کر آ جاؤں صاحب-'' سکندر نے امید بھری نظروں سے جعفری کی طرف دیکھا-

''یہ اور بھی اچھا ہے- تم مکان ڈسپوز آف کر کے آ جانا- اتنے میں تمہاری نوکری کا بھی کچھ نہ کچھ ہو جائے گا-''

''شکریہ صاحب- آپ کا بہت بہت شکریہ!'' سکندر بچوں کی طرح خوش ہو گیا-

''گاؤں کا مکھن ہوتا خالص ہے- یہ آج سے پہلے سنا تھا آج ثابت بھی ہو گیا-'' عابدی پھر بولا-

سکندر نے جھینپ کر اس کی طرف دیکھا- پھر جعفری کو کمبل ٹھیک کرتے دیکھ کر اٹھ گیا- ''اچھا صاحب- صبح کس وقت اٹھا دوں آپ کو؟'' وہ جاتے جاتے رکا-

''ابے سوئیں گے تو اٹھائے گا ناں-'' عابدی تڑپا-

''تم جاؤ سکندر- ہم خود ہی اٹھ جائیں گے- یہ سکور باز نہیں آئے گا-'' جعفری نے ہنس کر کہا اور سکندر سلام کر کے باہر نکل گیا-

اس کے جاتے ہی عابدی نے رخ جعفری کی طرف پھیرا- کمبل گردن سے ہٹایا اور اسے گھورنے لگا-

''کیا کھا جانے کا ارادہ ہے؟'' جعفری نے اپنے بستر پر اس کی طرف کروٹ لے کر کہا-

''یہ تم پر ہمدردی کا دورہ اس شدت سے کیوں پڑتا ہے؟'' وہ نوکیلی زبان میں بولا-

''کیا مطلب؟''

''مطلب تم خوب سمجھ رہے ہو گرائپ واٹر بے بی- کیا ضرورت ہے اس دیہاتی کو اس قدر سر چڑھانے کی- اس کا کام تھا جو سارے گاؤں والوں کی بھلائی کی آڑ میں ہو گیا- ہم نے اپنی زندگی خطرے میں ڈال کر اس درندے کو مار ڈالا- اب اسے ساتھ ساتھ گود میں اٹھائے پھرنے سے مطلب؟''

''نہیں عابدی' تم غلط سمجھ رہے ہو-'' جعفری نے وضاحت کرنا چاہی- ''سکندر ایک اچھا اور سلجھا ہوا لڑکا ہے- دیہاتی ہونا کوئی عیب نہیں- میں خود بنیادی طور پر گاؤں کا رہنے والا ہوں- اگر دنیا میں اکیلا رہ جانے والے اس مایوس نوجوان کے میں کچھ کام آ سکوں تو اس میں کیا حرج ہے؟''

''مجھے وہ ایک آنکھ نہیں بھاتا-'' عابدی نے سرد لہجے میں کہا- ''اس کی وجہ سے میری

ریسرچ کا ایک سنہری پوائنٹ موت کی آغوش میں چلا گیا-"

"یہاں تم غلط ہو عابدی-" جعفری نے سنبھل کر کہا-"ہم وہاں سے قطعاً یہ ارادہ کر کے نہیں چلے تھے کہ ہم اس آدم خور چیتے کو زندہ پکڑیں گے-"

"وہ ابھی آدم خور نہیں ہوا تھا-" عابدی نے تڑ سے کہا-

"تو کیا اس کے آدم خور ہونے کا انتظار کرنا چاہیے تھا ہمیں-اس نے سکندر کے ماموں کو مار ڈالا- انسانی خون چکھ لیا- اب اور کیا باقی رہ جاتا ہے- فرض کرو ہم اسے زندہ پکڑ بھی لیتے تو اسے کیسے لے جاتے؟ کہاں رکھتے؟ اور کیوں رکھتے؟ کیا صرف تمہاری بے بنیاد ریسرچ کی تکمیل کے لئے-"

"دیکھو جعفری-" عابدی چڑ گیا-"تم میری ریسرچ کو بے بنیاد اور بے پر کی مت کہا کرو- ایک دن آئے گا-"

"میں اس دن کے آنے سے پہلے مر جانا پسند کروں گا-" جعفری نے جل کر کہا-

"تو مرو- میں بھی نیند کا زہر کھانے جا رہا ہوں-" عابدی نے کمبل سر پر کھینچ لیا---"کیسا بے ایمان دوست ہے- ایک پل کو دوستی کا خیال نہیں کیا اور اس بے چارے بے زبان پر گولی چلا دی- الٹا مجھ سے بھی چلوا دی-" وہ بڑبڑائے جا رہا تھا اور جعفری کے ماتھے کی شکنیں غائب ہوتی جا رہی تھیں- پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھر آئی-

وہ جانتا تھا کہ عابدی کو زندگی میں اپنی ریسرچ کس قدر پیاری ہے- پیاری نہ ہوتی تو وہ اپنی محبوب بیوی کو کبھی خود سے جدا نہ کرتا مگر جعفری کس طرح اس کی بات مان کر اس چیتے کو زندہ پکڑنے پر آمادہ ہو جاتا جس کی ہر ہر حرکت اسے یقین دلا رہی تھی کہ اس درندے کے بدن میں چودھویں کے چاند کا زہر خون بن کر دوڑ رہا ہے- وہ چاند کے سحر کا قیدی ہے- اس کا وہم اندیشوں کا لبادہ اوڑھے سامنے آ کھڑا ہوا تھا اور مائرہ کا خیال آتے ہی اس نے ٹریگر پر انگلی کا دباؤ بڑھا دیا تھا-

O

جعفری کی واپسی پر مائرہ بچوں کی طرح کھل اٹھی- وہ ان تین چار دنوں ہی میں مرجھا کر رہ گئی تھی- جعفری سے لپٹ کر وہ کتنی ہی دیر خاموش کھڑی رہی- جعفری پیار سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتا رہا- عابدی سمجھ رہا تھا کہ دونوں باپ بیٹی ایک دوسرے کے لئے کس محبت کے شاہکار ہیں- کافی دیر بعد جب مائرہ باپ کے سینے سے الگ ہوئی تو اس نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا "ہاؤ آر یو ینگ لیڈی؟"

"فائن انکل-" وہ ہنسی اور عابدی کا ہاتھ تھام کر گرمجوشی سے ہلایا- اسی وقت شاہینہ اور بابا آ گئے- وہ تینوں ان کو سامان اندر لانے کا کہہ کر آگے بڑھ گئے جب وہ گھر پہنچے تو سہ پہر کے تین بج رہے تھے- سردیوں کی شام تیزی سے بھاگی چلی آ رہی تھی- فریش ہو کر عابدی اور جعفری جب ڈرائنگ روم میں پہنچے تو شاہینہ نے بے حد پرتکلف سبز چائے میز پر سجا دی- ہلکی پھلکی بھوک چائے کے ساتھ سجے خشک میوہ جات اور فروٹ کیک کو دیکھ کر چمک اٹھی- مائرہ عابدی کو لمبے لمبے ہاتھ مارتے دیکھ کر ہنستی رہی- چھوٹے چھوٹے فقرے کستی رہی مگر وہ کسی بات پر دھیان دیئے بغیر اپنے کام میں مگن رہا-

"پاپا- شکار کیسا رہا؟" پہلی بار مائرہ نے وہ موضوع چھیڑا جو اسے آتے ہی ڈسکس کرنا چاہیے تھا-

"بہت اچھا بیٹی-" جعفری نے خالی کپ میز پر رکھا-"تمہاری توقع اور قیاس سے بھی زیادہ اچھا-"

"وہ کیسے پاپا؟" وہ اچنبھے سے بولی-

"وہاں ایک کے بجائے دو چیتے مل گئے-" جعفری نے بتایا-

"سچ!" مائرہ کی آنکھیں شوق سے پھیل گئیں-

"ہاں---اور ہم نے دونوں کو مار گرایا-"

"جوڑا تھا بے چارہ-" عابدی نے مسمسی صورت بنا کر کہا-

"عابدی--- بکواس نہیں-" جعفری نے اسے آنکھ سے اشارہ کیا-"کوئی فضول بات

نہیں۔"

"یار' جوڑا ہونا فضول بات ہے کیا؟" عابدی نے بات گول کر دی۔ اس کے انداز پر مائرہ اور شاہینہ کے ساتھ ساتھ جعفری کی بھی ہنسی نکل گئی۔

"اچھا پاپا۔۔۔ کیا واقعی وہ جوڑا تھا؟"

"ہاں بیٹی۔ بڑا نادر جوڑا تھا مگر ہم اسے مارنے پر مجبور تھے۔ نر کے منہ کو انسانی خون لگ چکا تھا۔"

عابدی نے کچھ کہنے کو منہ کھولا مگر جعفری کے تیور دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ کھلا منہ بند کرنے کے لئے اس نے کیک پیس اٹھایا اور منہ میں سالم ہی ڈال لیا۔

"انکل۔" شاہینہ نے برتن سمیٹتے ہوئے کہا۔ "میرے آنے تک شکار کی کوئی بات نہ سنایئے گا۔ میں ابھی برتن رکھ کر آ رہی ہوں۔"

"ارے۔۔۔" عابدی نے ماتھا پیٹ لیا۔ "اب اس گھر کے چھوٹے بڑے سبھی شکاری ہونے لگے۔" اس نے ملازم کا لفظ استعمال کرنے سے دانستہ گریز کیا۔

"انکل۔" شاہینہ نے عابدی کی جانب دیکھا۔ "آپ نے کبھی کرکٹ گراؤنڈ میں میچ دیکھا ہے؟"

"بہت بار۔ کیوں؟" عابدی نے اسے گھور کر دیکھا۔

"اس کے بعد کوئی کرکٹ میچ آپ نے کبھی ٹی وی پر بھی دیکھا ہے؟"

"بھئی درجنوں بار دیکھا ہے مگر تم کہنا کیا چاہتی ہو؟" عابدی کچھ بھی نہ سمجھا۔

"پہلے آپ یہ بتایئے کہ گراؤنڈ میں کرکٹ میچ دیکھنا زیادہ لطف دیتا ہے یا ٹی وی پر؟"

"ٹی وی پر۔" عابدی نے بے اختیار جواب دیا۔

"کیوں؟" شاہینہ نے تیزی سے پوچھا۔

"بھئی اس لئے کہ۔" عابدی نے سر کھجایا۔ "ٹی وی پر ہر اینگل صاف اور واضح دکھائی دیتا ہے۔ باؤلر نے گیند کیسے کرائی؟ بیٹسمین نے کیسے کھیلا؟ آؤٹ تھا یا نہیں؟۔۔۔ غرضیکہ ہر شے شک و شبے سے بالاتر ہو کر نکھر کر سامنے آ جاتی ہے۔ پھر آج کل کمپیوٹر کا دور ہے۔ تھرڈ ایمپائر ہی کمپیوٹر کو بنا دیا گیا ہے۔"

"یعنی باریک سے باریک تفصیل بھی سامنے آ جاتی ہے۔"

"ہاں۔" عابدی نے شاہینہ کی بات کی تائید کی۔ "اور یہی مزے اور لطف کو دوبالا کرنے والی اصل شے ہے!"

"تو بس اسی لئے میں انکل کی زبانی شکار کی کہانی سننا چاہتی ہوں۔ ایک ایک تفصیل مزے لے کر تصور کی آنکھ سے دیکھنا چاہتی ہوں۔ یوں سمجھ لیں میں کرکٹ میچ کی جگہ شکار ٹی وی پر دیکھنا چاہتی ہوں۔"

اس نے برتنوں کا ٹرے اٹھایا۔ عابدی منہ کھولے اسے دیکھتا رہ گیا اور وہ تھپ تھپ کرتی کمرے سے نکل گئی۔ مائرہ منہ پر ہاتھ رکھے ہنسے جا رہی تھی۔

"اب ہو گئی تسلی۔" جعفری نے اسے چھیڑا۔ "ہر ایک سے پنگا لینے کی عادت ہو گئی ہے تمہیں۔ اب خوش۔۔۔"

"یار تمہارے تو ملازم بھی تھری ناٹ تھری کی گولی ہیں۔" عابدی نے بے چارگی سے کہا۔

"احتیاط بچے احتیاط۔" جعفری نے اسے ٹوکا۔ "شاہینہ کو میں نے کبھی ملازم نہیں سمجھا۔ وہ میرے گاؤں کی بیٹی ہے۔ میری بھی بیٹی ہے۔ اس کا بوڑھا باپ اسے ملازمہ سمجھ کر نہیں میری بیٹی سمجھ کر یہاں چھوڑ گیا ہوا ہے۔"

"اچھا اچھا۔" عابدی نے مصنوعی غصے سے کہا۔ "کسی وقت چپ بھی بیٹھا کرو۔ ہر وقت نصیحتیں کرنے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے تم نے۔"

"جی انکل۔" اسی وقت شاہینہ کمرے میں داخل ہوئی۔ "آپ نے کوئی بات سنائی تو نہیں ناں!"

"ارے نہیں شاہینہ۔" جعفری ہنس پڑا۔ "تمہارے سنے بغیر مجھے سنانے میں کیا لطف آتا مگر ایک درخواست ہے۔"

"آپ حکم کریں۔" شاہینہ نے روا روی میں کہا اور خود ہی جھینپ گئی۔

"اگر یہ سننے سنانے کا پروگرام رات پر رکھیں تو۔۔۔"

"کوئی حرج نہیں۔ یہ زیادہ اچھا ہے۔ میں بھی کام وام سے فارغ ہو چکی ہوں گی۔"

"تو ٹھیک ہے۔ رات کے کھانے کے بعد مائرہ کے کمرے میں محفل جمے گی۔"

"ٹھیک ہے انکل۔" شاہینہ نے سر ہلایا۔

"تب تک کیا پروگرام ہے؟" عابدی نے جعفری کی جانب دیکھا۔

"میں ذرا کمر سیدھی کرنا چاہتا ہوں۔ تم نے تو واپسی پر ایک سیکنڈ کے لئے سٹیئرنگ کو ہاتھ نہیں لگایا ست الوجود۔"

"اچھا اچھا۔" عابدی نے خود پر بات آتے دیکھی تو اٹھ گیا۔ "میں بھی ذرا اپنی یادداشتیں مرقوم کر لوں۔" اس نے اردو کو خاصا گاڑھا کر ڈالا۔

"کیا کرلیں صاحب جی۔" شاہینہ نے اسے پاس سے گزرتے پاکر پوچھ لیا۔

"مرقوم کرلوں۔" عابدی نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

"یہ کیا ہوتا ہے۔جی!" وہ بھولپن سے بولی۔

"یہ مرحوم کا بھائی ہے۔دونوں کو جدا ہوئے دس پندرہ صدیاں ہوگئیں ہیں۔اور کچھ۔"

"نہیں جی۔" شاہینہ نے یوں سر ہلا کر کہا جیسے پوری طرح بات اس کی سمجھ میں آگئی ہو۔"پھر مشروم ان کی بہن ہوگی۔"

"ٹھہر جاؤ۔" عابدی نے اس کی طرف ہاتھ اٹھایا۔شاہینہ ہنستی ہوئی اچھل کر ایک طرف ہو گئی اور عابدی تیر کی طرح دروازے سے نکل گیا۔

"شاہینہ۔۔۔کسی دن انکل سے مار کھاؤ گی تو!" مائرہ نے حیرت سے پوچھا۔

"میں جانتی ہوں وہ سب جھوٹ موٹ کرتے ہیں۔" وہ مسکرائی۔

"پوری بلی ہو تم۔" جعفری کی ہنسی نکل گئی۔"چالاک اور بظاہر معصوم۔"

"یہ بظاہر کیا ہوا انکل۔" وہ منہ بنا کر بولی۔

"اچھا بھئی حقیقتاً۔اب خوش۔"

اور مسکراتی اٹھلاتی شاہینہ کمرے سے نکل گئی۔اس کا رخ کچن کی طرف تھا۔اب وہ کسی کو کیا بتاتی کہ وہ شکار کا قصہ کیوں سننا چاہتی تھی؟ اس قصے میں اس کے سکندر کا ذکر آنا تھا۔اس کا نام آنا تھا۔اسے اس کے نام اور ذکر کا لطف لینا تھا۔اس کی یاد کی چبھن اب اس سے برداشت نہ ہو پا رہی تھی۔وہ جعفری سے پوچھنا چاہتی تھی کہ سکندر ان کے ساتھ کیوں نہیں آیا؟ آئے گا بھی یا نہیں؟ اس نے وہاں شکار میں ان کے ساتھ حصہ لیا یا نہیں؟ وہ اسے جب چھوڑ کر آئے تو وہ کیسا تھا؟ درجنوں سوال تھے جو اس کی بے تابی میں اضافہ کرنے کا بیڑہ اٹھائے ہوئے تھے مگر۔۔۔یہ سب سوال خودرو پودوں کی طرح اس کے ذہن کی زرخیز زمین میں اگتے، بڑھتے اور سر نیہوڑا کر رہ جاتے۔ان کا جواب وہ جس سے پوچھنا چاہتی تھی وہ اس کے لئے باپ سے بڑھ کر تھا۔وہ کیسے بے شرموں کی طرح اس کے سامنے زبان کھولتی اور اگر وہ اس سے پوچھ لیتا کہ اس کا سکندر سے کیا تعلق؟ وہ کیوں اس کے بارے میں پوچھ رہی ہے تو وہ اس کا کیا جواب دیتی!

کچن میں برتن دھوتے ہوئے اس کے خیالوں کا محور سکندر ہی رہا۔جس دن سے وہ گیا تھا شاہینہ نے اس کی یادوں کے سہارے راتوں کو خواب بھی دیکھے اور رت جگے بھی کاٹے تھے۔دن کو اونگھیں بھی لی تھیں اور کام بھی الٹے سیدھے کر ڈالے تھے۔اس عجیب سے جذبے کی بہار نے اسے اندر باہر سے گلشن کر ڈالا تھا جس پر سکندر کی یادوں کی تتلیاں اڑتی پھرتی تھیں۔ان رنگ برنگ

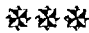
ؤں کا ہر انداز اسے "سکندر سکندر" کی صدا سناتا تھا۔

برتن اپنی اپنی جگہ سجا کر اس نے ہاتھ منہ دھویا۔سر کے بالوں میں کنگھی کی اور باہر نکل آئی۔ رخ مائرہ کے کمرے کی طرف تھا۔مائرہ بستر پر نیم دراز ٹی وی دیکھ رہی تھی۔اسے کمرے میں یکھ کر وہ مسکرائی۔

"آؤ بی مانو۔"

جواب میں شاہینہ نے بھی مسکرا کر دیکھا۔وہ دونوں ہم عمر تھیں اور سہیلیاں بھی۔مائرہ نے ں باپ کی طرح اسے کبھی ملازمہ نہ سمجھا تھا۔

"بیٹھو۔تمہاری پسند کا ڈرامہ چل رہا ہے۔" اس نے اپنے پاس ہی اس کے لئے جگہ بنا وہ آلتی پالتی مار کر بستر پر بیٹھ گئی اور پائنتی پڑا کمبل اٹھا کر اپنے گرد لپیٹ لیا۔



جعفری بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں شکار کا قصہ بیان کر رہا تھا۔مائرہ اور شاہینہ بستر پر نرم م از کمبل میں ملفوف تھیں۔عابدی اس کے سامنے صوفے پر بیٹھا سگریٹ کے کش لگا رہا تھا اور فری سگار ہاتھ میں تھامے بول رہا تھا۔سگار کب کا بجھ چکا تھا۔سب لوگ اس کے ساحرانہ ان میں کھوئے ہوئے تھے۔

"پھر یوں ہوا کہ جونہی میری دوسری گولی چیتے کی گردن میں اتری، سکندر نے زوردار چیخ ے ساتھ ایک دم نیچے چھلانگ لگا دی۔"

شاہینہ سکندر کے نام پر ذرا سا چونکی۔پھر اس نے اپنی کیفیت کو چھپا لیا جبکہ مائرہ بڑی دلچسپی سن رہی تھی۔

"میرے منع کرنے کے باوجود جب وہ نیچے کود پڑا تو میں نے اسے زور سے آواز دی مگر وہ ی آواز پر دھیان دیئے بغیر چیختا ہوا آگے بڑھا اور زخمی چیتے پر جھپٹ پڑا۔اس کے چیتے کے پہنچنے سے پہلے عابدی نے دو گولیاں چیتے کے پیٹ میں داغ دیں۔وہ بری طرح زخمی ہو یا۔اس حالت میں وہ پہلے سے کئی گنا خطرناک ہو چکا تھا۔کیونکہ جب حیوان کو یہ یقین ہو جائے اس کی موت قریب ہے تو وہ اپنی ساری قوتیں جمع کر کے مدمقابل پر ٹوٹ پڑتا ہے۔اسی شے کے پیش نظر میں نے سکندر کو آوازیں دیں۔اسے روکنا چاہا مگر وہ دیوانوں کی طرح لپکا اور ں کے سینے پر سوار ہو گیا۔پھر اس نے اپنا خنجر بلند کیا اور کھچا کھچ چیتے پر وار کرنے لگا۔چیتے نے

اس پر جوابی وار کے لئے پنجہ اٹھایا مگر تب تک اس کی طاقت آخری دموں پر آ چکی تھی- وہ کوشش کے باوجود سکندر پر حملہ نہ کر سکا اور دم توڑ دیا- سکندر بھی اپنی دیوانگی کے ہاتھوں تب تک بے ہو چکا تھا- خوف اور اپنے پاگل پن کی انتہا کے ہاتھوں وہ بے بس ہو کر بے حس و حرکت ہو گیا-

''کیا--- کیا وہ---'' شاہینہ نے ہکلا کر پوچھنا چاہا-

''نہیں- وہ مرا نہیں' بے ہوش ہو گیا-'' جعفری نے اس کی تسلی کی اور بے اختیار اس کا ہوا سانس آزاد ہو گیا-

مائرہ اس کی حالت پر مسکرا دی- اس کا خیال تھا کہ شاہینہ ان لمحات کی دہشت سے متاثر گئی ہے- اسے کیا معلوم کہ سکندر کے بارے میں کوئی بری بات سوچنے کے تصور ہی نے شاہینہ کا سانس روک دیا تھا-

''میں اور عابدی دونوں درخت سے کود پڑے- عابدی نے مادہ کو دیکھا جو پہلے ہی دم توڑ چکی تھی- گولی نے اس کی کھوپڑی کے پرخچے اڑا دیئے تھے- میں نے تیزی سے آگے بڑھ کر سکندر کو چیتے کے اوپر سے کھینچ کر پرے ہٹایا- چیتا تب تک آخری ہچکی لے چکا تھا- پھر سکندر کو ہوش میں لانے میں کچھ دیر گزر گئی- وہ ہوش میں آیا تو کتنی ہی دیر ہم سب کو اجنبی نگاہوں سے گھورتا رہا- اس کی آنکھوں میں ایک عجیب وحشت انگیز چمک لہرا رہی تھی- شاید اس کے جذبوں نے اسے جس پاگل پن پر آمادہ کیا تھا وہ ابھی تک اس کے دماغ اور لاشعور میں دہک رہے تھے- لگتا تھا کسی نے اس کی آنکھوں میں کرنٹ چھوڑ دیا ہے- اس سے آنکھیں ملانا دشوار ہو رہا تھا- اندھیرے میں بلی کی طرح چمکتی اس کی آنکھیں دہشت پیدا کر رہی تھیں- میں جانتا تھا یہ کیفیت عارضی ہے- ابھی جب وہ ہم لوگوں اور ماحول سے آشنا ہو گا تو اس کی ساری وحشت ختم ہو جائے گی مگر پھر بھی ان چند لمحوں کو میں ساری زندگی نہیں بھول سکتا جن کے دوران میں اس کی درندگی' حیوانات اور کے شعلوں میں جلتی آنکھوں کا ہدف رہا-''

''پھر--- پھر کیا ہوا انکل-'' شاہینہ نے اسے خاموش ہوتے دیکھ کر جلدی سے پوچھا-

''پھر---'' جعفری نے سگار کا کونہ کھرچ کر دوبارہ اسے شعلہ دکھایا- دو تین گہرے کش لئے اور دوبارہ گویا ہوا- ''پھر وہی ہوا جو میرا اندازہ تھا- یعنی چند لمحوں بعد وہ نارمل ہو گیا- اس کی ساری درندگی اس کی آنکھوں سے رخصت ہو گئی اور دھیرے دھیرے وہ ہوش میں آ گیا-''

''اس بات کا تم نے مجھ سے تذکرہ نہیں کیا جعفری!'' عابدی نے اس کی طرف بڑی گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا-

''مجھے ابھی ابھی پوری طرح اس بات کا خیال آیا ہے- اس وقت ہم افراتفری میں تھے ا

ں نے اسے قابل اعتنا نہ سمجھا مگر اب مجھے پوری طرح سکندر کی وہ کیفیت یاد آ رہی ہے جسے میں تفصیل سے بیان کر دیا-''

''ہوں---'' عابدی کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا- اس کے ذہن میں جعفری کے الفاظ گداؤں کی طرح چکرا رہے تھے-

''پھر کیا ہوا انکل-'' شاہینہ نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا-

''پھر کیا ہونا تھا شاہینہ-'' جعفری نے سگار کا گل جھاڑا- ''ہم نے دونوں چیتوں کی کھالیں اتاریں- سکندر نے انہیں چشمے کے پانی میں دھویا- کھالیں اٹھائیں اور ہم ریسٹ ہاؤس لوٹ آئے-'' اس نے بات ختم کر دی-

''مگر وہ کھالیں کہاں ہیں پاپا؟ جیپ کے سامان میں تو وہ نہیں نکلیں-'' مائرہ نے جعفری سے پوچھا-

''وہ میں نے درانی اور سلامت کو گفٹ کر دیں بیٹی-''

''پاپا-'' وہ گلے کے انداز میں بولی- ''یہ آپ نے کیا کیا؟ آپ نے اپنا شکار ان کے حوالے کیوں کر دیا- میں وہ کھالیں یہاں اپنے کمرے میں لگاتی-''

''ارے چھوڑو بیٹا-'' جعفری نے بات ٹالی- ''وہ بے چارے پورے شکار کے دوران کچھ بھی نہ کر پائے میں نے ان کی دلجوئی کی خاطر کھالیں دونوں میں بانٹ دیں کیا فرق پڑتا ہے-''

''اس کا مطلب ہے انکل- سکندر ایک بہادر آدمی ہے-'' شاہینہ نے اچانک بات کا رخ بدل دیا-

''ہاں-'' جعفری نے اعتراف کیا- ''وہ بزدل نہیں ہے- بے شک اس نے اپنے ماموں کے انتقام کے جذبے کے تحت ہی یہ سب کیا تاہم یہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے- بڑے بڑوں کا پتہ پانی ہو جاتا ہے ایسے موقعوں پر- پھر اس کے ہاتھ میں محض ایک خنجر تھا جو اگر اس کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا یا اس کا وار اوچھا پڑ جاتا یا عابدی کی گولیاں چیتے کو اتنا نقصان نہ پہنچا پاتیں کہ وہ موت کی باہوں میں ہلکورے لینے لگتا' تب کیا ہوتا--- اس میں سکندر کی جان بھی جا سکتی تھی- لیکن اس نے ہر خدشے کو ایک طرف پھینکا اور چیتے پر ٹوٹ پڑا-''

شاہینہ کے لبوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ ابھری اور معدوم ہو گئی- اس کی مسکراہٹ میں صاف جھلک رہا تھا کہ جیسے یہ تعریف سکندر کی نہیں خود شاہینہ کی ہو رہی ہو- اسے اپنی پسند پر ناز ہو رہا تھا- عابدی جو کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا بے خیالی میں شاہینہ ہی کی طرف دیکھ رہا تھا- اس کے

لاشعور نے اس کے شعور پر تھپکی دی اور شاہینہ کی مسکراہٹ نے اس کی تھپکی کو وصول کرلیا- دونوں کی نگاہیں ملیں- شاہینہ کے ہونٹ سکڑ گئے- عابدی کا ذہن پھیل گیا- اس نے ایک لمحے میں صورت حال کا عطر کشید کرلیا- اندر سے وہ لرز گیا- شاہینہ کی مسکراہٹ میں سکندر کا نام تیر رہا تھا-

شاہینہ نے بے اختیار اس سے نظریں چرالیں- عابدی سنبھل گیا- پھر اس نے جیسے کوئی فیصلہ کرلیا-

''ویسے مائرہ- تمہارا باپ ہے بڑا حاتم طائی-'' وہ ایک دم بولا تو مائرہ چونک کر عابدی کی طرف متوجہ ہوئی- شاہینہ نے بھی اس کے چہرے پر نظریں جمادیں- جعفری نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا- ''یہ ہر کسی کی آگ میں کود جانے کو خواہ مخواہ تیار ہو جاتا ہے-''

''میں سمجھی نہیں انکل- آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں؟''

''سکندر صاحب کو یہاں آنے کی دعوت دے آئے ہیں جناب!'' عابدی نے طنز سے کہا- شاہینہ کے چہرے پر شفق سی لہرائی-

''تو اس میں برا کیا ہے؟'' جعفری نے اس کے اگلے وار سے پہلے ہی ہاتھ اٹھا دیئے-

''کس سلسلے میں بلایا ہے اسے یہاں-'' مائرہ نے دھڑکتے دل سے پوچھا-

''اسے نوکری دلوائی جائے گی- بے چارہ دنیا بھر میں اکیلا ہو گیا ہے ناں!'' عابدی نے اسی لہجے میں کہا-

''نوکری؟'' مائرہ نے خوشگوار حیرت کے ساتھ دہرایا-

''ارے بیٹی- تم اس کی فضول بکواس پر نہ جاؤ- وہ بے چارہ بہت ڈپریس ہو رہا تھا- میں نے سوچا اسے یہاں کوئی چھوٹی موٹی نوکری دلوا دی جائے تاکہ اس کا پریشان ذہن انتشار سے محفوظ ہو جائے-'' جعفری نے وضاحت کی-

''اس کا مطلب ہے تم کام کی بکواس کرتے ہو-'' عابدی نے پھر ٹانگ اڑائی-

''اب بس بھی کرو یار-'' جعفری نے ہاتھ جوڑ دیئے-

''چلو جاؤ-'' عابدی نے ہاتھ ہوا میں لہرایا- ''تم بھی کیا یاد کرو گے کس رئیس سے پالا پڑا تھا-''

''تم خود کو شہنشاہ بھی منوالو تو میں تیار ہوں میرے بھائی مگر اب تم میری کلاس لینا بند کر دو-''

''بند کر دیا-'' عابدی نے عجب شان بے نیازی سے کہا-

مائرہ اور شاہینہ کی ہنسی چھوٹ گئی- مائرہ کی طرف تو عابدی نے سرسری نگاہ کی مگر شاہینہ کی

اہٹ نے اسے پھر حصار میں لے لیا- وہ سکندر کی آمد کے تذکرے پر پھول کی طرح کھل گئی تھی- پھر اس کی ذہنی رو بہکی تو اور طرف ہی چل نکلی- ایک خیال اس کے مضطرب دماغ میں داخل ہوا، ہاتھ پاؤں پسار کر لمبا لمبا لیٹ گیا- اس نے ذرا دیر اس پر توجہ دی پھر اثبات میں سر ہلا دیا-

''اب کیا شیطان سے باتیں کر کے خوش ہو رہے ہو؟'' جعفری نے اسے بے خیالی میں سر ہلاتے دیکھ کر چوٹ کی-

''آں-'' عابدی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا- ''نہیں--- تم سے تو میں کوئی بات نہیں کر رہا-'' اس نے بات کی دم تھام کر زبان چلائی-

''ہت تیرے کی-'' جعفری جھینپ گیا- ''تم سے تو خواب میں بھی سنبھل کر بات کرنا چاہیے-''

جواب میں عابدی نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا- اسی وقت شاہینہ نے بستر چھوڑ دیا-

''انکل- میں تو سونے جا رہی ہوں-'' اس نے مصنوعی جمائی لی-

''ویسے گفتگو اتنی بھی بور نہیں ہو رہی شاہینہ بی بی کہ تمہیں نیند آ جائے-'' عابدی نے اسے گہری نظروں سے دیکھا-

''جی وہ-'' شاہینہ گڑبڑا گئی-

''اب بس کر دو یار- میرا پیچھا چھوڑا نہیں اور تم نے بچی کو نشانے پہ رکھ لیا-'' جعفری نے بچی کی جان چھڑا دی- وہ اسے متشکر نگاہوں سے دیکھتی ہوئی کمرے سے نکل گئی-

''چلو اٹھو- مائرہ کو بھی آرام کرنے دو- نکلو یہاں سے-'' عابدی نے اٹھ کر جعفری کا بازو پکڑا اور اسے کھڑا کر دیا-

''یار-'' جعفری نے احتجاج کرنا چاہا-

''چلو چلو-'' عابدی نے منہ بگاڑ کر کہا- ''زیادہ یار یار کرنے کی ضرورت نہیں- اگر شاہینہ کو نیند آ سکتی ہے تو مائرہ کیا روبوٹ ہے کہ بیٹھی تمہاری جھوٹی سچی سنتی رہے-''

''کیا مطلب؟'' جعفری نے اسے گھورا- ''میں نے کیا جھوٹ بولا ہے اب تک؟''

''سب پتہ ہے مجھے-'' اس نے جعفری کا مذاق اڑایا- ''چیتے تم نے مارے- کھالیں تم نے اتالیں- گولیاں تم نے چلائیں--- یہی سب بول رہے تھے ناں تم- تو ہم لوگ کیا وہاں تمہارے ساتھ شامل باجے بن کر گئے تھے-''

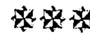
''دیکھو عابدی-'' جعفری کی دکھتی رگ تھی کہ کوئی شکار کے معاملے میں اس پر شک کرے

اور عابدی تو صریحاً اس کے سچ کو جھوٹ بنانے پر تلا ہوا تھا-

''دیکھ لیا-اب چلو-'' وہ اسے کھینچتا ہوا باہر لے گیا-

مائرہ نے مسکرا کر کمبل سیدھا کیا-بیڈ سوئچ دبا کر ٹیوب لائٹ آف کی-سبز نائٹ بلب جلایا اور سونے کے لئے لیٹ گئی-

نجانے کیوں سکندر کے آنے کا سن کر اسے اچھا لگ رہا تھا-وہ آنکھیں بند کر کے اس کے سراپے کو جانچنے لگی---کچھ دیر گذری تو اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں-یہ اسے کیا ہو رہا ہے؟ ایک اجنبی ایک ہی ملاقات میں اس کے حواس سے کیوں کھیلنے لگا- وہ خوبصورت تھا' جوان تھا' جاذب نظر تھا' تو اسے کیا؟ وہ کسی بھی لحاظ سے مائرہ کے معیار پر پورا نہ اترتا تھا-اس نے نظری سے صورتحال کا جائزہ لیا-اس کا باپ کبھی اس کے لئے راضی نہ ہوتا اور جعفری کا خیال آ ہی وہ چونک پڑی-پھر بے اختیار جھنجھلا اٹھی-وہ اس انتہا پر جا کر کیوں سوچ رہی ہے؟ اس اپنے دل کو ٹٹولا-دماغ کو جھٹکے دیئے-شعور اور لاشعور کی تلاشی لی اور جب اسے اس حیرت حقیقت سے آنکھ ملانی پڑی کہ وہ سکندر کو پسند کرنے لگی ہے تو اس کا دل اتنے زور سے دھڑکا کہ شاہینہ اس کے پاس ہوتی تو یقیناً اس کی دھڑکن سن کر سٹپٹا جاتی-وہ اس لئے بھی اس کے حال سے واقف ہو جاتی کہ وہ خود سکندر کی دیوانی ہو چکی تھی-اس وقت بھی وہ اپنے کمرے میں لیٹی سکندر ہی کی یادوں سے بہل رہی تھی-اس کے خیالوں سے آنکھ مچولی کھیل رہی تھی-اس کمرے میں مکمل اندھیرا کر رکھا تھا-کمبل میں منہ سر لپیٹے وہ آنکھیں موندے سکندر کو اپنے اس قریب محسوس کر رہی تھی کہ اس کے لرزتے ہوئے گداز ہونٹ اس کے دل سے ساری ساری بے چینی کا حال کہے جا رہے تھے-



سکندر دو ہفتوں کے بعد آیا-

جعفری نے اسے بڑی گرمجوشی سے خوش آمدید کہا-عابدی کے ساتھ والا کمرہ اسے دیا-وہ اپنے ساتھ صرف ایک اٹیچی کیس لایا تھا جس میں اس کے کپڑے اور ہلکی پھلکی چند اشیاء تھیں-اسے گھر میں سب لوگوں کے پاس چھوڑ کر وہ تین گھنٹوں کے لئے آفس چلا گیا-

مائرہ تھوڑی دیر پہلے ہی باہر سے لوٹی تھی-شاہینہ اپنے کمرے میں تھی-سکندر کے آ اسے بابا سے پتہ چلا-اس نے بظاہر اس پر کسی خاص ردعمل کا اظہار نہ کیا تاہم اس کا دل

مچل رہا تھا-ایک عجیب سی سرشاری نے اس کو سر سے پاؤں تک بھگو کر رکھ دیا-اس نے خود کو ضبط کے حوالے کیا اور خاموشی سے اپنے کام میں لگی رہی-یہ الگ بات تھی کہ اس کے پورے بدن میں ایک سنسناہٹ لرزہ پیدا کر رہی تھی-وہ جس شے کو بھی ہاتھوں میں لیتی' اسے لگتا وہ پھسل کر نیچے جا رہے گی-حلق میں نرم نرم کانٹے اگ آئے جو اس کو بار بار تھوک نگلنے پر مجبور کر رہے تھے-وہ اپنی حالت کو خوب سمجھ رہی تھی-مگر ساتھ ہی یہ بھی ضروری تھا کہ اس کی یہ کیفیت صرف اسی تک محدود رہے کوئی دوسرا اس تک رسائی حاصل نہ کر سکے-

مائرہ کو بہر حال ایسی کوئی انتہائی جذباتی صورتحال درپیش نہ تھی-وہ ایک تعلیم یافتہ اور سلجھی ہوئی لڑکی تھی-اس نے سکندر کے آنے کا سنا-اس کی دھڑکنوں میں خوشگوار سی ایک لہر دوڑ گئی-تاہم اس نے بڑی خوبصورتی سے خود پر قابو پا لیا اور موبائل پر اپنی سہیلی نسرین زبیری کا نمبر ملاتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی آئی-پرس اس نے ٹیبل پر رکھا اور بستر پر نیم دراز ہو گئی-رابطہ قائم ہوتے ہی اس نے پہچان لیا-دوسری طرف نسرین ہی تھی-

''ہیلو نسرین! میں مائرہ ہوں-''

''ہاں---'' نسرین نے جلدی سے جواب میں کہا-''خیریت یار-ابھی تو تم یہاں سے گئی ہو-سب ٹھیک ہے ناں؟''

''ہاں ہاں-'' وہ آواز دباتے ہوئے بولی-''آتے ہی خبر ایسی ملی کہ تمہیں فون کرنا پڑ گیا-''

''کیسی خبر؟''

''وہ آ گیا ہے!'' مائرہ کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی-

''کون؟'' نسرین سمجھ نہ پائی-

''ارے وہی-'' مائرہ جھنجھلا گئی مگر اس نے آواز اب بھی بلند نہ ہونے دی-''مقدونیہ کا سکندر اعظم-''

''اچھا اچھا-'' نسرین نے تیزی سے کہا-''سوری یار-میرا دھیان اس طرف جا ہی نہ سکا-''

''آدھ گھنٹے تک میں اس کے بارے میں بک بک کرتی رہی اور تم سمجھ ہی نہ سکیں کہ میں کس کے بارے میں بات کر رہی ہوں-''

''ارے بابا جانے دو-بس نہیں دھیان رہا-اچھا یہ بتاؤ وہ کب پہنچا-''

''تھوڑی دیر پہلے-'' مائرہ نارمل ہو گئی-

''یعنی فتوحات کے دروازے پر دستک دینے کے لئے فاتح آن پہنچا۔'' نسرین بڑے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''بکومت۔'' مائرہ جھینپ گئی۔ ''مگر یار۔'' وہ ایک دم سنجیدہ ہوگئی۔ ''میں اسی اندیشے شکار ہوں جس کا میں نے تم سے ذکر کیا تھا۔''

''اور میں نے بھی تمہیں جواباً تسلی دی تھی کہ انکل عابدی کے ہوتے ہوئے تم فی الحال کو فکر نہ کرو۔ بعد کی بعد میں دیکھیں گے۔۔۔یوں بھی مائرہ۔ ابھی تم اس کے بارے میں کچھ نہیں کہ سکتیں کہ وہ بھی تمہاری طرف مائل ہے یا نہیں۔ پھر ابھی سے انکل جعفری کے بارے میں سوچ کر ہلکان ہونے سے فائدہ۔۔۔ویسے بھی میرا خیال ہے کہ اگر بازی جم ہی گئی تو وہ تمہارا پسند کو رد کرنے سے پہلے سو بار سوچیں گے۔ ان کے لئے تمہاری خوشی سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے نسرین مگر۔۔۔'' وہ پریشان سی ہوگئی۔ ''میں نہیں چاہتی کہ میری وہ کوئی بھی فیصلہ دباؤ میں آکر اور اپنی مرضی کے خلاف کریں۔''

''دیکھو بی بی۔'' نسرین نے بڑی بوڑھیوں کی طرح شاید ہاتھ نچا کر کہا۔ ''ابھی پنڈ آیا نہیں ہوا اور اچکے پہلے تیار ہیں۔۔۔میرا مطلب ہے ابھی جس بات کا آغاز ہی مشکوک ہے تم اس کے انجام کے بارے میں سوچ سوچ کر دبلی ہونے کی حماقت مت کرو۔ ابھی تیل یعنی سکندر اعظم اور تیل کی دھار یعنی حالات کے اونٹ کو دیکھو کہ وہ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ پھر دیکھیں گے کہ کیا کرنا ضروری ہے۔ کیا خیال ہے؟''

''ہوں۔۔۔'' مائرہ کی سمجھ میں بات آگئی۔ ''کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو۔''

''میں کبھی غلط نہیں کہتی سوہنا۔ ہاں یہ کہو اس کا دیدار کب کرا رہی ہو۔''

''جب جی چاہے آجاؤ۔ وہ کونسی سوئی ہے جو ڈھونڈ کر دکھانا پڑے۔''

''سوئی تو وہ ہے بی بی۔'' نسرین نے پھر معنی خیز لہجے میں شرارت سے کہا۔ ''تمہارے دل میں چبھ کر ایسا درد تو پیدا نہ کرتا جس نے تم جیسی چھوئی موئی کو زبان دے دی''

''اچھا بس۔'' مائرہ اس کے تابڑتوڑ حملوں سے گھبرا گئی۔ ''میں بند کر رہی ہوں۔''

''ضرور ضرور۔۔۔تاہم میں آج کل میں کسی وقت بھی نازل ہو سکتی ہوں۔ ابھی مجھے کو فون کرنا ہے۔ اس کی طرف پارٹی ڈیو ہے۔ اس چالاکو کی منگنی کو دو ہفتے ہوگئے ابھی تک نہیں دی اس نے۔ وقت اور دن طے ہونے پر تمہیں فون کروں گی۔''

''اوکے۔۔۔'' مائرہ نے مسکرا کر فون بند کر دیا۔ اس کے پردہ ذہن پر بلو کا خوبصورت ابھر آیا۔ وہ ان کی کلاس فیلو تھی۔ اس کی آنکھیں بلوریں، چمکدار اور نیلی تھیں اس لئے سب اسے

...کر بلاتی تھیں جبکہ اس کا اصل نام ماہم تھا۔

موبائل ایک طرف ڈال کر اس نے انگڑائی لی۔ سامنے دیوار گیر کلاک پر نظر ڈالی۔ دوپہر کے بارہ بج رہے تھے۔ کھانے میں ابھی ایک گھنٹہ باقی تھا۔ اس نے سوچا اس دوران چائے پی جائے۔ جعفری ایک سوا ایک بجے آفس سے لوٹ آتا تو سب مل کر لنچ کرتے۔

اس نے بیڈ کے سرہانے دیوار میں موجود کال بیل کے بٹن پر انگلی رکھی پھر کچھ سوچ کر بستر سے اتر آئی۔

دروازہ بند کر کے اس نے کپڑے بدلے۔ چپل پہنی اور دوپٹہ کندھوں پر ڈالتے ہوئے کمرے سے نکل آئی۔ سیڑھیاں اتر کر وہ ڈائننگ روم میں داخل ہوئی تو بے اختیار رک گئی۔ سامنے ہی سکندر دروازے کی طرف رخ کئے بیٹھا عابدی سے باتیں کر رہا تھا۔ عابدی کی دروازے کی طرف پشت تھی۔

دونوں کی نظریں ملیں تو ایک دم سکندر خاموش ہوگیا۔ اس کے ملیح چہرے پر بڑی جاندار مسکراہٹ ابھری اور وہ تھوڑا سا کرسی سے اٹھ گیا۔

''السلام علیکم۔'' بڑے اخلاق سے اس نے مائرہ کو سلام کیا۔

''وعلیکم السلام۔'' وہ اندر داخل ہوئی۔ عابدی نے گردن گھما کر اسے دیکھا اور مائرہ کو قریب پا کر وہ بھی مسکرا دیا۔

''اچھا اچھا۔ تو مائرہ بی بی ہیں۔ آیئے جناب آیئے۔ چائے سے شوق فرمایئے گا کیا؟'' عابدی نے چینک سے ٹی کوزی ہٹا کر اس کی طرف دیکھا۔

''ضرور انکل۔ میں اسی ارادے سے آئی تھی۔'' وہ اس کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''کیا حال ہیں مسٹر سکندر؟'' اس نے طائرانہ مگر بباطن بڑی گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔

سکندر پینٹ شرٹ اور جیکٹ میں بے حد وجیہہ لگ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر کہیں بھی اپنے ماموں کی ہلاکت کا دکھ دکھائی نہ دیا۔ شاید اپنے ماموں کے قاتل جنگلی درندے کو مار کر وہ پرسکون ہوگیا تھا۔

''بالکل ٹھیک۔'' وہ ممنونیت سے بولا۔ ''آپ سنایئے۔ پڑھائی کیسی چل رہی ہے۔''

''آج کل تو چھٹیاں ہیں۔''

''ارے ہاں۔'' وہ بے اختیار ہنسا۔ ''میں بھول گیا۔ جب میں پہلی بار آیا تو ذکر ہوا تھا اس بات کا۔''

مائرہ کو اس کی ہنسی بہت اچھی لگی۔ہنسی کے اختتام پر اس کی نظریں پھر مائرہ کی نظروں سے ٹکرائیں۔بڑی عجیب سی کیفیت تھی ان میں۔سکندر کی آنکھیں چمک کر رہ گئیں۔

مائرہ کی آنکھیں اس چمک سے ایک لمحے کو خیرہ ہوئیں۔دوسرے لمحے میں وہ جیسے ذہنی طور پر مسحور ہو گئی۔کوشش کے باوجود وہ سکندر کی آنکھوں سے اپنی آنکھوں کا رابطہ نہ توڑ سکی۔حتیٰ کہ عابدی نے چائے کا کپ اس کے سامنے رکھ کر کہا۔

"لیجئے مائرہ بی بی۔آج میرے ہاتھ کی چائے کا لطف اٹھایئے۔"

تب دھیرے سے سکندر نے جیسے اسے اپنی آنکھوں کے سحر سے آزاد کر دیا۔اس نے نگاہیں عابدی کی طرف پھیر لیں۔مائرہ نے باقاعدہ ہلکا سا جھٹکا محسوس کیا۔وہ گڑبڑا گئی۔اس کے بدن میں سنسناہٹ سی ہو رہی تھی۔آنکھیں ایک دم وزنی اور سر بھاری ہو گیا۔بے اختیار اس نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔

"کیا ہوا بیٹی۔۔۔تم ٹھیک تو ہو؟" عابدی نے چونک کر اس کا جائزہ لیا۔

"ہاں انکل۔" وہ آہستہ سے بولی۔ماتھے کو ہاتھ سے رگڑ کر اس نے آنکھیں ملیں اور بڑی آہستگی سے اس کی آنکھوں اور سر کا بھاری پن غائب ہو گیا۔اس نے سکندر کی جانب دیکھا جو اسی کی طرف متوجہ تھا۔دونوں کی نظریں پھر ملیں مگر اب کچھ بھی نہ ہوا۔

ہاتھوں کو آپس میں رگڑ کر مائرہ نے گرم کیا اور چائے کا کپ تھام لیا۔اس نے ایک ہی چسکی لی تھی کہ شاہینہ نے گرم گرم پکوڑوں کی پلیٹ اس کے سامنے لا رکھی۔

"ارے بابا۔۔کیا کھانا نہیں کھانا مجھے؟" اس نے شاہینہ کی جانب دیکھا جو مسکرا رہی تھی۔

"دو تین پکوڑوں سے کیا ہوتا ہے مائرہ جی۔کھایئے۔آج میں نے کڑھی بنائی ہے۔اس کے لئے پکوڑے بنانے تھے۔میں نے کچھ زیادہ بنا لئے۔" شاہینہ نے کہا۔دزدیدہ نگاہوں سے سکندر کی جانب دیکھا جو اپنے سامنے رکھے خالی کپ سے کھیل رہا تھا۔لمحے بھر کو دونوں کی نگاہیں ملیں۔سکندر نے فوراً ہی نظریں جھکا لیں۔شاہینہ پلٹی اور کچن کی طرف چل دی۔

عابدی نے ہاتھ بڑھا کر دو تین بڑے بڑے پکوڑے اٹھا لئے۔

"انکل۔۔۔کھانے کی جگہ رکھئے گا۔" مائرہ نے اسے چھیڑا۔

"یہ اس جگہ کو چھو بھی نہیں سکتے مائرہ جہاں کھانے کو پہنچنا ہے۔" عابدی نے گرم گرم پکوڑے کو دانتوں سے کاٹ کر کہا۔"لو بھئی سکندر تم بھی لو۔"

"جی نہیں۔میں چائے پی چکا۔اب اگر آپ اجازت دیں تو میں آرام کروں گا۔" وہ بڑے مہذب انداز میں بولا۔

"بھئی ایک ہی بار کھانا کھا کر آرام کے لئے جانا۔اب دیر ہی کتنی رہ گئی ہے۔" عابدی نے کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا جو ساڑھے بارہ بجا رہی تھی۔

"نہیں عابدی صاحب۔میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔راستے میں کچھ پھل وغیرہ کھا لیا تھا وہ ہی اب تک ہضم نہیں ہوا۔" وہ اٹھ گیا۔

"تمہاری مرضی۔" عابدی نے پھر دو پکوڑوں کو گرفت میں لیا۔

"اچھا مس مائرہ۔" ہلکے سے انداز میں سر کو خم کر کے وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"انکل جعفری کب تک آ جائیں گے۔" وہ باہر نکلتے نکلتے رک گیا۔

"آدھ پون گھنٹے تک۔" شاہینہ نے کچن سے نکلتے ہوئے جواب دیا۔

سکندر نے جواب میں صرف سر ہلایا۔ایک طائرانہ نظر شاہینہ پر ڈالی جو اب میز پر سے برتن سمیٹ رہی تھی اور باہر نکل گیا۔

رات کھانے پر بھی سکندر نے ان کا ساتھ نہ دیا۔اس نے صرف ایک گلاس گرم دودھ لیا اور پھر سو گیا۔جعفری وغیرہ نے سوچا کہ سفر سے تھکا ہوا ہے آرام کرنے دیا جائے۔

اگلی صبح ناشتے میں بھی اس نے دودھ اور توس کے علاوہ کچھ نہ لیا۔جعفری ناشتے کے بعد آدھ گھنٹہ اخبار وغیرہ چاٹا کرتا تھا۔وہ بھی اس کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آ بیٹھا۔عابدی دوبارہ اپنے کمرے میں جا گھسا۔مائرہ نے ناشتہ اپنے کمرے ہی میں منگوا لیا۔

"انکل۔۔۔" تھوڑی دیر بعد اس نے زبان کھولی۔اس نے یہاں بھی صاحب کی جگہ انکل فٹ کر لیا۔

جعفری نے اخبار ایک طرف ہٹایا اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"وہ میرے کام کا کچھ ہوا؟" وہ آہستہ سے بولا۔

"ہو جائے گا بھئی۔۔۔ایک آدھ دن آرام کرو۔شہر میں گھومو پھرو۔پھر کام ہی کرنا ہے۔"

"دراصل انکل۔میں فارغ بیٹھے بیٹھے بور ہو جاتا ہوں۔"

"تو اسی لئے کہا ہے ناں کہ شہر میں گھومو پھرو۔عابدی کو ساتھ لے لو۔ہرن مینار چلے جاؤ۔جلو پارک دیکھ آؤ۔کوئی فلم ولم دیکھ ڈالو۔یہاں وقت گزارنے کے لئے بہانوں کی کیا کمی ہے۔"

"ان میں سے کوئی بھی چیز مجھے اپیل نہیں کرتی انکل۔" وہ دھیرے سے مسکرایا۔"میں گاؤں کا رہنے والا کام ہی سے بہل سکتا ہوں۔"

"اچھا۔۔۔" جعفری نے تھوڑی کھجائی۔"پھر آج تم میرے ساتھ آفس چلو۔تمہارے لئے میں نے ایک دو جگہ بات کی ہوئی ہے وہاں سے رپورٹ بھی لے لیں گے۔تمہارا دن بھی گزر

جائے گا اور دفتری ماحول کو بھی جانچ لو گے۔"

"یہ ٹھیک ہے۔" وہ بچوں کی طرح خوش ہو گیا۔ "تو میں تیار ہو جاؤں۔"

"بالکل۔" جعفری نے اسے خوش دیکھا تو ہنس دیا۔ "پندرہ منٹ بعد ہم آفس کے لئے چل دیں گے۔"

"پندرہ منٹ تو بہت ہیں انکل۔ میں پانچ منٹ میں آیا۔"

وہ چٹکی بجا کر اٹھا اور کمرے سے نکل گیا۔ پھر واقعی پانچ منٹ بعد وہ بالکل تیار ہو کر آ گیا۔ سفید شرٹ' سیاہ پینٹ اور براؤن جیکٹ میں وہ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ جعفری نے اسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھا۔ "ویری گڈ۔۔۔"

سکندر جواب میں مسکرا کر رہ گیا۔ جعفری کو ایک بات عجیب سی لگی۔ وہ سوچنے لگا کہ اس سے پہلے کی ملاقاتوں میں سکندر اپنی تعریف پر شرما جاتا تھا۔ اسے اور عابدی کو صاحب صاحب کہتا نہ تھکتا تھا۔ اس کے انداز میں دیہاتی پن نہ تھا مگر پوری طرح شہری پن بھی نہ تھا۔ وہ کچھ شرمیلا اور جھجکتا ہوا سا لڑکا لگتا تھا مگر۔۔۔کل سے اس میں دو نمایاں تبدیلیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ ایک تو وہ اسے اور عابدی کو انکل کہہ کر بلا رہا تھا۔ دوسرے اب وہ کسی بھی ایسی بات پر شرماتا نہ تھا جس پر پہلے وہ شرم سے سرخ ہو جایا کرتا تھا۔

یہ تبدیلی اچانک آئی تھی اس لئے جعفری کو اس پر سوچنا پڑا۔ پھر اس نے یہ خیال کر کے سر جھٹک دیا کہ تبدیلی بہر حال اچھی تھی' نہ مضر تھی نہ بری بلکہ تہذیب یافتہ ہونے کی علامت تھی۔ شاید خود کو دفتری ماحول سے ہم آہنگ کرنے کے لئے اس نے ایسا کیا ہو۔ یہ سوچ کر بالآخر جعفری مطمئن ہو گیا۔

دس بارہ منٹ بعد وہ سکندر کو لے کر آفس کے لئے نکل پڑا۔ مائرہ نے اوپر سیڑھیوں کے پار اپنے کمرے کے دروازے میں کھڑے کھڑے جعفری کو وش کیا۔ شاہینہ نے اس کا بریف کیس گاڑی میں رکھا۔ عابدی نجانے کس ضروری کام میں الجھا ہوا تھا کہ باہر نہ آیا۔

شاہینہ نے خود کو لئے دیئے رکھنا چاہا مگر گاڑی میں بیٹھتے ہوئے سکندر نے جیسے بے دھیانی میں اس کی جانب نظریں اٹھائیں۔ نظریں کیا ملیں' شاہینہ کا دل بھی اچھل کر رہ گیا۔ اگر وہ فوراً ہی رخ پھیر کر اندر کو نہ چل پڑتی تو جعفری ضرور تاڑ جاتا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔

پندرہ منٹ میں وہ جعفری کے آفس پہنچ گئے۔ ایکسپورٹ کے وسیع کاروبار کا حامل اس کا شاندار آفس دیکھ کر سکندر کی حیرت گم ہو گئی۔

جعفری اپنی سیکرٹری کے کمرے میں داخل ہوا تو اس کی پرسنل سیکرٹری ثمین نے آگے بڑھ کر

اس کے ہاتھ سے بریف کیس لے لیا۔

"مس ثمین۔۔۔عزیز برادرز والوں کی فائل لے کر آ جایئے۔ ان کا آرڈر آج ہی کنفرم کرنا ہے۔" جعفری کہتا ہوا بغلی دروازے کی طرف بڑھ گیا جو اس کے آفس میں کھلتا تھا۔

"یس سر۔" ثمین کی سرمئیں آنکھیں سکندر کی طرف اٹھیں اور پھر یوں اٹھی رہ گئیں جیسے مقناطیس نے لوہے کو جکڑ لیا ہو۔

وہ دونوں ایک دوسرے میں گم ہو کر رہ گئے۔ سکندر کی آنکھیں جو رنگ بدلنے لگی تھیں اور ثمین کسی مسحور کی طرح بریف کیس تھامے خاموش کھڑی اس کی آنکھوں میں دیکھے جا رہی تھی۔

O

"آؤ بھئی سکندر خان لودھی--- چلے آؤ-" جعفری نے اپنے کمرے میں داخل ہو کر پلٹے بغیر کہا تو سکندر اور ثمین چونکے-سکندر نے بڑی آہستگی سے ثمین کی نگاہوں سے رابطہ توڑا اور اسے بڑی عجیب سے نظروں سے دیکھتا ہوا جعفری کے کمرے کی جانب بڑھ گیا-ثمین لڑکھڑا کر رہ گئی-

"یہ مجھے کیا ہو گیا؟" اس نے پاس پڑی کرسی کا سہارا لے کر بے اختیار سوچا-اس کے ذہن پر سکندر کا سراپا افسوں بن کر چھا گیا- اس کو جعفری کی آواز بے حد بری لگی جس نے اسے ایک بے انتہا سحر سے آزاد کر دیا تھا-لذت آمیز ایک انوکھی سرسراہٹ اس کے سارے بدن میں دوڑ رہی تھی-

جعفری کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے سکندر نے ایک بار پھر پلٹ کر اس کی طرف دیکھا اور بڑے خوبصورت انداز میں مسکرایا- جواب میں بے اختیار ثمین کے لبوں پر بھی ایک دوستانہ مسکراہٹ ابھری- اسے یوں لگا جیسے سکندر اس کے لئے قطعاً اجنبی نہیں ہے-اس کی آنکھوں کی جلتی چمک ہونٹوں کی جاندار مسکراہٹ اور بدن سے اٹھتی شہوت انگیز مہک اس کے لئے آشنائی کی لذت لئے ہوئے ہے-

سکندر نے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا تو وہ جعفری کا بریف کیس میز پر رکھ کر اپنی سیٹ پر بیٹھ گئی-بیٹھی کیا گر پڑی-اس کا جسم اس کے اختیار میں نہیں تھا-وہ شدت سے چاہ رہی تھی کہ سکندر اس کے پاس آ جائے اور اس سے آگے کی سوچ نے اس کے ذہن کو جھٹکا دے دیا-

"یہ میں کیا سوچ رہی ہوں---اور کیوں؟" وہ شرم سے کٹ کر رہ گئی-

اسی وقت انٹرکام نے صدا دی-وہ چونکی اور تیزی سے ریسیور اٹھایا-

"مس ثمین---میں فائل کا منتظر ہوں-" جعفری نے ذرا تلخی سے کہا-

"میں---میں لا رہی ہوں سر-" وہ ہکلا کر رہ گئی-

"جلدی آیئے-" جعفری نے ریسیور رکھ دیا-

وہ انٹرکام بند کر کے پلٹی-الماری سے مطلوبہ فائل نکالی-جعفری کا بریف کیس دوسرے ہاتھ میں لیا اور اس کے کمرے کی طرف بڑھ گئی-

جعفری نے جتنی دیر میں اسے عزیز برادرز کا آرڈر کنفرم کر کے لیٹر ڈکٹیٹ کرایا' وہ جز بز ہو رہی-سکندر نے اس سارے عرصے میں اس کی جانب ایک بار بھی نہ دیکھا-وہ آفس کا جائزہ لیتا رہا یا دانتوں سے ناخن کترتا رہا-

"یہ لیٹر آج ہی فیکس کر دیں' بلکہ ابھی-" جعفری نے اسے جانے کا اذن دیا-

"یس سر-" وہ اٹھی اور سکندر کی جانب دیکھنے کی شدید خواہش کو دل میں دباتی ہوئی کمرے سے نکل گئی-

"کیوں بھئی جوان-" جعفری نے اپنی ریوالونگ چیئر آگے کو کھسکائی-"کیسا لگا ہمارا یہ چھوٹا سا آفس-"

"چھوٹا سا آفس-" وہ ہنس پڑا-"یہ تو آپ اس شاندار آفس کے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں سر-"

"ارے نہیں-ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے-میں نے جس جگہ تمہارے لئے بات کی ہے وہ ایسے چار دفتروں کے برابر ہے-اس سے زیادہ شاندار اور---"

"سر-" سکندر نے ایک دم اس کی بات کاٹ دی-جعفری خاموش ہو کر اس کی جانب دیکھنے لگا-"اگر آپ برا نہ منائیں تو ایک بات کہوں-"

"ضرور کہو-اگر برا نہ ماننے والی بات ہو گی تو قطعاً برا نہیں مناؤں گا-" جعفری نے خوش دلی سے کہا-

"تو سر-اگر ممکن ہو تو مجھے اس چار گنا بڑے آفس کے بجائے اپنے اس چھوٹے سے آفس ہی میں کہیں کھپا دیں-"

"وہ کیوں بھئی؟" جعفری ہنس دیا-"کیا زیادہ اچھی جگہ جانا نہیں چاہتے-"

"یہ بات نہیں سر-" وہ انکل سے سر پر آ گیا-شاید دفتر کے ماحول اور رعب داب نے اسے مرعوب کر دیا تھا-

"پھر کیا بات ہے مسٹر سکندر خان لودھی-" جعفری نے اسی لہجے میں کہا-

"سر-جہاں آپ ہوں گے میرے لئے وہ جگہ سب سے اچھی' سب سے بڑی ہو گی-یہاں کوئی سا کام بھی کر لوں گا-کلرک ہی سہی-"

"تم تو جذباتی ہو گئے جوان-" جعفری مسکرایا-

''آپ کچھ بھی کہہ لیں سر-مگر میری درخواست پر غور ضرور کریں-'' وہ بڑے اخلاق سے بولا-

''تم نے کہا کہ اگر ممکن ہو تو میں ایسا کروں--- اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو؟'' جعفری نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا-

''پھر بھی میں یہی درخواست کروں گا سر-'' وہ اصرار پر اتر آیا-

''یعنی چت بھی تمہاری اور پٹ بھی تمہاری-'' جعفری ہنسا- جواب میں سکندر مسکرا کر رہ گیا-

''اچھا-سوچتے ہیں-''

اسی وقت انٹر کام بج اٹھا-

''یس---'' جعفری نے اٹینڈ کیا-

''سر-کافی تیار ہے-'' ثمین نے بتایا-

''بھیج دیں-اور ساتھ کچھ کھانے کو بھی-ایک سیکنڈ ہولڈ کریں-'' اس نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر سکندر کی جانب دیکھا-'' سکندر کافی کے ساتھ کچھ کھانا پسند کرو گے؟''

''چکن پیٹیز مل سکیں تو---؟''

''ویری گڈ-'' جعفری خوش ہو گیا-''یہ تو تم نے میری پسند کی شے بول دی-'' پھر اس نے ماؤتھ پیس سے ہاتھ ہٹا دیا-''مس ثمین---ساتھ چکن پیٹیز ہو جائیں تو ہمارا مہمان خوش ہو جائے گا-''

''اوکے سر---جسٹ ان ٹین منٹ-''

''اوکے---'' جعفری نے ریسیور رکھ دیا-

''لگتا ہے تم گوشت کے زیادہ شوقین ہو سکندر-'' جعفری نے سگار نکال کر اس کا کونہ توڑتے ہوئے کہا-''شاید اسی لئے تم نے رات کھانا نہیں کھایا کہ کڑھی میں گوشت نہیں ہوتا-''

''نہیں سر-ایسی کوئی بات نہیں-'' وہ جھینپ گیا-''بس گاؤں میں رہ کر مجھے اور ماموں کو روزانہ کوئی نہ کوئی گوشت والا سالن کھانے کی عادت سی ہو گئی تھی-''

''ویسے راز کی بات یہ ہے کہ رات ڈنر پر گھر میں کڑھی کے ساتھ شاہینہ نے مرغ کڑاہی اور مچھلی بھی بنا رکھی تھی-تم ایسے ہی کڑھی کا سن کر بھاگ نکلے-'' جعفری نے آگے جھک کر کہا اور بات ختم کر کے زور سے ہنس پڑا-

''پھر تو زیادتی ہو گئی سر-'' وہ افسوس سے بولا-

''اسی لئے کہتے ہیں جوان کہ آنکھوں دیکھی پر یقین کرو کانوں سنی پر نہیں-''

''آج سے یہ بات میں نے پلے باندھ لی سر-'' وہ سر ہلا کر بولا-

''اور ہاں-'' اچانک جعفری کو جیسے کچھ یاد آ گیا-''تم سے ایک بات پوچھنا تھی سکندر---برا تو نہ مانو گے؟''

''آپ والی بات میں اتنی سی ترمیم کروں گا سر کہ اگر برا ماننے والی بات بھی ہوئی تو ہرگز نہیں مناؤں گا-آپ پوچھئے-''

''بھئی ویری گڈ-'' جعفری نے اسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھا-''تو میں یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ تم جلدی جلدی رنگ کیوں بدل رہے ہو-''

''جی-'' سکندر نے اسے حیرت سے دیکھا-''میں سمجھا نہیں سر-''

''بھئی پہلے تم مجھے اور عابدی کو صاحب کہہ کر شروع ہوئے-کل سے انکل کہہ رہے تھے اور آج میں سر ہو گیا-بھائی میرے کسی جگہ فل سٹاپ بھی ڈالو کہ کوے ہی پر کمر باندھ رکھی ہے-''

''اوہ---'' سکندر شرمندہ سا ہو گیا-''یہ اتفاقی امر ہے سر-بالکل غیر اضطراری اور غیر اختیاری حرکت ہے-بہرحال آپ جس طرح خوش ہیں وہ بتا دیں-میں وہیں فل سٹاپ لگا دوں گا اور آئندہ دھیان بھی دوں گا-''

''ارے بھائی تم جیسے بھی پکارو میں کچھ نہیں کہوں گا۔ عابدی تمہارے وہ لتے لے گا کہ تم روہانسے ہو جاؤ گے اس لئے کہہ رہا ہوں کہ کسی ایک جگہ رک جاؤ-''

''مجھے تو یہ ''سر'' سب سے اچھا لگا ہے سر---عجیب سا طمانیت آمیز احترام بھرا ہے اس میں-آپ کا کیا خیال ہے؟''

''ناٹ بیڈ---مگر اب اس پر قائم رہنا-''

''آلویز سر-'' وہ ایک پختہ عزم سے بولا-

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی-

''یس-کم آن---'' جعفری نے سگار ایش ٹرے میں رکھا-

دروازہ کھلا اور ثمین ٹرے میں کافی کے تین کپ اور چکن پیٹیز رکھے اندر داخل ہوئی-کافی سرو کرتے ہوئے اس کی آنکھیں ایک بار پھر سکندر سے دوچار ہوئیں-سکندر نے بڑے گہرے انداز میں اسے دیکھا اور ثمین کو نہ جانے کیوں لگا جیسے سکندر نے اسے کچھ کہا ہو حالانکہ اس کے لب بالکل ساکت رہے تھے-

یہ روٹین تھی کہ ثمین دس بجے کی کافی جعفری کے ساتھ ہی پیتی تھی-ساتھ ساتھ کام بھی ہوتا

رہتا تھا- تاہم آج صرف کافی پی گئی- سکندر اور جعفری ہلکی پھلکی باتیں کرتے رہے-

ثمین نے کافی کے برتن سمیٹے اور باہر کو چل دی-

''مس ثمین---'' جعفری نے پکارا تو وہ رک گئی- ''ذرا شاہ صاحب کو بھجوائیے-''

''یس سر-'' وہ سر خم کر کے بولی اور دروازے کا ہینڈل گھما دیا-

تقریباً تین منٹ بعد اطہر شاہ صاحب کمرے میں داخل ہوئے- وہ ادھیڑ عمر اور چہرے مہرے سے شرافت کا منہ بولتا اشتہار تھے-

''سر- آپ نے مجھے یاد کیا؟'' وہ جعفری کی میز کے قریب آ گئے-

''جی شاہ صاحب-'' جعفری نے اشارہ کیا اور وہ سکندر کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئے-

''یہ میرے ایک عزیز کے بھانجے ہیں مسٹر سکندر-'' انہوں نے تعارف کرایا- ''اور سکندر' یہ میری فرم کے روح رواں سید اطہر شاہ--- ایمانداری اور شرافت ان کے گھر کی لونڈی ہے- میری فرم انہی کے کندھوں پر جوان ہوئی-''

''ارے سر' کیوں شرمندہ کر رہے ہیں-'' شاہ صاحب نے انکساری سے کہا- ''میں کچھ کرتا ہوں اس کا معاوضہ لیتا ہوں- آپ پر کیا احسان کرتا ہوں-''

''احسان ہی تو کرتے ہیں شاہ صاحب کہ اس دور میں صرف معاوضہ ہی لیتے ہیں- کمیشن کھاتے ہیں نہ گھپلے کرتے ہیں-''

''اللہ معاف کرے سر- اللہ اپنے روز بد سے بچائے-'' شاہ صاحب نے کانوں کو ہاتھ لگایا-

''بہر حال--- اصل بات کی طرف آتے ہیں- سکندر کی خواہش ہے کہ یہ ہماری جوائن کرے- اس وقت ہمارے پاس کوئی ریزنایبل ویکنسی خالی ہے کیا؟''

''ویکنسی؟'' شاہ صاحب نے چند لمحوں کے لئے سوچا- ''میں عرض کر دیتا ہوں- آگے فیصلہ آپ کر لیجئے کہ ان کے لئے موزوں ہے یا نہیں؟''

''جی جی- کہئے-''

''ایک تو اسسٹنٹ سٹور کیپر کی جگہ خالی ہے-''

''اور---''

''دوسرے کمپیوٹر سیکشن میں آڈیٹر کی سیٹ ہے-''

''اور---''

''تیسری اور آخری ویکنسی میرے اسسٹنٹ کے جانے سے کل ہی خالی ہوئی ہے- اسے

ی نینٹل میں جاب مل گئی ہے-''

''یہ تیسری جگہ سب سے بہتر ہے- کیوں سکندر-'' جعفری نے اس کی طرف دیکھا-

''میں کیا کہہ سکتا ہوں سر- ویسے شاہ صاحب کو یہ بتا دیجئے کہ میں خام مال ہوں- اسے ل دینا ان کے لئے مشکل نہ ہو جائے-''

''کیا مطلب؟'' شاہ صاحب نے چونک کر پوچھا- ''کیا تم ان پڑھ ہو صاحبزادے؟''

''جی نہیں-'' سکندر نے جلدی سے جواب دیا- ''میں بی اے کر چکا ہوں-''

''اوہ---'' انہوں نے اطمینان کا سانس لیا- ''پھر خیر ہے- میں سمجھا شاید بالکل ہی لے کے غلام ہو-''

''جی نہیں شاہ صاحب-'' جعفری بے ساختہ ہنس پڑا- ''یہ بڑا جوشیلا اور سمجھدار نوجوان آپ کی ٹریننگ چند دنوں میں کراس کر جائے گا-''

''تو بسم اللہ- یہ کل سے آ جائیں- میں لیٹر تیار کرا دیتا ہوں- آپ سائن کر دیجئے-''

''وہ سب ہوتا رہے گا مگر کل سے کیوں- آج بلکہ ابھی سے کیوں نہیں؟'' جعفری نے کہا-

''مجھے تو کوئی اعتراض نہیں-'' شاہ صاحب نے جواب میں شانے اچکائے-

''اور مجھے تو بالکل ہی کوئی اعتراض نہیں شاہ صاحب- میں ابھی کے ابھی حاضر ہوں-'' ندر نے ادب سے کہا-

''بھئی واہ--- تو لیجئے شاہ صاحب- سکندر آپ کے حوالے- اسے لے جائیے اور طاق ر دیجئے--- کچھ اپنا بوجھ ہی کم کر ڈالئے-''

''جی-'' شاہ صاحب نے سیٹ چھوڑ دی- ''آئیے مسٹر سکندر- میں آپ کو آفس کی سیر کراؤں تاکہ آپ پورے ماحول کو سمجھ سکیں-''

''اجازت ہے سر؟'' سکندر اٹھ گیا-

''وش یو گڈ لک بوائے-'' جعفری نے ہاتھ آگے بڑھایا جسے سکندر نے گرمجوشی سے تھام یا- ''ایک بجے ہم گھر کے لئے روانہ ہوں گے- یہیں چلے آنا-''

''سوری سر-'' سکندر نے بڑے اخلاق سے کہا- ''میں پورے ٹائم پر چھٹی کر کے گھر پہنچ جاؤں گا- آپ چلے جائیے گا-''

''ارے---'' جعفری حیرت سے بولا-

''ڈیوٹی از ڈیوٹی سر-'' وہ مسکرایا' انگلیوں سے ماتھے کو چھوا اور شاہ صاحب کے پیچھے کمرے سے نکل گیا-

بائیں طرف اپنی میز پر کمپیوٹر کے پیچھے گدرائی ہوئی ثمین کی انگلیاں کی بورڈ پر تھرکتے رک گئیں--- دونوں کی نظریں ایک مرتبہ پھر ایک دوسرے میں پیوست ہو کر رہ سکندر کے ہونٹ مسکراہٹ کے انداز میں پھیلے-ثمین نے اس مسکراہٹ کو دل سے چھولیا سرخ اور رس بھرے ہونٹ خوشبو دینے لگے-

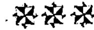
شاہ صاحب دروازے سے نکل چکے تھے-سکندر نے دروازے پر رک کر ایک بھر ثمین پر ڈالی--- بے اختیار اس کا ہاتھ الوداعی انداز میں اٹھ گیا-ٹھیک اسی وقت ثمین کے ہاتھ ہوئی اور اس نے بھی الوداعی انداز میں ہاتھ ہلایا-سکندر کی آنکھوں میں وحشیانہ سی چمک وہ دھیرے سے گھوم کر کمرے سے نکل گیا-

ثمین کتنی ہی دیر ہاتھ کھڑا کئے بے خودی سی دروازے کو تکتی رہی-اسے اپنا کام بھی اسے کام کیا یاد رہتا-اسے تو یہ ہوش نہ رہا کہ وہ کہاں موجود ہے؟ اس کا رواں رواں سکند مہک رہا تھا-اسے وہ پہلی نظر میں تو اجنبی لگا ہی نہ تھا-اب وہ اتنے برسوں سے آشنا لگ رہا

"میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی-" کسی نے اس کے کانوں میں سرگوشی کی-اور اس پر حیرت نہ ہوئی جیسے اس کے اندر کی باطن کی آواز تھی-اس کی دھڑکن کی صدا تھی ملاقات میں محبت ہو جانا ایک الگ شے ہے-یہ محبت نہیں، یہ کچھ اور تھا--- کیونکہ اس کا اس کا بدن سکندر کو طلب کر رہا تھا اور اس شدت سے کہ وہ آپے سے باہر ہو جانے کا مفہوم تھی-اگر اسی وقت فون نہ بج اٹھتا تو شاید وہ اٹھ کر سکندر کی تلاش میں نکل کھڑی ہوتی-

چونک کر اس نے ریسیور اٹھایا-

"یس--- جے ایس ایکسپورٹرز-" اس نے ماؤتھ پیس میں کہا-پھر دھیرے دھیرے اس کی حالت اعتدال پر آتی چلی گئی-



پندرہ دن کا وقفہ کچھ اتنا زیادہ نہیں تھا مگر سکندر نے حیرت انگیز طور پر آفس میں خود کو یوا کر لیا جیسے وہ پیدا ہی اس کام کے لئے ہوا ہو-شاہ صاحب نے اپنی بیشتر ذمے داریاں اس سپرد کر کے سکھ کا سانس لیا-وہ اتنی تیزی سے کام سیکھ اور اس قدر احسن طریقے سے اسے نبھار کہ جعفری کو یقین نہ آیا تاہم جب شاہ صاحب نے اسے بتایا اور ثبوت کے طور پر اس کی کار کر پیش کی تو اسے یقین کرتے ہی بنی--- وہ خوشگوار حیرت میں مبتلا ہو گیا--- پھر اسے اس

وا کہ اس کا انتخاب اور فیصلہ غلط نہیں تھا-اس نے سوچ لیا کہ عابدی کو آڑے ہاتھوں لے گا کے اس اقدام پر سب سے پہلے اور سب سے بڑا معترض تھا-گھر میں بھی اس نے خود کو اس بصورت انداز میں ایڈجسٹ کر لیا کہ سب لوگ اس سے خوش اور اس پر اعتماد کرنے لگے- نے جعفری سے درخواست کی کہ اسے گھر کے اندر رہائشی کمرہ دینے کی بجائے انیکسی کے ساتھ کے بالکل قریب سٹور روم کھلوا کر صاف کرا دیا جائے تا کہ وہ آزادی سے رہ سکے-بہتر تو لہ اسے کسی اور جگہ رہائش کا انتظام کر لینے دیا جائے مگر جعفری اس پر رضامند نہ ہوا-اس کی انہ طبع نے گوارا نہ کیا کہ سکندر کسی گیسٹ ہاؤس، ہوٹل یا دوسری آبادی میں کرائے پر جا کر -البتہ اس نے سٹور کو صاف ستھرا کرا کے اسے وہاں ڈیرہ جما لینے کی اجازت ضرور دے دی- جانے آنے کے لئے وہ رکشہ یا ٹیکسی استعمال کرنے لگا-اس پر بھی وہ جعفری سے باقاعدہ اتر آیا کہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے لئے جعفری نے اسے جو موقع دیا ہے، وہی اس کے ہت ہے-اب اس قسم کی عیاشانہ نوازشیں اسے سہل پسند اور محتاج بنانے میں معاون ثابت گی اس لئے اسے اپنے سب کام خود کرنے دیئے جائیں اور وہ بھی اپنے انداز میں-ہاں وقتاً ات کے کھانے کے بعد وہ جعفری اور عابدی کے ساتھ کچھ دیر ضرور گپ شپ کرنے کے لئے -ورنہ بابا اس کا کھانا اس کے کمرے ہی میں پہنچا دیتا-بغیر ضرورت کے وہ اندرونی رہائش ں بھی نہ آتا-جعفری نے گھر کے تین میں سے ایک فون اس کے کمرے میں سیٹ کرا دیا- ہ انٹر کام بھی لگوا دیا تا کہ کبھی بے وقت بلوانا یا کوئی بات کرنا پڑے تو آسانی رہے-

وہ ٹھیک وقت پر آفس جاتا-وہاں سے چھٹی کے بعد زیادہ تر وہ سیدھا گھر ہی آ جاتا تاہم ی دن وہ چھوٹی موٹی تفریح کے لئے نکل جاتا تو دو تین گھنٹوں کے لئے غائب رہتا ورنہ کسی ری سرگرمی میں وہ حصہ ہی نہ لیتا تھا-چھٹی کا دن وہ زیادہ تر سو کر گزارتا-اس دن سے پہلے ات وہ خاصی دیر سے لوٹتا-سرسری پوچھنے پر جعفری کو پتہ چلا کہ وہ اس رات فلم کا آخری شو تھا-یہ کوئی ایسی بات نہ تھی جو اس کے کردار کو مشکوک بناتی اس لئے جعفری نے دوبارہ اس کی اری پر بات نہ چھیڑی-

مائرہ کو سکندر کے باہر شفٹ ہو جانے پر عجیب سرخوشی کا احساس ہوا-اس کو نجانے کیوں ٹھی کے اندر رہنے پر دبا دبا سنجیدہ اور محتاط رویہ اچھا نہ لگتا تھا اور یہ حقیقت تھی کہ جس دن باہر شفٹ ہوا تھا اس کی طبیعت میں ایک اعتماد اور ٹھہراؤ آ گیا-اس کے ہر انداز میں ایک ھاؤ پیدا ہو گیا-وہ اپنی مرضی سے جینے کا جو مفہوم سمجھانا چاہتا تھا وہ کھل کر سامنے آ رہا تھا-

رہ گئی شاہینہ تو اس کے لئے سکندر کا وہاں سے باہر کے کمرے میں جانا سب سے زیادہ

تکلیف دہ ثابت ہوا- جب تک سکندر اندر رہائش پذیر تھا وہ وقتاً فوقتاً بہانے بہانے سے اس
سامنے آتی رہتی- دیکھتی رہتی- بے شک لئے دیئے رہتی- اندر ہی اندر اس پر نثار ہوتی رہتی تا
اطمینان اس کے لئے بے حد سکون آفریں تھا کہ سکندر اس کے پاس' اس کے سامنے تھا- ا
خاص طور سے اس کے کمرے میں جانے کا کوئی جواز نہ رکھتی تھی- سکندر اپنے کمرے کی صفا
سے کراتا تھا اور وہ بھی ہمیشہ اپنی موجودگی میں- اس کے کمرے کی ایک چابی جو ایمرجنسی کے
سے محفوظ کی گئی تھی وہ بابا کے پاس تھی اور اسے سکندر نے سختی سے کہہ دیا تھا کہ بغیر انتہائی ضر
کے کمرہ اس کی عدم موجودگی میں ہرگز نہ کھولا جائے- کھانا بھی اسے بابا ہی پہنچاتا تھا- یہ م
اس کے ہاتھ نہ آیا ورنہ شاید وہ اسی بہانے اپنی آنکھوں کی پیاس اور دل کی لگی بجھاتی رہتی- لے
ایک ہی چھوٹا سا آسرا تھا جس کے سہارے وہ وقت کی ناخوش گواری میں نقب لگا رہی تھی کہ کچ
جو کھڑکی باہر کو کھلتی تھی وہاں سے لان' صدر دروازہ اور سکندر کا کمرہ صاف دکھائی دیتا تھا- و
کھڑکی سے سکندر کو جاتے آتے دیکھتی اور اس کے لئے اس نے چوری چھپے تانک جھانک کو طا
رکھ کر بے باکی کا دامن تھام لیا تھا- اس نے سکندر کے آنے جانے کے اوقات کا حساب ر
تھا- ان اوقات میں خصوصاً اور لگے داؤ کے تحت عموماً وہ جب بھی سکندر کو دیکھتی تو کچن کا
اندر سے بند کر کے کھڑکی میں جم جاتی- سکندر اس کی حالت اور اس حرکت سے پوری طرح
ہو جائے یہ اس کا مقصود بھی تھا اور ضرورت بھی--- اور اسے یقین تھا کہ سکندر پر اس کی ک
عیاں ہو چکی ہے- کیونکہ اب ایک دو راتوں سے یہ ہو رہا تھا کہ جب وہ کھڑکی میں کھڑی
سکندر کے کمرے کی کھڑکی پر نظریں جما لیتی تو سکندر بھی کھڑکی میں آن کھڑا ہوتا- محسوس یہ
کہ وہ لان میں پھولوں کی کیاریوں کو دیکھ کر لطف اندوز ہو رہا ہے مگر یہ حقیقت تھی کہ سکندر ا
لئے وہاں کھڑا ہوتا تھا- دونوں کی نظریں بھی ایک دو بار ملیں- سکندر کی آنکھوں میں ایک ع
چمک ابھرتی اور شاہینہ کے رگ و پے میں سرسراہٹ دوڑا دیتی--- اور آج صبح آفس جا
تو کھڑکی میں کھڑی شاہینہ سے نظریں ملنے پر وہ بڑے دلبرانہ انداز میں مسکرایا بھی تھا اور یہ مسکر
ایک ایسا پیغام تھی جس نے شاہینہ کے دل کی بستی تہہ و بالا کر دی- اس کی محبت نے یوں ی
سے انگڑائی لی کہ سارا بدن میٹھے میٹھے درد سے لبالب ہو گیا- ہر خوف' ہر اندیشے اور ہر بدخیالی
توڑ دیا- اسے لگا جیسے وہ اور سکندر جنم جنم سے ایک دوسرے کے ساتھی ہیں- ان کے درمیا
حجابات سارے کے سارے اٹھ گئے ہیں- اس نے چاہا کہ سکندر دوبارہ اس کی طرف د
مسکرائے اور اسے تسلی دے کہ شاہینہ میں تمہارا ہوں--- مگر--- سکندر اب وہاں کہاں تھ
کب کا جا چکا تھا-

ایک طویل سانس لے کر وہ کھڑکی سے ہٹ آئی- اسی وقت گیٹ پر کسی گاڑی کا ہارن
سنائی دیا- اس نے گردن گھما کر دیکھا- گیٹ کھل رہا تھا اور مائرہ کی سہیلی نسرین کی گاڑی اندر آ رہی
تھی-

اس نے ایک لمحے کو سوچا پھر چولہا جلایا اور کافی کا پانی چڑھا دیا- وہ جانتی تھی کہ نسرین
آتے ہی سب سے پہلے کافی کی فرمائش کرے گی-

اس کا اندازہ غلط نہیں تھا- تقریباً پانچ منٹ بعد اسے مائرہ کی آواز سنائی دی وہ اسے پکار
رہی تھی-

"آ رہی ہوں---" اس نے کچن کے دروازے میں کھڑے ہو کر بلند آواز میں جواب
دیا- پھرتی سے کافی تیار کی ساتھ کچھ کھانے کی اشیاء رکھیں اور ٹرے سنبھال کر باہر نکل آئی-

"ارے واہ---" نسرین اسے کافی کا ٹرے اٹھائے کمرے میں آتا دیکھ کر اچھل پڑی-
"بھئی شاہینہ- تم تو کمال شے ہو- یعنی کہا بھی نہیں اور کافی حاضر-" وہ ٹرے اس کے ہاتھوں سے
لیتی ہوئی ہنسی-

"شاہینہ کو دل جیتنے کا فن آتا ہے نسرین بی بی-" مائرہ نے بڑے پیار سے شاہینہ کو دیکھا-
"یہ گھر میں نہ ہو تو نجانے ہم لوگ کس حال میں جئیں-"

"پھر تو بڑی مشکل ہو جائے گی مائرہ-" نسرین نے کافی کا کپ اسے تھماتے ہوئے کہا-
"کل کلاں کو یہ پیا گھر سدھار گئی تب تم کیا کرو گی؟"

"یہ بھی پیا گھر سدھار جائے گی- کیا یہاں بیٹھی میرے جانے کا ماتم کرتی رہے گی"
شاہینہ نے تڑ سے جواب دیا-

"بھئی اپنی اپنی لڑائی لڑو-" مائرہ کو شادی کے ذکر نے سرخ کر دیا- "مجھ غریب کو درمیان
میں مت گھسیٹو-" شاہینہ اور نسرین دونوں ہنس پڑیں-

"اور کچھ چاہیے؟" شاہینہ نے جانے کا اشارہ دیا-

"نہیں فی الحال نہیں-" مائرہ نے جواب دیا تو وہ پلٹ کر کمرے سے نکل گئی-

"کافی بے حد اچھی بنی ہے مائرہ-" نسرین نے سپ لے کر ہونٹوں کو چوستے ہوئے کہا-

"بھئی میں نے کہا ناں--- شاہینہ ہر فن مولا ہے- میں پھر اعتراف کرتی ہوں کہ اس کے
بغیر یہ گھر ایک دم بے رنگ ہو جائے گا-"

"اچھا چھوڑو- یہ بتاؤ تمہارے یونانی کا کیا حال ہے؟" نسرین نے اسے بڑی شریر
نگاہوں سے دیکھا-

''ٹھیک ہے۔'' مائرہ کے چہرے پر شفق پھیل گئی۔

''کوئی ملاقات کی اس سے یا ابھی تک یک طرفہ ٹریفک چلا رہی ہو؟''

''ملاقات میں کیسے کروں اس سے؟'' مائرہ نے اسے بھولپن سے دیکھا۔ ''اور پھر کیا کہہ کر اسے ملاقات کی دعوت دوں۔''

''ہائے رے تیری سادگی۔'' نسرین نے اسے قربان ہو جانے والی نگاہوں سے دیکھ کر کہا۔

''بنو۔ اس طرح تو کوئی اور بات نہ بن سکے گی۔ وہ کیا مٹی کا مادھو ہے کہ تمہاری طرف سے آغاز کا انتظار کرتا رہے۔ بی بی۔۔۔ وہ گاؤں کا رہنے والا ہے۔ ہم شہری ان کے آگے کیا پانی بھرتے ہیں۔ اسے اگر کسی تتلی نے اپنی پرواز حسن سے متاثر کر لیا تو یقین جانو وہ اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہو جائے گا اور تم سگنل کے سبز ہونے کے انتظار میں چالان کرا بیٹھو گی۔''

''پاگل ہو تم۔'' مائرہ نے کافی کا کپ تپائی پر رکھ دیا۔ بے اختیار اس کا دل دھڑک اٹھا۔ ''تمہارا مطلب ہے میں خود اس سے جا کر دل کا حال کہہ دوں۔''

''نہ نہ۔۔۔ یہ میں نے کب کہا۔ میں تو صرف یہ چاہتی ہوں کہ تم اس کو یہ اشارہ دو کہ تم اس میں انٹرسٹڈ ہو ورنہ تو وہ تمہارے ڈیڈی کا اس قدر ممنون اور احسان مند ہے کہ زندگی بھر تمہیں نظر بھر کر دیکھنے سے بھی کتراتا رہے گا۔''

اور نسرین کے اس فقرے نے مائرہ کو وہ منظر یاد دلا دیا جب سکندر نے اس کی جانب بھرپور انداز میں دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں لہراتی وہ بلوریں چمک مائرہ کے دماغ میں یوں انگڑائی لے کر بیدار ہوئی کہ چند لمحوں کے لئے وہ ساکت و صامت ہو کر رہ گئی۔

نسرین مائرہ کا جائزہ لے رہی تھی۔ اس کی کیفیت نے نسرین کو چونکا دیا۔ وہ مائرہ کی نسبت خاصی کھلی ڈلی لڑکی تھی۔ جذبوں کی آشنائیت نے اسے کب کا چھو رکھا تھا۔ وہ رہ نہ سکی۔

''کیا بات ہے مائرہ۔۔۔ تم مجھ سے کچھ چھپا تو نہیں رہیں؟''

''نہیں نسرین۔'' مائرہ ہوش میں آ گئی۔ ''دراصل جس روز سکندر گاؤں سے لوٹا تھا تو۔۔۔''

اور اس نے وہ پوری کیفیت نسرین کے گوش گزار کر دی جو اب بھی اسے سنسناہٹ میں مبتلا کر رہی تھی۔

''ہت تیرے کی۔'' نسرین نے ماتھا پیٹ لیا۔ ''ارے پگلی۔۔۔ یہی تو وہ پیغام تھا جو اس کی آنکھوں میں نور کا لپکا بن کر لہرایا اور تم تک سفر کر آیا۔۔۔ بے وقوف۔ میں شرط لگا کر کہہ سکتی

ہوں کہ یونانی تمہارے لئے محبت کا وہ گوشہ اپنے دل میں آباد کر چکا ہے جہاں تمہارے لئے تخت طاؤس بچھا کر وہ سر جھکائے تمہاری آمد کا منتظر ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ گیند تمہاری کورٹ میں ہے مائرہ۔ وہ جو کہنا چاہتا تھا' کہہ چکا۔ اب تو وہ تمہارے جواب کا منتظر ہے۔ اگر تم مزید دیر کرو گی تو وہ یہی سمجھے گا تمہارا جواب انکار میں ہے۔ پھر وہ حق رکھتا ہے کہ کسی اور طرف نگاہوں کا رخ پھیر دے۔ وہ جوان ہے۔ شاید ابھی تک ان ٹچ بھی ہو۔ میرا مطلب ہے اس کی زندگی میں کوئی لڑکی داخل نہ ہوئی ہو مگر یہ یاد رکھو کہ جوانی دیوانی ہوتی ہے۔ اگر تمہاری طرف سے اسے رسپانس نہ ملا تو وہ اپنی دیوانگی کا نشانہ کسی بھی اور جوانی کو بنانے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔ آگے تم سوچ لو کہ تمہیں کیا کرنا ہے' کب کرنا ہے اور کیسے کرنا ہے؟''

''یہی آخری بات تو میری سمجھ میں نہیں آتی۔۔۔'' مائرہ بے بسی سے بولی۔

''یعنی اظہار کیسے کرنا ہے؟''

''ہاں۔'' مائرہ نے اقرار میں سر ہلایا۔

''جس طرح اس نے تمہیں دیکھا تھا' تم اسے کیوں ویسے ہی لک نہیں دیتیں۔ کیا تمہاری آنکھیں خراب ہیں؟''

''میں۔۔۔ میں۔۔۔'' مائرہ کے ماتھے پر پسینہ آ گیا۔

''بکری کی طرح میں میں مت کرو' ورنہ وہ کسی اور بھیڑ کی تلاش میں نکل جائے گا۔ وہی کرو جو اس نے کیا ہے۔ مرد اور عورت کے حقوق برابر ہوتے ہیں۔ اگر وہ تمہیں آنکھیں پھاڑ کر دیکھ سکتا ہے تو تم ایسا کیوں نہیں کر سکتیں۔ اور اگر تم اب بھی ''ناعورت'' ہی رہنا چاہتی ہو تو مجھے حکم دو میں اس سے مل کر تمہارا مسئلہ حل کر دیتی ہوں۔''

''یعنی۔۔۔'' مائرہ نے اسے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔

''میں اس سے مل کر تمہارا حال دل کہہ دوں گی۔ اس سے یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ وہ تم میں دلچسپی رکھتا ہے یا نہیں؟'' نسرین نے لاپرواہی سے کہا۔

''تم ایسا کر سکتی ہو نسرین؟'' مائرہ نے بے یقینی سے پوچھا۔

''کیوں۔۔۔ دو فقرے ہی تو ادا کرنے ہیں۔ کونسا اس سے کشتی کرنی ہے جو پہلے مجھے ڈنڈ پیلنا ہوں گے۔''

''تم سچ کہہ رہی ہو؟'' مائرہ کو اب بھی یقین نہ آیا۔

''مائرہ۔'' نسرین چڑ گئی۔ ''میں تمہاری دوست ہوں جو کہا ہے کر دکھاؤں گی مگر اس کے بعد تمہارا کام ہے بی بی۔ اس کے بعد ملاقات اس سے تم کرو گی۔ اس کے سینے سے تم لگو گی۔ اس

کے ہونٹوں---"

"بکومت-" گھبرا کر مائرہ نے اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا- "جو منہ میں آتا ہے انا شنٹ بکواس کرتی چلی جاتی ہو- کوئی سن لے تو-"

"کوئی نہیں سنتا- یہاں میرے اور تمہارے سوا کون ہے--- اور ہو بھی تو کیا ہے؟ و... میں ایک بات پوچھوں-"

"اچھی بات پوچھنا-" مائرہ نے اسے گھور کر دیکھا-

"یہ کہو تمہارے پاپا سے انکل عابدی بات کر سکتے ہیں اس بارے میں-" نسرین نے اس کی بات پر توجہ دیئے بغیر کہا-

"وہ پاپا سے ہر بات کر سکتے ہیں اور میرا مسئلہ ہو تو وہ پہاڑ سے بھی ٹکرا سکتے ہیں-" مائرہ نے عجیب فخر سے کہا- "وہ بہت چاہتے ہیں مجھے- بالکل بیٹیوں کی طرح اور نسرین ان سے بھی بڑی ایک سفارش ہے میرے پاس-"

"وہ کون ہے؟"

"میری آنٹی صبا انصاری- انکل عابدی کی بیگم-"

"اچھا- مگر وہ کہاں ہیں؟ کبھی دیکھا نہیں ان کو-"

"وہ جاب کے سلسلے میں دوسری جگہ رہتی ہیں-" مائرہ نے اصل بات گول کر دی- "مگر یہ طے ہے کہ ان کی بات نہ انکل عابدی ٹال سکتے ہیں نہ پاپا-"

"تو بس مسئلہ حل ہو گیا- میں یونانی سے مل کر تمہارے لئے راستہ ہموار کرتی ہوں- کا معاملہ تمہاری بیان کردہ صورتحال میں کوئی مشکل نہیں ہے-"

"مگر ذرا سنبھل کر- کوئی بدتمیزی یا ہلکا پن نہ ہونے پائے-"

"چلو چلو---" نسرین نے ہاتھ ہلا کر اس کا مذاق اڑایا- "زیادہ نصیحتیں وہ کرے جو خود کسی کام کا ہو- میں سب دیکھ لوں گی-"

"اور نسرین--- یہ بات اپنے تک ہی رکھنا- دوسری شتونگڑیوں کو مت بتانا پلیز-" مائرہ نے اس کی منت کی-

"دیکھو بھئی- اگر تو معاملہ لیس ہو گیا تو میں سب کے گوش گزار کروں گی اور اگر خدانخواستہ ٹائیں ٹائیں فش ہوا تو یہ وعدہ ہے کہ کبھی زبان پر نہ لاؤں گی-"

"یہ کیا بات ہوئی-" مائرہ گڑبڑا گئی- "وہ تو میرا جینا محال کر دیں گی-"

"یہ سب کہنے کی باتیں ہیں مائرہ بیگم-" نسرین نے مزہ لیتے ہوئے کہا- "تم اوپر اوپر سے

ہو جی چاہے کہو مگر یہ حقیقت ہے کہ جب یہ بیماری آن لیتی ہے تو جی چاہتا ہے کوئی چھیڑے کسی کا نام لے لے کر- کوئی ستائے کسی کا ذکر کر کر کے- کوئی ہنسائے کسی کی باتیں کر کر کے- کوئی رلائے کسی کی یاد دلا دلا کر- کوئی طعنے دے کسی سے تعلق کے--- کوئی بدنام کرے کسی سے منسوب کر کے--- جو لذت اس رسوائی میں ہے وہ کسی احساس عزت میں نہیں ہے- اور تمہارا بھی یہی حال ہوگا- یہ میرا دعویٰ ہے-"

"نسرین-" مائرہ کا رنگ زرد پڑ گیا- "یہ تم نے مجھے کس مصیبت میں ڈال دیا-"

"یہ مصیبت بڑی روح افزا ہوتی ہے مائرہ-" نسرین کی آنکھیں نم ہو گئیں- "میں یہ مصیبت اٹھا چکی ہوں- آج بھی اس کا بوجھ میرے کندھوں پر اپنی صلیب کی طرح لدا ہوا ہے... مگر--- جی ہی نہیں چاہتا کہ یہ عذاب مجھ سے ٹل جائے- اس سے میری جان چھوٹ جائے- بڑے بدنصیب ہوتے ہیں وہ لوگ جو اس سزا' اس سرطان سے بچے رہتے ہیں یا بچنا چاہتے ہیں- یہ دیمک جس روح کو نہ لگے وہ بدروح بن جاتی ہے مائرہ--- اس لئے میرا مشورہ ہے جان! زیادہ مت سوچو- جو ہوتا ہے اسے ہو جانے دو- اور ایک بات اور بتا دوں تمہیں!"

نسرین ایک لمحے کو خاموش ہوئی- مائرہ اسے بڑی گہری نظروں سے دیکھ رہی تھی- بڑے اطمینان سے سن رہی تھی-

"فرض کرو کہ سکندر کو حاصل کرنے میں تم ناکام رہتی ہو' وجہ کوئی بھی ہو-" وہ دوبارہ گویا ہوئی- "تو ایک کسک' ایک تڑپ' ایک احساس جو تمہاری روح میں پھانس بن کر زندگی بھر اترتی رہے گی ناں--- کسی کو نہ پانے کی چبھن اور پہلی محبت کا درد جو آخری سانس تک تمہارے روئیں روئیں میں کروٹیں لیتا رہے گا' وہ تمہیں ایک ایسی اذیت ناک لذت سے روشناس رکھے گا جس کو تم لفظوں میں بیان نہیں کر سکتی- تم اسے لفظوں سے کشید نہیں کر سکتیں- یہ ہونے اور نہ ہونے کی بات تمہیں آتش نمرود میں کود کر ہی سمجھ آئے گی--- طور کی تجلی کا حال سننا اور بات ہے اور اس تجلی کا سامنا کرنا اور بات--- سنو مت--- دیکھو مائرہ--- کھلی آنکھوں سے--- چھو نہ سکو' دیکھ تو لو کہ نور کی تجلی تمہیں بھی راکھ کرتی ہے یا خود میں سمیٹ لیتی ہے-"

"نسرین-" مائرہ کی آواز کسی گہرے کنوئیں سے ابھری-

"گھبراؤ مت مائرہ--- یہ خسارے کا سودا نہیں ہے- یہ واحد تجارت ہے جس میں انسان کھو کر بھی فائدے میں رہتا ہے- اس لئے چپ چاپ من کی آنکھیں کھلی رکھ کر تن کو محبت کے حوالے کر دو- اس پر داغ نہ لگے' احتیاط صرف اتنی ہے- باقی جو ہوگا وہ تمہیں خود بتائے گا کہ تم نے کسی خارزار بہار میں قدم رکھ دیا ہے- زخم پر آتا ہوا انگور جو میٹھی میٹھی اذیت دیتا ہے ناں مائرہ'

اس لذت سے محروم نہ رہو۔ یہ لذت ہی وہ حاصل حیات ہے جس کے لئے سولی بھی پھولوں کی سیج لگتی ہے۔"

نسرین خاموش ہو گئی۔

مائرہ اسے بڑی پرسکون نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

اور ---

دروازے کے باہر شاہینہ پتھر کا وہ بت بنی کھڑی تھی جس پر گذشتہ بیس منٹ سے نسرین لفظوں کے نشتر چلا رہی تھی۔

O

ثمین اور سکندر اس قدر قریب آ چکے تھے کہ ان کے لئے اب دوری ایک مسئلہ بنتی جا رہی تھی۔ ثمین ایک کھاتے پیتے گھرانے کی لڑکی تھی۔ وہ آزادروی کی قائل ضرور تھی تاہم زندگی میں بے راہ روی اس کا منشا کبھی نہ رہا تھا --- مگر سکندر اس کے لئے ایک ایسا نشہ ثابت ہو رہا تھا کہ اس کی قربت میں وہ خود بہک جانا چاہتی تھی۔ اسے خود علم نہ ہو رہا تھا کہ وہ جب بھی سکندر کی طرف دیکھتی ہے تو اس کی آنکھوں سے نکلنے والی مقناطیسی لہریں اسے کیوں اس قدر بے اختیار اور بے حال کر دیتی ہیں کہ وہ اس کی باہوں میں گر جانے کے لئے تیار ہو جاتی ہے۔ کیوں اس کا جی چاہتا ہے کہ وہ اس پر خود کو نچھاور کر دے۔ سکندر کا بدن اس کے لئے ایک ایسی مہک خارج کیوں کرنے لگتا ہے جس کے باعث وہ آپے سے باہر ہو جاتی ہے۔

سکندر کے ساتھ اب تک اس نے تین شامیں گزاری تھیں۔ وہ اسے ہر بار ایک نئے ہوٹل میں لے گیا۔ احتیاط اور رازداری کی شرط اس قدر سخت تھی کہ یہ تینوں ملاقاتیں انہوں نے شہر سے باہر پوش ایریا کے ہوٹلوں میں کی تھیں۔ بات لب و رخسار سے آگے نہ بڑھی تھی جبکہ خود ثمین اس کے لئے ذہنی طور پر بالکل آمادہ تھی۔

سکندر کی بے تابی بھی دیدنی ہوتی تھی مگر بالآخر وہ سنبھل جاتے۔ ہر ملاقات سے واپسی پر جب وہ رات کو بستر پر لیٹتی تو گذشتہ لمحات کو یاد کر کے اس کی حالت دگرگوں ہو جاتی۔ بے اختیار وہ سوچتی کہ وہ سکندر کی سحر انگیز آنکھوں کے آگے کیوں بے بس ہو جاتی ہے۔ مگر جواب اس کی سمجھ میں نہ آتا۔ یہ بھی طے تھا کہ سکندر اس کی شہ پر ہی اتنا آگے بڑھا تھا۔ اگر یہ محبت تھی تو اس کی ابتدا میں جسمانی طلب کا زہر کیوں گھل رہا تھا؟ یہ اس کے لئے سوچنے والی بات تھی --- لیکن اس نے اس صورت حال پر جتنا بھی غور کیا' الجھتی چلی گئی۔ آخرکار جو فیصلہ اس کے ذہن و دل نے دیا وہ یہی تھا کہ وہ سکندر کے لئے جسم کی کیا جان کی قربانی بھی دے سکتی ہے۔ وہ سکندر کی کسی بات سے انکار کر ہی نہیں سکتی۔ وہ جونہی اس کی آنکھوں میں دیکھتا تھا' ثمین کا بدن سپر ڈال دیتا تھا۔ بات ابھی تک انتہائی مراحل میں داخل نہیں ہوئی تھی تاہم اسے یقین تھا کہ اگر کسی روز ایسا نازک لمحہ آ گیا تو وہ انکار نہ کر سکے گی۔

اس خیال نے اسے مضطرب تو کیا- اس کے مضمرات نے اسے الجھن اور پریشانی کے کانٹوں پر ڈالا تو ضرور مگر چند لمحوں کے لئے- انجام کار اس کے خیالات اور جذبات نے سکندر کو اختیار سونپ دینے پر ہی صاد کیا-

دفتری اوقات میں وہ اکثر فون پر باتیں کرتے- انٹرکام اس لئے استعمال نہ کرتے کہ جعفری کسی وقت بھی طلب کر سکتا تھا- چار بجے آفس ٹائم ختم ہو جاتا- اس سے پہلے ایک بار ضرور سکندر اسے کال کرتا- اگر کہیں ملنے کا پروگرام ہوتا تو وہ اسے بتا دیتا- اب تک ایک بار بھی ایسا نہ ہوا تھا کہ اس نے سکندر کو کہیں ملنے کی دعوت دی ہو- اس کی ابتدا بھی سکندر نے کی تھی اور ابھی تک وہی اسے جاری رکھے ہوئے تھا-

دیوار گیر کلاک پر نگاہ پڑی تو شین کو علم ہوا کہ پونے چار ہو رہے ہیں- جعفری جا چکا تھا- وہ ایک بجے گھر جاتا تو پھر کم ہی واپس آیا کرتا تھا- اس نے اپنی سنہری رسٹ واچ پر نظر ڈالی- وقت وہی تھا جو دیوار گیر کلاک پر تھا- اب سکندر کا فون آ جانا چاہیے تھا- ٹھیک اسی وقت فون کی بیل گونج اٹھی-

"یس-" اس نے تیزی سے ریسیور اٹھایا-

"میں ہوں سکندر-" دوسری جانب سے ابھرنے والی آواز نے اسے سر سے پاؤں تک سرشار کر دیا-

"ہوں-" وہ بے اختیار مسکرائی- "فرمایئے-"

"آج رات فلم پر چل سکو گی؟" سکندر نے بے حد میٹھے لہجے میں پوچھا-

"آخری شو؟" بے ساختہ اس کے لبوں سے نکلا-

"ہاں-" سکندر کی آواز سرگوشی میں ڈھل گئی- "بہانہ یہی ہوگا-"

"اور---" اس کا سارا بدن جھنجھنا اٹھا-

"میں نے ہوٹل دی ڈائمنڈ میں کمرہ بک کرایا ہے-"

"کیا؟" اس کا حلق خشک ہو گیا اور آنکھیں دھندلا گئیں-

"کار ہائر کر لی ہے میں نے--- ٹھیک آٹھ بجے میں تمہیں لبرٹی شاپ سے پک کروں گا-" اس کے لہجے میں عجیب سا تحکم ابھر آیا-

"میں--- میں پہنچ جاؤں گی-" الفاظ غیر اضطراری طور پر اس کے ہونٹوں سے نکل گئے-

"شین- -" جذبات میں ڈوبی ہوئی سکندر کی آواز بھرا سی گئی- "اب انتظار نہیں ہوتا-" آخری الفاظ ایک سرگوشی لئے ہوئے تھے جس میں پوشیدہ پیغام نے شین کے جذبات کو جکڑ لیا-

[illegible]کا تم سے ہو رہا ہے؟"

"نہیں---" وہ آنکھیں موند کر کرسی کی پشت سے ٹک گئی- لذت بھری ایک سنسناہٹ اس کے رگ و پے میں اترتی چلی گئی-

"ٹھیک آٹھ بجے-" سکندر کی آواز میں نامعلوم سی غراہٹ تھی جو شین کے لئے حکم بن گئی-

"ٹھیک آٹھ بجے-" اس نے جواباً دہرایا اور فون کا سلسلہ منقطع ہو گیا-

ٹوں ٹوں کی مسلسل آواز نے شین کو جیسے نیند سے بیدار کر دیا- "ٹھیک آٹھ بجے--- ٹھیک آٹھ بجے---" کے الفاظ اپنے سحر آگیں لمس سے اس کے بدن کو چھو رہے تھے- اسے مدہوش کر رہے تھے- اس کا سارا بدن ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو رہا تھا- یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی ہولے ہولے اسے مٹھیاں بھر رہا ہو-

کتنی دیر گزر گئی-

"مس--- کیا ابھی آپ بیٹھیں گی---" چپراسی کی آواز پر وہ چونکی- اس نے اپنے بکھرے جسم کو سمیٹا-

"نہیں- بس پانچ منٹ میں جا رہی ہوں-" وہ اٹھی اور باتھ روم میں چلی گئی- چپراسی کی آمد کا مطلب تھا کہ دفتر بند ہو چکا ہے اور وہ شاید آخری ایک دو افراد میں سے ہے جو آفس میں موجود تھے-

منہ ہاتھ دھو کر اس نے بالوں میں برش کیا- گالوں کو تھپ تھپایا' گلاب ہونٹوں کو مسلا' خود کو الرٹ کیا اور باہر نکل آئی-

دفتر کی سیڑھیاں اترتے ہوئے وہ یہ سوچ رہی تھی کہ رات کو بارہ ایک بجے تک گھر سے غائب رہنے کے لئے کیا بہانہ تراشے کہ گھر والوں کو اس پر شک بھی نہ گزرے اور وہ بآسانی اجازت بھی حاصل کر لے-

اس کے گھر میں والدین کے علاوہ ایک چھوٹا بھائی تھا جو میٹرک کا طالب علم تھا- والد سرکاری ملازم تھا اور والدہ گھریلو خاتون- اس نے بی اے تک تعلیم حاصل کی- پھر کمپیوٹر میں ڈپلومہ لیا- فارغ وقت کے زیاں سے بچنے کے لئے اس نے والدین کی رضامندی سے جاب کر لی- دو سال سے وہ جعفری کی پرسنل سیکرٹری تھی-

اس کے گھر والے تنگ نظر بے شک نہ تھے مگر اتنے روشن خیال بھی نہ تھے کہ بیٹی کو آدھی رات تک گھر سے باہر رہنے کی کھلی چھٹی دے دیتے-

آفس کی گاڑی اسے گھر سے لانے اور واپس گھر پہنچانے پر مامور تھی- وہ گاڑی میں بیٹھی تو

بھی مسلسل بہانہ تراشنے میں مصروف رہی- گھر کے نزدیک ترین شاپ پر جب وہ گاڑی سے نکلی تو اس کو ایک ایسا خیال سوجھ چکا تھا جو یقیناً اسے گھر والوں سے چار پانچ گھنٹے کی چھٹی دلا سکتا تھا۔ مطمئن انداز میں اس نے سر ہلایا اور کامران بلاک میں داخل ہو گئی- کشمیر کالونی کے اس بلاک میں ان کا خوبصورت مکان ان کی خوشحالی کا منہ بولتا ثبوت تھا-



ٹھیک آٹھ بجے ثمین کو لبرٹی شاپ سے سکندر نے پک کر لیا- سرخ چمچماتی کار کا دروازہ کھول کر جب اس نے ثمین کی جانب دیکھا تو اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا- سکندر سیاہ ہائی نیک اور سیاہ پینٹ میں غضب ڈھا رہا تھا اور سکندر کا یہ حال تھا کہ اس کی نظروں میں نیلے گرم شلوار سوٹ میں ملبوس ثمین ٹھنڈک بن کر اترتی چلی گئی- مسحور سی ثمین اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی، دروازہ بند کیا اور سکندر نے گاڑی آگے بڑھا دی-

ثمین کے لئے اپنے گھر والوں کو قائل کرنا کچھ زیادہ مشکل ثابت نہ ہوا- اس نے اپنی ایک فرضی سہیلی کی سالگرہ کا کہہ کر تین چار گھنٹے کے لئے گھر سے باہر رہنے کی اجازت لے لی- عقلمندی اس نے یہ کی کہ سکندر کے موبائل کا نمبر بھی انہیں لکھوا دیا کہ اگر وہ اس سے بات کرنا چاہیں تو یہ اس کی سہیلی کا فون نمبر ہے- گھر والے پوری طرح مطمئن اس لئے بھی تھے کہ مہینے میں ایک دو بار وہ ویسے ہی دس ساڑھے دس بجے رات تک کسی سہیلی، کسی دفتری مصروفیت یا پارٹی کے حوالے سے گھر آنے کی عادی تھی- اس بار اس نے دو گھنٹے بڑھا دیئے تو انہیں زیادہ تردد نہ ہوا- دوسری عقلمندی اس نے یہ کی کہ گھر سے نکلنے سے پہلے سکندر کو موبائل فون پر فون کر کے ساری صورتحال بتا دی تاکہ مشکل وقت آنے پر وہ سنبھال لے- بظاہر اب صورتحال ان دونوں کے قابو میں تھی-

سردیوں کی رات تھی، شہری آبادی سے باہر طبقہ امرا کے قلب میں واقع ہوٹل دی ڈائمنڈ تک جانے والی سڑک یخ اور خاموش تھی- ان جیسے ہی کار سوار بار بار اس چپ کا سینہ ضرور مجروح کرتے تھے- دیگر کوئی ایسی حرکت نہ تھی جو اس ماحول میں گرمی کا عنصر پیدا کر سکتی-

کار خاصی رفتار سے تارکول کی نم آلود سڑک کا سینہ روند رہی تھی- سکندر کی نظریں سامنے ونڈ سکرین پر جمی تھیں- روڈ لائٹس مفرور ماضی کی طرح پیچھے کو بھاگ رہی تھیں- ثمین نے شولڈر بیگ گود میں رکھ لیا اور بالوں کو سنوار کر ایزی ہو کر بیٹھ گئی- بیک مرر میں اس نے دو تین بار خاموش، سنجیدہ اور مطمئن سکندر کی جانب دیکھا- ایک بار ان کی نظریں ملیں تو دھیرے سے دونوں مسکرا

دیئے-

''سب خیریت رہی؟'' سکندر نے گفتگو کی نبض ٹٹولی-

''ہاں-'' ثمین کی نظریں جھک گئیں- ''تمہارا موبائل آن ہے ناں؟''

''ہوں-'' سکندر نے اثبات میں سر ہلایا- پھر سامنے ڈیش بورڈ پر پڑا موبائل اٹھا کر اسے تھما دیا-

ایک بار پھر خاموشی نے پر پھیلا دیئے-

سکندر مرد تھا- اس نے جس انداز میں کھلی کھلی دعوت ثمین کو دی تھی- جواب میں جس خود سپردگی کا ثمین نے اظہار کیا تھا- دونوں باتیں ان کے کردار اور گھریلو ماحول کو سامنے رکھ کر حلق سے نہ اترتی تھیں مگر وقت اس بھید سے پردہ اٹھانے کے لئے تیزی سے دوڑا چلا آ رہا تھا کہ وہ ان چند دنوں میں کیوں اس قدر تیزی سے ایک دوسرے کے قریب آ گئے- کیوں وہ ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہو کر رہ گئے اور کیوں ایک کی بات دوسرے کے لئے حکم بن گئی؟

تقریباً پچیس منٹ بعد سکندر نے گاڑی ہوٹل دی ڈائمنڈ کے جگمگاتے پارکنگ لاٹ میں روکی- ثمین کا ہاتھ تھاما جو گاڑی کے نیم گرم ماحول سے باہر آتے ہی سردی محسوس کرنے لگی تھی اور ہوٹل کے ریسپشن پر چلا آیا-

کمرہ بک تھا- اس نے چابی لی- دونوں لفٹ کے پاس آئے- لفٹ بوائے نے ان کے لئے دروازہ کھولا- دونوں تیسرے فلور پر اتر گئے-

بائیں طرف کاریڈور میں چوتھا کمرہ نمبر دو سو تیس ان کے لئے تھا- سکندر نے کی ہول میں چابی گھمائی- دروازہ کھولا- آگے پیچھے دونوں اندر داخل ہوئے- سکندر نے دروازہ اندر سے لاک کیا- کمرے کی لائٹ آن کی- ثمین نے بیگ ایک طرف صوفے پر ڈال دیا- سکندر نے آگے بڑھ کر کھڑکیوں پر پردے کھینچ دیئے اور پلٹ کر ثمین کی جانب دیکھا جو بند دروازے سے ٹیک لگائے خاموش کھڑی اسے ایک ٹک دیکھ رہی تھی- چند لمحے اسی کیفیت میں گزر گئے-

پھر سکندر نے قدم آگے بڑھایا اور صوفے کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا- ''بیٹھو-''

ثمین نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بڑے نپے تلے قدموں سے فاصلہ طے کیا اور صوفے پر بیٹھ گئی- سکندر اس کے سامنے دوسرے صوفے پر آ بیٹھا-

''ثمین---'' اس نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسا کر اس کی جانب دیکھا- ''تم مجھ سے ناراض تو نہیں ہو؟''

''نہیں---'' اس نے بڑی آہستہ آواز میں جواب دیا اور ذرا سا پیچھے ہو کر ٹیک لگا لی-

''حیران ہوں۔''

''کس بات پر؟''

''کیا تم حیران نہیں ہو سکندر۔'' ثمین نے جواب میں سوال کیا۔ ''ہم پندرہ سولہ دنوں میں اس قدر قریب آ گئے ہیں کہ یہاں۔۔۔'' وہ خاموش ہو گئی۔ اس کی زبان شاید آج کی اس ملاقات کے ذکر پر بل کھا گئی تھی۔

''نہیں۔ میں حیران نہیں ہوں۔'' سکندر نے بھی خود کو ایزی کر لیا۔

''وہ کیوں؟'' ثمین کے لہجے میں حیرت تھی۔

''ثمین۔'' سکندر نے صاف لہجے میں الفاظ کو تولتے ہوئے کہا۔ ''کیا تم پہلی نظر کی محبت کی قائل ہو۔''

''کتابوں میں پڑھا ہے۔''

''اب بھی قائل نہیں ہو؟ آج کی اس ملاقات کے بعد بھی۔'' سکندر نے اسے غور سے دیکھا۔

''اگر یہ محبت ہے تو میں قائل ہو جاتی ہوں مگر سکندر۔۔۔ نجانے کیوں یہ محبت کے علاوہ بھی کچھ ہے' یہ احساس مجھے بار بار ستاتا ہے۔''

''ہاں۔۔۔'' سکندر کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ آ گئی۔ ''یہ محبت کے علاوہ بھی کچھ ہے۔ یہ میں خوب جانتا ہوں اور یہ صرف میں ہی جانتا ہوں۔''

''کیا۔۔۔ کیا ہے یہ؟'' وہ تجسس سے بولی۔

''یہ طلب ہے ثمین۔۔۔ یہ پکار ہے۔۔۔ یہ وصال کی پیاس ہے۔'' سکندر نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ ''کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔''

''نہیں۔'' وہ سکندر کی آنکھوں میں نمودار ہوتی بلوریں چمک میں نہا کر رہ گئی۔

''تم درست کہہ رہے ہو مگر میں اس طلب' اس پکار' اس پیاس سے اب تک انجان کیوں تھی۔۔۔ تمہیں نے اس سوئی ہوئی کیفیت' اس خوابیدہ جذبے میں آگ کیوں لگا دی۔ کوئی اور۔۔۔''

''ہو ہی نہیں سکتا تھا ثمین۔'' سکندر نے اس کی بات کاٹی بھی اور پوری بھی کر دی۔ ''میرے علاوہ اس وقت کوئی تم تک یہ پیغام وصل لے کر آتا' یہ ممکن ہی نہیں تھا۔ یہ جبلت کا تقاضا ہے۔ یہ وہ بھید ہے جسے میں سمجھتا ہوں۔ تمہیں سمجھا سکتا ہوں۔ تیسرا کوئی اسے آسانی سے سمجھ لے' جان لے' یہ ناممکن ہے۔''

''یہ تمہاری آنکھوں میں کیا ہے سکندر۔'' وہ مخموری ہو گئی۔ ''یہ چمک' یہ روشنی' یہ زہریلا نشہ کیا ہے جسے میں وصول کرتی ہوں تو آپے سے باہر ہو جاتی ہوں۔ میرا جی چاہتا ہے میں خود کو تم پر نچھاور کر دوں۔ میں کہنے پر مجبور ہوں کہ میری یہ کیفیت تم سے پہلی نظر ملنے پر ہی ہو گئی تھی۔ میں ہوش سے عاری اور جذبات میں گم ہو گئی تھی۔ پھر جب ذرا سنبھلی تو اپنے خیالات پر کٹ کر رہ گئی لیکن سکندر۔۔۔ آج یہ حال ہے کہ میں تمہارے ایک اشارے' ایک بلاوے' ایک صدا پر لپکی چلی آئی ہوں۔ ان دو ہفتوں میں ہم ایک دوسرے سے فون پر جو باتیں کرتے رہے ہیں کیا وہ ایک عام لڑکا لڑکی کر سکتے ہیں۔ ہم جذبات کی جن گہرائیوں میں ڈوب ڈوب کر ابھرتے رہے ہیں کیا وہ کسی اور کے بس کی بات ہے۔ ہرگز نہیں۔ اور یہ کیسی انہونی بات ہے سکندر کہ میں ایک باعزت گھرانے کی شریف زادی تم پر اپنا تن من نثار کرنے آئی بیٹھی ہوں۔۔۔ کیا یہ محبت ہے؟''

''ہاں ثمین۔'' سکندر کا چہرہ جذبات سے سرخ اور آواز عجیب غراہٹ آمیز ہو گئی۔ ''یہ محبت ہے۔۔۔ اور یہ عام انسانوں کی محبت نہیں اس لئے کہ نہ میں ایک عام مرد ہوں نہ تم ایک عام لڑکی ہو۔''

''یعنی؟'' ثمین بے خود ہو کر بھی ابھی تک حواس میں تھی۔

''تم۔۔۔'' اس نے ہاتھ اس کی طرف دراز کیا۔ ''تم چودھویں کی رات میں جنم لینے والی وہ انوکھی لڑکی ہو جس پر صرف اور صرف میرا حق ہے۔ تمہاری جبلت مجھ پر ہے۔ تم صرف میرے لئے بنی ہو۔۔۔ میں تمہارا نر ہوں ثمین۔''

اور۔۔۔ یوں لگا جیسے ثمین کے دماغ پر پڑے سارے پردے ایک ایک کر کے اٹھ گئے ہوں۔ اس کا شعور' لاشعور میں یوں ضم ہو گیا جیسے دونوں کا وجود ایک ہو گیا ہو۔ اس کی آنکھوں میں ایک نشہ سا لہرایا۔ وہ جھوم کر اٹھی اور لڑکھڑا کر رہ گئی۔

''اب میں سمجھی سکندر۔۔۔ اب میں سمجھی کہ میں آج تک کسی اور کی طرف متوجہ کیوں نہ ہو سکی۔ کوئی مجھے متاثر کیوں نہ کر سکا۔ اور کیوں پہلی ہی نظر میں تم مجھ پر چھاتے چلے گئے۔''

جھومتی ہوئی وہ دو تین قدم آگے آ گئی۔

''ہاں۔۔۔ اب میں سمجھی کہ یہ وہ حیوانی جبلت تھی جس کی مقناطیسی لہریں تم تک اڑ کر جا پہنچیں۔۔۔ لیکن سکندر۔ دو باتیں مجھے الجھا رہی ہیں۔''

''کونسی باتیں ثمین۔'' سکندر قالین پر گر سا پڑا۔ ''پوچھو جو پوچھنا چاہتی ہو۔ تمہیں پوری طرح مطمئن کرنے سے پہلے میں تمہیں چھونا نہیں چاہوں گا۔''

''پہلی بات یہ سکندر۔۔۔ کہ چودھویں کی رات میں تو بے شمار لڑکیاں پیدا ہوئی ہوں گی۔''

''میں سمجھ گیا تم کیا پوچھنا چاہتی ہو۔'' وہ اب بھی براہ راست اس کی نشیلی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ ''ہاں۔ یہ درست ہے کہ چودھویں کی رات میں درجنوں لڑکیاں پیدا ہوئی ہوں گی مگر۔۔۔ اس ایک لمحے میں جب میں نے جنم لیا' ایک ہی پیدا ہوئی ہو گی اور وہ تم ہو۔۔۔ اسی لئے تمہارے بدن' تمہارے جذبات اور تمہاری فطرت نے آج تک میرا انتظار کیا اور میرے سامنے آتے ہی مجھ پر ٹوٹ پڑی۔ ہم دونوں کی جبلت حیوانی ہے ثمین۔''

''آ۔۔۔ہ۔'' ثمین کے ہونٹوں سے لذت بھری آواز خارج ہوئی۔ ''تو پھر یہ بھی بتا ڈالو کہ ہمارے اس وصال کا انجام کیا ہو گا؟''

''ہم انسانی بدن میں قید ہیں ثمین۔۔۔ ہمیں انسان بن کر ہی رہنا ہو گا۔ میں تم سے شادی کروں گا۔''

''تو پھر یہ سب آج' ابھی کیا ضروری ہے؟'' انسانی ماحول کی پروردہ ثمین نے مدھ بھری آنکھوں سے سکندر کو جیسے پی جانا چاہا۔

''ہاں۔۔۔'' سکندر نے اس کی نگاہوں سے رابطہ توڑا اور اٹھ کر لائٹ آف کر دی۔

''کیوں؟'' ثمین نے بے ساختہ کہا۔ اندھیرے میں وہ بالکل صاف دیکھ رہی تھی۔

''اس لئے۔۔۔'' سکندر نے ایک دم آگے بڑھ کر کھڑکی کا پردہ کھینچ دیا۔۔۔ ''کہ آج چودھویں کی رات ہے۔''

دیوار گیر شیشے میں سے چھن کر اندر آتی چاندنی نے ثمین کو دور آسمان پر دمکتے چاند کی جانب متوجہ کر دیا۔

کمرے میں چاندنی کا سیلاب سا آ گیا۔ جہاں ثمین موجود تھی صرف وہاں اندھیرا تھا جو اب نیم اجالا لگ رہا تھا۔

''سکندر۔۔۔'' ثمین اٹھی اور جیسے نشے میں جھومتی ہوئی اس کی طرف بڑھی۔

''ثمین۔۔۔'' اس نے پلٹ کر اسے باہوں میں بھر لیا۔ ثمین کی آنکھیں بھی بلور ہو چکی تھیں۔

''سکندر۔۔۔ مائی پینتھر۔۔۔'' ثمین نے دوبارہ اسے پکارا تو اس کی آواز میں وہی غراہٹ رقصاں تھی جو سکندر کے لہجے میں خاص خاص مواقع پر ابھر آتی تھی۔

پھر دو سائے ایک دوسرے میں مدغم ہوتے چلے گئے۔

اور۔۔۔ کمرے کی فضا غیر انسانی غراہٹوں سے آباد ہوتی چلی گئی۔

O

''**عابدی**۔۔۔ یہ اچانک جانے کا پروگرام کیسے بن گیا تمہارا؟'' جعفری نے اس کی بات سن کر کہا۔

''اچانک کہاں یار۔'' عابدی نے سگریٹ کا کش لے کر جواب دیا۔ ''دو مہینے سے اس سیمینار کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ میں نے بھی اپنی ریسرچ میں کچھ خاص پوائنٹس کے حوالے سے لیکچر تیار کیا ہے۔ آکلٹ سائنس کا یہ سیمینار شاید میرے لئے کوئی ایسی راہ متعین کر دے جو وہاں آئے ہوئے دوسرے شرکاء کی بحث و تمحیص سے نکلتی ہو۔''

''کتنے دنوں کا ٹور ہے۔''

''ایک ماہ پانچ دن کا۔ پانچ سیشن ہیں اور میرا نام آخری سیشن کے شرکاء میں شامل ہے۔''

''تم ہو ہی اسی قابل کہ تمہیں آخر میں رکھا جائے۔ پھسڈی کہیں کے۔'' جعفری نے اس کا مذاق اڑایا۔

''لاحول ولاقوۃ۔'' عابدی کا منہ بن گیا۔ ''کیسے جاہل آدمی سے پالا پڑ گیا ہے۔''

''اس میں جاہلوں والی کیا بات ہے؟ کیا میں نے غلط کہا۔ سکول میں بھی نالائق طالب علموں کو آخری بنچوں پر بٹھایا بلکہ کھڑا رکھا جاتا ہے۔''

''اب جواب دینا ضروری ہو گیا ہے۔'' عابدی سیدھا ہو بیٹھا۔ ''تم یہ بتاؤ تم نے کبھی پاکستان کی پنجابی فلمیں دیکھی ہیں؟''

''ہاں۔'' جعفری نے سوچ کر کہا۔ ''بیس پچیس سال پہلے تک تو دیکھتا رہا ہوں۔ اب جب سے بھڑووں نے انڈسٹری پر مکمل طور پر قبضہ کر لیا ہے تب سے توبہ کر لی ہے۔''

''اچھا۔ اخبار تو روز دیکھتے ہو؟''

''ہاں۔''

''اس میں فلمی اشتہار بھی نظر سے گزرتے ہوں گے۔''

''مجبوری ہے۔''

''اچھا۔ مجبوراً ہی سہی مگر یہ تو تم نے دیکھا ہو گا کہ فلم کے سب سے اہم کردار کا نام اکثر

کاسٹ کے آخر میں آتا ہے- جیسے" اور شیطان--- بطور لا کڑا کا کڑا-"

"ہاں- یہ بھی دیکھا ہے-"

"تو بھائی میں وہی بطور ہوں جو سب سے اہم شخصیت ہے اور اسے سیمینار کے آخر میں رکھا گیا ہے-"

"یعنی تم شیطان ہو اور تمہاری اصلیت لا کڑا کا کڑا ہے-" جعفری نے اس کو گھستے ہوئے کہا-

"وہ تو میں نے مثال دی ہے-" عابدی انڈسٹری کا مذاق اڑاتے اڑاتے خود پھنس گیا-

"تو میں بھی تمہاری دی ہوئی مثال ہی سے تمہارے بارے میں Guess کر رہا ہوں پروفیسر عابدی- اپنے پاس سے تو کچھ نہیں کہہ رہا-"

"اچھا بھئی' تم جو کہو درست ہے- پھر اب کیا لٹھ مارنا چاہتے ہو؟" عابدی زچ ہو گیا-

"صرف یہ کہنا چاہتا ہوں بلکہ تمہیں ایک بار پھر سمجھانا چاہتا ہوں عابدی ڈیئر-" جعفری سنجیدہ ہو گیا- "کہ اس فضول ریسرچ کو گولی مار دو- کیوں اپنی اور صبا کی زندگی میں مسلسل زہر گھول رہے ہو- اب بس کرو- ختم کرو یہ ڈرامہ- اگر تمہاری انا کا مسئلہ ہے تو میں اس دیوی کو جا کر لے آتا ہوں مگر پلیز--- اب بس کر دو یار- زندگی ہے ہی کتنی جو تم اسے تجربوں کی نذر کرنے پر تلے ہوئے ہو-"

عابدی آج پہلی بار خاموش رہا- ورنہ وہ اس سے پہلے ہمیشہ جعفری کی ایسی کسی بھی بات پر بھڑک کر بول اٹھتا اور اس کی کسی بھی دلیل سے متفق ہونے کو گناہ کہا کرتا تھا- اسے خاموش دیکھ کر جعفری کو شہ ملی-

"اور سنو میرے یار-" وہ دل کے پھپھولے پھوڑنے پر آ گیا- "میری تنہا اور خاموش زندگی میں تو مائرہ جیسا گلاب کھل اٹھا جس نے مجھے خزاں رسیدہ اور خزاں گزیدہ ہونے سے بچا لیا- تم نے تو ایسی بھی کوئی کیاری نہیں لگائی جس کے سہارے وہ بے چاری شب و روز کا غم غلط کر لے- کیوں زندگی کی بددعائیں لے رہے ہو عابدی- جب تمہاری زندگی کے یہ لمحے خدا کے حضور جا کر تمہاری شکایت کریں گے' تب کیا کرو گے تم--- کیا جواب دو گے وہاں کہ تم نے اللہ کی سب سے بڑی نعمت کا کفران کیوں کیا؟ حیوانوں کی جبلت اور فطرت پر ریسرچ کر کے تم کیا ثابت کرنا چاہتے ہو- جو بھید خود اللہ نے چھپا کر رکھا ہے اسے کیوں آشکارا کرنا چاہتے ہو-"

"تحقیق کوئی گناہ تو نہیں ہے جعفری!" عابدی نے بڑے کمزور لہجے میں کہا-

"کسی کی نجی زندگی میں جھانکنے والے کی آنکھ پھوڑ دینے کا حکم ہے شرع میں--- تم ان

بے زبانوں کو ننگا کرنا چاہتے ہو جو تمہارے لئے چڑیا گھر میں پانچ روپے کی اس ٹکٹ کے عوض مرتے دم تک تماشہ بنے رہتے ہیں جس کے بدلے ان کو پیٹ بھر خوراک بھی نہیں ملتی- ڈرو عابدی- اللہ سے ڈرو- جو تم ثابت کرنا چاہتے ہو وہ اجتماعی تو کیا انفرادی مسئلہ بھی نہیں ہے جس کا حل بہت ضروری ہو' یا انسانیت کے لئے فائدہ مند ہو- تم تو محض اپنے چسکے' اپنے ذہنی خناس کی تسکین کے لئے یہ سب کر رہے ہو- ہوش میں آؤ- مت کرو ایسا- تم اپنا اعمالنامہ بغیر کسی لذت کے گناہ آلود کرنے جا رہے ہو بلکہ کئے جا رہے ہو-"

"بس کر دو یار- کیوں بددعائیں دے رہے ہو-" عابدی جیسے گھبرا گیا-

"تم تو خود بددعا ہو عابدی-" جعفری کا لہجہ تھک سا گیا- "میں تمہیں کیا بددعا دوں گا- تم تو وہ منحوس شخص ہو جو ایک معصوم کو بدروح بن کر چمٹ گئے ہو-"

"صبا---" بے اختیار عابدی کے ہونٹوں پر ایک لفظ مچلا-

"ہاں-" جعفری نے زور سے سر جھٹکا- "اس بے گناہ کا فون آیا تھا صبح-"

"خیریت ہے ناں-" عابدی بے تاب سا ہو گیا- "کیا بات تھی- کیوں فون کیا تھا اس نے--- میں کہاں تھا؟ مجھے فون کیوں نہیں کیا اس نے؟ تمہیں کیوں کیا؟" عابدی کا جیسے سارا زہر نکل گیا-

"کیا بات تھی؟" جعفری تلخی سے بولا- "تم کیسے مرد ہو عابدی- وہ تمہاری بیوی ہے اور بات تم مجھ سے پوچھتے ہو-"

"ہاں-" وہ بھی تلخ ہو گیا- "کیونکہ اس نے مجھے فون نہیں کیا- تمہیں کیا--- تو اب میں تم ہی سے پوچھوں گا ناں؟"

"بات یہ تھی کہ اسے تمہارے سیمینار میں جانے کی اطلاع مل گئی ہے- وہ سوختہ ساماں پوچھ رہی تھی کہ کیا تم ڈاکٹر عابدی اس سیمینار میں جا رہے ہو- کتنے دن کے لئے جا رہے ہو؟ کب لوٹو گے؟ جب فون آیا تو تم سو رہے تھے' آرام کی نیند- ساری رات جاگ کر شاید لیکچر تیار کرتے رہے تھے- میں نے دو تین بار انٹرکام پر تمہیں کنکٹ کرنا چاہا- تم نہیں جاگے تو اس نے اپنے دل کے پھپھولے میرے ساتھ پھوڑ ڈالے-"

"میں--- میں اسے آج فون کرنے ہی والا تھا-" عابدی شکست خوردہ لہجے میں بولا-

"تین دن پہلے تمہیں سیمینار کا دعوت نامہ اور ایئر ٹکٹ ملا- کل تمہاری فلائٹ ہے اور آج تم اسے فون کرنے والے تھے- کیا احساس مروت ہے- کیا محبت ہے- کیا تعلق ہے--- واہ-" جعفری اس سے لڑنے پر اتر آیا-

''میں سچ کہہ رہا ہوں جعفری۔'' عابدی نے اسے یقین دلانا چاہا۔ ''میں کل سے اسے فون کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا' وقت ہی نہیں ملا۔''

''حیرت ہے۔'' جعفری نے اسے کڑی نظروں سے گھور کر دیکھا۔ ''مگر مجھے حیرت نہیں ہونی چاہیے۔ میں غلط ہوں یہاں۔۔۔ تم نے جس کام کے لئے گھر برباد کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اس کام سے تمہیں فرصت مل جائے' یہ حیرت کی بات ہے۔''

''بس کرو یار۔ اب کیا مار ڈالو گے؟'' عابدی نے سر جھکا لیا اور ناخن دانتوں سے کترنے لگا۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

''کاش میں تمہیں مار سکتا عابدی۔'' جعفری ٹوٹ سا گیا۔ ''کاش! تم میرے دوست نہ ہوتے۔۔۔ کاش! صبا میری سگی بہن ہوتی تو تم جیسے آدمی سے میں اپنے ہاتھوں اسے طلاق کرا کے اپنے گھر لے آتا۔''

ایک جھٹکے سے عابدی کا سر جھک گیا۔ اس نے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے۔

''مت کہو ایسا جعفری۔۔۔ یہ تصور ہی میرے لئے سوہان روح ہے کہ صبا مجھ سے ہمیشہ کے لئے چھن جائے۔''

''اب کیا اسے حاصل کر رکھا ہے تم نے!''

''ہاں۔۔۔'' اس نے سر اٹھایا تو اس کی آنکھیں نم دیکھ کر جعفری خاموش رہ گیا۔

''وہ میرے دل میں رہتی ہے۔ میری دھڑکنوں میں بستی ہے۔ تم کیا جانو جعفری۔ میں اس کے بغیر راتیں کیسے گزارتا ہوں۔ دن کیسے کاٹتا ہوں۔ وہ پاس تھی تو میں مطمئن رہتا تھا کہ وہ میری زندگی میں شامل ہے۔ وہ دور ہے تو احساس ہوتا ہے میں اس کے بغیر جی نہیں رہا' محض سانس لے رہا ہوں اور سانس تو وہ خزاں گزیدہ درخت بھی لیتا ہے جعفری جس کے سارے پتے جھڑ جاتے ہیں۔ جس پر ہر کوئی شاخ سرسبز نہیں ہوتی اور جس پر کوئی پھل نہیں لگتا۔''

''اپنی اس حالت کے ذمے دار تم خود ہو۔''

''میں نے کبھی اسے یا کسی اور کو الزام بھی تو نہیں دیا۔''

''پگلے۔۔۔ جب تم اس سے اتنا پیار کرتے ہو تو یہ دوریاں سمیٹ کیوں نہیں لیتے؟'' جعفری پھٹ پڑا۔

''سمیٹ لوں گا۔۔۔ بہت جلد۔۔۔ بس اس سیمینار سے لوٹ آؤں۔''

''دیر کرتے جا رہے ہو عابدی۔''

''دیر کر رہا ہوں۔ بہت دیر کرنے سے پہلے سنبھل جاؤں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے تم سے۔''

عابدی نے آنکھیں خشک کرتے ہوئے کہا۔

''میری ایک بات مانو گے؟''

عابدی نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔

''صبا کو ساتھ لے جاؤ۔''

''نہیں جعفری۔۔۔'' عابدی نے شدت سے نفی میں سر ہلایا۔ ''جس عذاب نے میری صبا کو زہر آلود کر دیا' میں اس کی پرچھائیں بھی اب اس پر پڑنے نہیں دینا چاہتا۔ میں نے کہا ناں کہ میں سیمینار سے واپسی پر یہ قصہ ختم کر دوں گا۔ آر یا پار۔ نتیجہ جو بھی نکلے' میں اب اس کے دامن میں سمٹ جانا چاہتا ہوں۔۔۔ یہ پانچ ہفتے نہیں پانچ صدیاں ہیں جعفری جو مجھے یہ سوچ سوچ کر گزارنا ہیں کہ ان کھائیوں کے پار میری زندگی کی حسین ترین صبح میری منتظر ہے۔''

''لگتا ہے تم کسی نتیجے پر پہنچ چکے ہو اپنی ریسرچ کے سلسلے میں۔'' جعفری نے لیک دم موضوع بدل دیا۔

''کسی حد تک۔۔۔'' عابدی نے اس کی طرف دیکھا۔ ''اگر تم اس درندے کو جان سے نہ مارتے تو شاید اب تک میں کام ختم کر چکا ہوتا۔''

''وہ میری مجبوری تھی عابدی۔ اس پر بحث کرنا فضول ہے۔''

''میں سمجھتا ہوں۔۔۔ ارے ہاں۔ وہ سکندر خان لودھی کا کیا حال ہے؟''

''اے ون یار۔'' جعفری نے ماحول کی خوش گواریت کو لپک لیا۔ ''اس نے تو دنوں میں کام سمجھ بھی لیا اور سنبھال بھی لیا ہے۔''

''ویری گڈ۔'' عابدی نے مسکرا کر کہا۔ ''اس کا مطلب ہے وہ تمہاری توقع پر پورا اترا۔''

''اس سے بھی زیادہ یار۔''

''اچھا ہے۔ سال چھ مہینے گزر جائیں تو اس کے لئے ایک اچھی سی لڑکی ڈھونڈ کر چار کلمے بھی پڑھا دینا۔''

''چھوڑو یار۔'' جعفری نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''اب کیا میں میرج بیورو بھی کھول ڈالوں۔''

''یہ بات نہیں جعفری۔'' عابدی نے دھیرے سے کہا۔ ''تم نے اگر پودا لگایا ہے تو اس کی دیکھ بھال بھی کرو۔ اسے اپنے تعاون کی اس آب پاشی سے محروم نہ کرو جس کے بل بوتے پر اسے اپنی جڑیں مضبوط بنانی ہیں اور سرو قد ہو کر لہرانا ہے۔''

''مگر عابدی۔۔۔''

''اس کا دنیا بھر میں کوئی نہیں ہے جعفری اور پھر یہ ضروری بھی نہیں کہ تمہیں یہ کام کرنا ہی

پڑے۔ وہ جوان ہے۔ سمجھدار ہے۔ ہوسکتا ہے ایک دن وہ خود آ کر تمہیں یہ کہے کہ کسی ایسی لڑکی سے اس کی شادی کروا دو جسے وہ پسند کر چکا ہے۔"

"ہاں۔ یہ بھی ممکن ہے۔" جعفری نے پرخیال انداز میں کہا۔

"اور اگر ایسا نہ ہوا تو میری نظر میں ایک ایسی لڑکی ہے جو اس کے لئے بے حد موزوں رہے گی مگر شرط وہی ہے کہ پہلے وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو جائے اور خود اس کی خواہش بھی ہو کہ ہم اس کے لئے کچھ کریں۔"

"کون لڑکی ہے وہ؟" جعفری نے آواز دبا کر پوچھا۔

"ہے کوئی۔۔۔" عابدی نے کچن میں کھنکھناتے برتنوں کی آواز پر دھیان دیتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔ "وقت پڑے گا تو بتا بھی دوں گا۔"

"اب کیا مجھ سے بھی چھپاؤ گے؟" جعفری نے گلہ کیا۔

"چھپا نہیں رہا۔ تمہارا امتحان لے رہا ہوں۔ تم بھی آنکھیں کھلی رکھ کر تلاش کرو۔ مل جائے تو دونوں کسوٹی کسوٹی کھیل لیں گے۔ شرط کوئی بڑی سی سوچ رکھنا۔ کیونکہ مجھے یقین ہے تم ہار جاؤ گے۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔ میں کوئی نجومی ہوں یا جاسوس؟" جعفری الجھ گیا۔

"یہ تم جانو۔ میں مائرہ کو پیکنگ کا کہہ آیا تھا ذرا جا کر دیکھ لوں۔" عابدی اٹھا اور یہ جا وہ جا۔ جعفری اسے دروازے سے نکل کر جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اس کا دماغ تیزی سے ارد گرد کو ٹٹول رہا تھا۔ وہ اس لڑکی کو تلاش کر لینا چاہتا تھا جو عابدی کے سامنے اسے سرخرو کر سکتی تھی۔



شاہینہ کو ایکدم چپ سی لگ گئی۔

اس بات کو جعفری اور مائرہ نے بڑی شدت سے محسوس کیا۔ باتوں باتوں میں اسے کریدنا بھی چاہا مگر اس نے مسکرا کر بات ٹال دی۔ بظاہر کوئی ایسی وجہ بھی نہ تھی جو اس کے اس رویے کی عکاس ہوتی اس لئے دونوں باپ بیٹی نے زیادہ اصرار نہ کیا تاہم دل ہی دل میں وہ دونوں اس کی خاموشی سے فکرمند تھے۔ عابدی اپنے ٹور پر چلا گیا۔ وہ موجود ہوتا تو شاہینہ کی چپ کا تالا بآسانی کھل جاتا۔ اس کی صلاحیتوں پر جعفری کو ایسا ہی اعتماد تھا۔

شاہینہ نے بہت کوشش کی کہ اس کے کسی انداز سے اس کی پریشانی ظاہر نہ ہو وہ لئے دیئے

رہے اور گھر کے افراد اس کی کیفیت میں تبدیلی کو محسوس نہ کر سکیں مگر یہ کیسے ممکن تھا کہ دل میں آگ لگی ہو اور دھواں دکھائی نہ دے۔ یہ الگ بات ہے کہ دیکھنے والے اسے کچن کی چمنی سے نکلنے والا دھواں سمجھتے رہیں۔

جس دن بلکہ جس پل سے اس نے نسرین اور مائرہ کی باتیں سنی تھیں' اس کے لئے سانس لینا دوبھر ہو گیا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ مائرہ' سکندر میں دلچسپی لے گی۔ سکندر ایک نظر کیا ہزار بار جائزہ لینے پر بھی مائرہ کی کلاس کا آدمی نہ تھا۔ جعفری کے بارے میں اسے یقین تھا کہ وہ اتنا کڑوا گھونٹ اگر مائرہ کی خوشی کے لئے پی لے تو اور بات ہے ورنہ وہ اس بارے میں سوچنے پر بھی تیار نہ ہوگا۔ عابدی کو اپنی ڈھال بنانے کی بات کر کے مائرہ نے شاہینہ کی آخری امید پر بھی اپنا حق جتا دیا تھا۔ دل کے کسی نیم روشن گوشے میں وہ بھی یہ آس چھپائے بیٹھی تھی کہ اگر ضرورت پڑی تو وہ عابدی کو اپنی رضا سے آگاہ کر کے راستہ آسان بنا لے گی مگر۔۔۔ اب تو یہ بات بھی بعید از امکان ہو گئی تھی۔ اس نے مسلسل سوچ سوچ کر نیند کو اپنا دشمن بنا لیا۔ رات رات بھر جاگنے' کروٹیں بدلنے اور بے آرامی نے اسے دھیرے دھیرے چاٹنا شروع کر دیا۔ چند ہی دنوں میں اس کا سرخ و سفید رنگ پھیکا پڑ گیا' آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے' ہونٹوں کی سرخی میں سفیدی در آئی۔

سکندر مسلسل اسے لفٹ دے رہا تھا۔ وہ اسے براہ راست اب تاکنے لگا تھا۔ وہ جب بھی کھڑکی میں نظر آتی سکندر اپنے کمرے کے دروازے یا کھڑکی میں جم جاتا۔۔۔ آج تیسرا دن تھا کہ وہ اسے نظرانداز کر رہی تھی۔ اتنی ہمت تو اس میں نہ تھی کہ وہ کچن کی وہ کھڑکی بند کر دیتی جس سے وہ سکندر کو اور سکندر اسے دیکھتے تھے' تاہم اس نے باجبر و اکراہ یہ ضرور کیا کہ سکندر کی طرف دیکھنا بے حد کم کر دیا۔ اگر بے خیالی میں اس کی نظر سکندر پر پڑ ہی جاتی تو وہ فوراً نگاہوں کا زاویہ بدل لیتی اور یہ بھی حقیقت تھی کہ یہ بے خیالی' یہ کم نگاہی اس کی خواہش کی وہ انتہا ہوتی تھی جہاں پہنچ کر وہ بے بس ہو جاتی اور ایک نظر سکندر کو دیکھ لینے سے باز نہ رہ پاتی تھی تاہم وہ ظاہر یہی کرتی کہ بے دھیانی اور روا روی میں اس کی نظر سکندر پر پڑ گئی ہے۔

سکندر اس کے ایکدم بدلتے رویے سے پریشان نظر آنے لگا۔ اس کی بے کلی بڑھ گئی۔ وہ بغیر کسی وجہ کے شاہینہ کے بدلتے رویے سے الجھ کر رہ گیا۔ کہاں تو وہ گھنٹوں سکندر کے لئے کھڑکی میں کھڑی مسکراتی رہتی تھی اور کہاں اب وہ اس پر ایک نگاہ غلط انداز ڈالنے سے بھی کترانے لگی تھی۔

رات کے نو بج رہے تھے۔ سکندر اپنے کمرے کی لائٹ آف کر کے کھلی کھڑکی میں دونوں بازو سینے پر باندھے کھڑا ایک ٹک کچن کی جانب دیکھ رہا تھا۔ کھڑکی کھلی تھی۔ شاہینہ کام کر رہی تھی۔

کچن خاصا بڑا بلکہ چھوٹے موٹے کمرے کے برابر تھا- وہ ادھر ادھر چلتی پھرتی نظر آ رہی تھی- آدھ گھنٹے سے اوپر ہو چکا تھا مگر شاہینہ نے ایک بار بھی سکندر کی جانب بھولے سے بھی نہ دیکھا تھا-

سکندر صاف دیکھ رہا تھا کہ شاہینہ کا مرجھایا ہوا چہرہ اور جھکا ہوا سر اس کی کسی ایسی کیفیت کی پردہ داری کر رہے ہیں جسے وہ بامر مجبوری زبردستی چھپانا چاہ رہی ہے- اندھیرے میں ایک دم سکندر کی آنکھوں میں وحشت روشنی کی لہر بن کر تڑپی- اس کی آنکھوں میں پل بھر کو دو بلب جلے اور بجھ گئے-

اس نے بازو سینے پر سے کھولے- ایک بار بڑی گہری نظروں سے شاہینہ کی جانب دیکھا جو اس کی طرف سے رخ پھیرے خاموش کھڑی شاید چولہے پر دھری کافی یا چائے کے تیار ہو جانے کی منتظر تھی- سکندر کے ہونٹ وا ہوئے- ایک ہلکی سی آہ اس کے لبوں سے نکلی اور وہ کھڑکی سے ہٹ گیا-

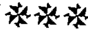
اسی لمحے بے اختیار شاہینہ نے سر گھما کر سکندر کے کمرے کی جانب دیکھا- وہاں اندھیرے میں پیچھے ہٹتا سکندر اس سے چھپ نہ سکا- کیونکہ لان میں جلتی روشنیوں کے نیم اجالے میں اس کی سفید قمیض دور سے بھی صاف نظر آ رہی تھی-

پیچھے ہٹتا سکندر لپک کر پھر کھڑکی کے پاس چلا آیا- ہونٹ کاٹ کر شاہینہ نے اس کی طرف جن درد بھری نظروں سے دیکھا وہ سکندر کے لئے تازیانہ بن گئیں- آہستہ سے گردن گھما کر شاہینہ نے دوسرے ہاتھ کی پشت سے آنکھوں کی نمی پونچھ ڈالی اور کھڑکی سے ہٹ گئی- شاید چائے کا پانی ابل گیا تھا-

سکندر کے لئے یہ قیامت کا منظر تھا- وہ بے چینی کے عالم میں کھڑکی کی چوکھٹ پر ہاتھ مار کر رہ گیا- ایک بار اس کا جی چاہا وہ چوکھٹ پار کر کے بھاگتا ہوا جائے اور کچن کی کھڑکی سے اندر کود کر شاہینہ کو جا لے- اس نے بڑی مشکل سے خود کو اس اقدام سے روکا- دل میں اس نے فیصلہ کر لیا کہ موقع پاتے ہی وہ شاہینہ سے ملے گا- اب وہ دور دور کے اشاروں میں نہیں اس سے روبرو ہو کر زبانی بات کرنا چاہتا تھا- اس کا دل اس کے ہاتھوں سے نکلا جا رہا تھا- سینے میں جیسے دھواں بھر گیا- سانس رکنے لگا- وہ اس کیفیت میں سو نہیں سکتا تھا- وہ دروازے سے نکلا اور باہر لان میں آ گیا-

سردیوں کی رات اور وہ بھی چاندنی کے سحر میں جکڑی ہوئی- اس نے دور آسمان پر چمکتے چاند کو چند لمحوں تک غور سے دیکھا- چاند ڈھل چکا تھا- اس کی ٹکیہ ان راتوں میں دھیرے دھیرے کم ہو رہی تھی- پھر نجانے اسے کیا ہوا کہ ایک دم اس نے رخ بدلا اور گیٹ کی طرف چل دیا- اس

کے قدموں میں لرزش سی تھی- اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ زور زور سے روئے- اتنا روئے کہ اس کے سینے میں جلتی آگ پر اوس پڑ جائے- دھواں اٹھنا بند ہو جائے اور سکون کی چادر اسے اپنی آغوش میں لے لے-



رات کا آخری پہر تھا-

شاہینہ بری طرح تھک کر بالآخر نیند کے قدموں میں گر پڑی- ابھی اسے غنودگی نے چھوا ہی تھا کہ کسی کھٹکے سے اس کی آنکھ وا ہو گئی-

کمرے میں نائٹ بلب جل رہا تھا- اس کی سبز روشنی میں اس نے دیکھا کہ کوئی کھڑکی سے اندر کودنے کے بعد اب اس کی جانب بڑھ رہا ہے- گھبرا کر اس نے پوری طرح آنکھیں کھول دیں اور حیرت کے مارے وہ بے اختیار چیخ پڑتی اگر آنے والے نے تیزی سے لپک کر اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر اسے خاموش نہ کرا دیا ہوتا-

''تم---'' وہ چیخ جانے والی آواز میں بمشکل کہہ سکی-

''ہاں--- میں!'' سکندر نے دھیرے سے اس کے ہونٹوں سے ہاتھ ہٹا لیا اور اس کے بستر کی پٹی پر ٹک گیا- اس کی سرد نظروں کا محور صرف اور صرف شاہینہ کا چہرہ تھا-

شاہینہ کا خوف کے مارے برا حال تھا- اسے وحشت ہو رہی تھی- اس کا دل سینے میں بلیوں اچھل رہا تھا- حلق خشک ہو گیا اور سارے بدن پر لرزہ طاری تھا- ریشمی لحاف میں لپٹی ہونے کے باوجود اس کی پیشانی کے بعد اب چہرہ اور بدن بھی پسینے میں تر ہوئے جا رہا تھا-

''تم یہاں کیوں آئے ہو؟'' اچانک شاہینہ کے حواس پر شعور نے دستک دی-

''آہستہ---'' سکندر نے پھر اس کے ہونٹوں کی طرف ہتھیلی بڑھائی مگر ہونٹوں سے ذرا پہلے ہی ہاتھ روک لیا-

''تم--- تم جاؤ یہاں سے!'' شاہینہ نے مچل کر کہا- ''اگر کسی نے دیکھ لیا تو---''

''کچھ نہیں ہو گا-'' خشک لہجے میں آواز دبا کر سکندر نے کہا- ''کسے فرصت ہے کہ گرم گرم بستر چھوڑ کر ہم دل جلوں کی سرد آہیں سننے کے لئے باہر چلا آئے اور میری درخواست ہے کہ تم تسلی سے میری بات سنو- گھبرانے یا ڈانٹنے سے میں جانے والا نہیں ہوں-''

''یہ کوئی زبردستی ہے؟'' شاہینہ نے اٹھنا چاہا-

سکندر نے اسے روکا نہیں۔ وہ اٹھی۔ بیڈ کے سرہانے کی طرف ٹیک لگائی اور لحاف گردن تک کس لیا۔

"جو جی چاہے سمجھ لو۔" سکندر نے لاپرواہی سے کہا۔ "مگر میں سب کچھ کہہ سن کر جاؤں گا۔"

"کیا کہو گے اور کیا سنو گے؟" شاہینہ نے بڑی عجیب نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"جواب تک آنکھیں کہتی رہیں اور آنکھیں سنتی رہیں۔" سکندر نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ "وہی زبان سے کہوں گا اور زبان سے سنوں گا۔"

"پھر کیا ہوگا؟" شاہینہ کے لبوں پر بڑی زخمی سی مسکراہٹ ابھری۔

"کچھ تو ہوگا۔ شاید اچھا ہی ہو جائے۔" سکندر اب بھی اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

"کچھ اچھا نہیں ہوگا۔" وہ سنجیدہ ہوگئی۔ "میں نے خواب دیکھنا چھوڑ دیے ہیں۔"

"میں نے نہیں چھوڑے۔" سکندر نے سرگوشی کی۔ "چھوڑ ہی نہیں سکتا۔"

"دیکھو سکندر۔" شاہینہ نے ایک پل کے لئے کھلی کھڑکی سے باہر پھیلے اندھیرے کو گھور کر دیکھا پھر نظریں جھکا لیں۔ "تم کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو۔"

"بکومت۔" سکندر نے غرا کر کہا۔ "میں پاگل ہوں کیا؟"

"یہ میں نہیں جانتی۔" شاہینہ نے اس کے لہجے کا قطعاً برا نہ منایا۔ "مگر۔۔۔"

"دیکھو شاہینہ۔۔۔" سکندر نے ہاتھ اٹھا کر اس کی بات کاٹ دی۔ "تمہیں جب میں نے پہلی بار دیکھا تبھی پسند کر لیا تھا۔ مجھے امید نہ تھی کہ دوبارہ تم سے ملاقات ہوگی اور اسی لئے بھی میں خاموشی سے لوٹ گیا کہ نہ وہ موقع ایسی باتوں کے لئے تھا نہ وقت ہی میسر تھا۔ پھر جب میں لوٹ کر آیا۔ جعفری صاحب نے مجھے یہاں مستقل رہائش دے دی تو دبی ہوئی راکھ میں چنگاری تم نے کریدی۔ نہ تمہاری یہ کھلی کتاب جیسی آنکھیں تحریر محبت پڑھنے کی اجازت دیتیں نہ آج ان میں گرتی شبنم دیکھ کر میں بے قابو ہوتا۔"

"میں۔۔۔" شاہینہ نے کہنا چاہا۔ اس کا چہرہ ایک دم زرد پڑ گیا۔

"جھوٹ مت بولنا شاہینہ۔۔۔ ملاپ ہونا نہ ہونا الگ بات ہے مگر جھوٹ بول کر میرے جذبوں کا مذاق اڑانے کا تمہیں کوئی حق نہیں ہے اس لئے کہ ان جذبوں کو زبان بھی تم نے دی ہے۔"

"غلطی بھی تو انسانوں ہی سے ہوتی ہے۔" شاہینہ کا گلا رندھ گیا۔

"غلطی نہ کہو شاہینہ۔" سکندر نے بے تابی سے اس کے شانے تھام لئے۔ لحاف شاہینہ کے کندھوں سے سرک گیا۔ سکندر پاگلوں کی طرح اسے والہانہ انداز میں دیکھ رہا تھا۔ "غلطی نہ کہو اسے۔ یہ تو وہ انمول جذبہ ہے جو ہونٹوں پر آ جائے تو نغمہ بن جاتا ہے اور دل میں دبا رہے تو محبت کرنے والوں کو کندن بنا دیتا ہے۔ بس یہ بتا دو کہ ایک دم تم نے خود کو میری نگاہوں سے چھین کیوں لیا؟"

"بتانا ضروری ہے کیا۔۔۔" شاہینہ نے کپکپاتے لبوں سے کہا اور نگاہیں اٹھائیں۔

"ہاں۔ نہیں بتاؤ گی تو میرا دل پھٹ جائے گا۔ مجھ سے اس بے رخی کا بوجھ اب اس لئے بھی برداشت نہیں ہو رہا کہ اس میں تمہاری مرضی نہیں مجبوری جھلکتی ہے۔"

"مجبوریاں تو ہم بے سہاروں کا مقدر ہوتی ہیں سکندر۔" شاہینہ کی آنکھیں برس پڑیں۔

"کوئی مجبوری تمہیں مجھ سے نہیں چھین سکتی شاہینہ۔ تم میری پہلی محبت ہو اور شاید آخری بھی۔ میں فلمی مکالمے نہیں بول سکتا مگر یہ یقین رکھو کہ میں تمہاری خاطر اپنی زندگی کو بھی ٹھوکر مار سکتا ہوں۔"

"بکومت۔" شاہینہ نے تڑپ کر اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ بے اختیار چوم کر سکندر نے اس کا ہاتھ جکڑ لیا۔ کسی شاخ گل کی طرح شاہینہ اس کے سینے سے آ لگی۔ وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

"شاہینہ۔" سکندر نے اسے باہوں کے حلقے میں کس لیا۔ "کیوں رو رہی ہو؟" اس کی اپنی آواز بھیگ گئی۔ اس نے بے بس سا ہو کر شاہینہ کی زلفیں چوم لیں۔

"تو کیا کروں؟" وہ اس کے سینے پر ہولے ہولے گھونسے برسانے لگی۔ "کوئی ہنسنے نہیں دیتا۔ تم رونے نہیں دیتے۔۔۔ مر جاؤں کیا؟"

"کون ہے۔۔۔ کون ہے جو تمہاری مسکراہٹ چھین رہا ہے۔ مجھے بتاؤ شاہینہ۔ مجھے بتاؤ میں اسے۔۔۔" وہ اسے جھنجھوڑ کر بولا۔ شاہینہ نے سر پیچھے کو ڈال دیا۔

"مت پوچھو سکندر۔ وہ بھی مجبور ہے۔" اس نے بند آنکھوں کو بھینچ کر کہا۔

"پہیلیاں نہ بجھواؤ مجھے۔ میں سیدھا سادا دیہاتی ہوں۔ یہ چھل فریب مجھے یوں لوٹ لیں گے میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ بتاؤ مجھے تم کس کی بات کر رہی ہو؟"

"وہ بھی تمہیں بہت چاہتی ہے۔"

"کون؟" سکندر نے اسے پھر جھنجھوڑا۔ شاہینہ نے سر اٹھایا۔ اس کی بھیگی ہوئی آنکھیں متورم ہو رہی تھیں۔ ہونٹوں پر ہلکی سی جگر خراش مسکراہٹ تھی۔

"کیا تم نہیں جانتے؟"

"تمہاری قسم---نہیں جانتا---جانتا ہوتا تو کبھی نہ چھپاتا-" سکندر نے بڑے مضبوط لہجے میں کہا- "تم بتاؤ کون ہے وہ؟ اور کیوں اس کی خاطر خود کو بے وفا بنا رہی ہو-"

"بے وفا-" وہ کھلکھلا کر یوں ہنسی کہ جیسے بارش میں دھوپ نے جنم لے لیا- "وفا کا اقرار نہیں کیا اور بے وفا بنا دیا-"

"اقرار لفظوں کا نہیں' نظروں کا محتاج ہوتا ہے شاہینہ- اور یہ اقرار ہم دونوں کی نگاہیں کر چکی ہیں- ورنہ آج میں یہاں رات کے اس پہر موجود نہ ہوتا' تم میری باہوں میں بلک نہ رہی ہوتیں- اور کوئی ثبوت درکار ہے کیا؟"

"نہیں-" اس نے سرشاری سے کہا- "پر ایک بات بتاؤ سکندر؟"

"کیا؟" اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا-

"اگر کوئی مجھ سے خوبصورت' امیر اور پڑھی لکھی لڑکی تم سے یہ کہے کہ وہ تم سے محبت کرتی ہے تو---"

"تو میں اس سے کہوں گا جاؤ اپنے حسن کے کشکول میں شاہینہ کی خوبصورتی کی بھیک لے کر آؤ- میری شاہینہ کے ایثار کی دولت کو ترازو کے ایک پلڑے میں اور دوسرے میں اپنے سونے چاندی کو رکھ کر دیکھو--- اور میں اس سے کہوں گا جاؤ پہلے عشق کی کتاب کا پہلا صفحہ الٹ کر دیکھو جس پر سکندر کا نام شاہینہ کے ساتھ لکھا ہے-"

"سکندر---" وہ بے اختیار اس سے لپٹ گئی- "مجھے پاگل نہ کرو سکندر- میں ایسے نصیبوں والی کہاں ہوں؟"

"دیوانے کو صرف دیوانہ پہچانا کرتا ہے شاہینہ- میں نے تمہیں' تم نے مجھے جان لیا' پہچان لیا' انگ لگا لیا' سنگ سجا لیا' رنگ میں رنگ لیا اور کیا چاہیے- اچھا تو یہ ہے کہ تم مجھے اس کا نام بتا دو تاکہ میں اس کی غلط فہمی دور کر سکوں- تاہم اگر تم نہ بتانا چاہو تو بھی مجھے کوئی اصرار نہیں- مجھے صرف یہ بتا دو کہ میرے جذبوں نے ٹھوکر تو نہیں کھائی- میں کل کو اس راہ میں تنہائی کا زہر پینے کے لئے بھٹکتا تو نہ رہ جاؤں گا-"

"کون جانے سکندر---تنہائی کا زہر کس کے حصے میں آنے والا ہے-" وہ اس کی باہوں میں سمٹی سمٹی دھیرے سے بولی-

"شاہینہ---ایک وعدہ کرو- اگر کبھی ایسا وقت آیا تو تم مجھے سب سے چھین کر اپنی باہوں میں چھپا لو گی-"

"میں ایک کمزور لڑکی ہوں سکندر- کمزور اور بے بس' جس کے سر پر نہ ماں کا سائبان ہے

نہ باپ کی چھت- میں اس گھر کی دیواروں میں پناہ گیر ہوں-"

"باندی تو نہیں ہو یہاں کی-" سکندر نے اسے خود سے الگ کر کے اس کا چہرہ سامنے کر لیا- "بولو-"

"کہنا کیا چاہتے ہو؟" شاہینہ نے پوچھا- اس کا دل زور سے دھڑک اٹھا-

"کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اس گھر کے مجھ پر بھی کچھ احسان ہیں اور تم پر بھی- پھر بھی ہم دونوں اس گھر والوں کے غلام تو نہیں ہیں- اگر میں کل کلاں کو تمہیں یہاں سے لے جانا چاہوں تو---"

"بھگا کر---" شاہینہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھا-

"شاید-"

"میں نہیں جا سکوں گی-" شاہینہ نے نفی میں سر ہلایا-

"اور اگر ایسی نوبت نہ آئے تو-"

"پھر میں کہاں جا سکتی ہوں سوائے تمہارے دل کے-"

"تو میں بہت جلد جعفری صاحب سے بات کر لوں گا-" سکندر نے ایک عزم سے کہا-

"نہیں-" شاہینہ گھبرا گئی-

"مگر کیوں؟ اگر میں ان سے بات نہ کروں تو کس سے کروں؟ تمہارے سرپرست وہی تو ہیں-" سکندر الجھ گیا-

"وہ مائرہ بی بی کے باپ بھی تو ہیں-" غیر اختیاری طور پر شاہینہ کے لبوں سے نکلا-

"تو اس سے کیا---" سکندر نے کہنا چاہا اور ایک دم الفاظ اس کے ہونٹوں پر دم توڑ گئے- اس نے ایک جھٹکے سے شاہینہ کی آنکھوں میں دیکھا- "یہ تم نے کیا کہا شاہینہ---کیا وہ---"

"ہاں سکندر-" وہ سسک پڑی- "مائرہ بی بی تم سے محبت کرتی ہیں-"

بھک سے سکندر کا دماغ اڑ گیا- چند لمحوں کے لئے وہ سن ہو کر رہ گیا- پھر جیسے آہستہ آہستہ اس کے حواس میں روشنی ہوئی-

"مگر---مگر یہ کیسے ممکن ہے- کہاں میں کہاں مائرہ؟" وہ بڑبڑایا-

"محبت اندھی ہوتی ہے سکندر-" شاہینہ نے اسے بڑے کرب سے دیکھا-

"ہاں---مگر مائرہ جیسی امیرزادیوں کی محبت کے ہاتھ میں سٹینڈرڈ کی لاٹھی ہوتی ہے جس سے ٹٹول ٹٹول کر وہ مطلب کے راستے پر چلتی رہتی ہیں-"

"مائرہ ایسی نہیں ہے سکندر-" شاہینہ نے آنکھیں خشک کر کے بڑے یقین سے کہا- "وہ تمہیں دل سے چاہتی ہے-"

''مگر میں تو اسے نہیں چاہتا۔'' سکندر نے شاہینہ کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے۔

''اگر وہ مجھ سے محبت کرتی ہے تو اس کی سزا تم مجھے کیوں دے رہی ہو۔''

''میں تمہیں کوئی سزا نہیں دے رہی سکندر۔ میں تو مائرہ کے راستے سے ہٹ جانا چاہتی ہوں۔''

''یہ میری زندگی میں تو ممکن نہیں۔''

''یعنی۔''

''یہ ایثار' یہ قربانی' یہ نمک حلالی --- میں تمہیں کسی ایسی صلیب پر نہیں لٹکنے دوں گا شاہینہ جو مجھے اپنے ہاتھوں تیار کرنی پڑے۔ بھول جاؤ یہ سب --- صرف یہ یاد رکھو کہ ہم دونوں محبت کرتے ہیں۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو چاہتے ہیں اور ہمیں ایک دوسرے کو حاصل کرنا ہے۔''

''جیسے بھی ہو؟'' شاہینہ مسکرائی۔

''ہاں۔'' سکندر نے سر جھٹکا۔ ''جیسے بھی ہو۔''

''خود غرضی سکھا رہے ہو مجھے؟''

''یہی سمجھ لو۔''

''محبت کرنے والے کیا کہیں گے؟''

''خاموش رہیں گے۔ اس لئے کہ ہر محبت کرنے والا جب اپنے محبوب کو کھو دینے کی اذیت سے گزرتا ہے تو دوسرا اسے خود غرضی کا سبق یاد دلاتا ہے میں کھو دینے سے پہلے تمہیں یہ پٹی پڑھا رہا ہوں۔''

''لفاظی میں تم سے میں نہیں جیت سکتی کہ میں تمہارے جتنی پڑھی لکھی نہیں ہوں مگر سکندر' کیا یہ مناسب ہوگا؟''

''بالکل۔'' وہ پوری طرح صرف اور صرف اپنے اور شاہینہ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

''اور اگر کہیں تمہیں انکل نے مجبور کر دیا تو؟''

''تمہارا مطلب ہے جعفری صاحب۔''

''ہاں۔''

''میں اس سے پہلے ان تک اپنا عندیہ پہنچا دوں گا۔ میرے پہلے بات کرنے سے وہ اپنی بات روک لیں گے اور تم سے میری شادی کرنے کے بارے میں وہ کوئی عذر تراشیں گے' یہ بات میرے حلق سے نہیں اترتی۔'' سکندر نے بڑی بے رحمی سے کہا۔

''بڑے ظالم ہو رہے ہو؟'' شاہینہ نے اسے بڑے غور سے دیکھا۔

''مجبوری ہے۔'' سکندر نے شانے اچکائے۔ ''اس سے پہلے کہ کوئی مجھ پر وار کرے میں پہلے اس پر وار کر دینا چاہتا ہوں۔''

''اس کا مطلب ہے کوئی چانس نہیں۔'' شاہینہ نے ایک گہری سانس لی۔

''کس بات کا؟''

''تم سے میرے بچنے کا۔'' شاہینہ نے بڑی ذو معنی بات کہی۔

''یہی سمجھ لو۔'' سکندر نے دہرایا اور مسکرا دیا۔

''سوچنے نہیں دو گے مجھے!''

''تا کہ تم پھر مجھے تڑپانے لگو۔ رخ پھیر پھیر کر روتی رہو۔ اپنا ستیاناس اور میرا سوا ستیاناس کرتی رہو۔''

شاہینہ جھینپ کر رہ گئی۔

''دیکھو شاہینہ۔'' سکندر نے اس کا ہاتھ سہلاتے ہوئے کہا۔ ''ہم متوسط طبقے کے لوگ ہیں۔ یہ امیر لوگ جذبات کی اس آنچ کو کبھی محسوس نہیں کر سکتے جو ہمیں شعلے کی طرح جلا ڈالتی ہے۔ میری طرف بڑھنے والا مائرہ کا ہاتھ اگر میں اپنی شہ رگ تک پہنچنے سے پہلے روک لوں گا تو ہم دونوں بچ جائیں گے اور یقین کرو' وہ اس صدمے کو دنوں میں بھول جائے گی۔ اس کی دلچسپیاں' اس کی سہیلیاں اسے یوں بہلا لیں گی جیسے کسی گر پڑنے والے بچے کو کھلونے۔''

''ایک پل رکو۔'' شاہینہ نے اسے مزید بولنے سے روک دیا۔ ''مائرہ کی سہیلی نسرین کو جانتے ہو۔''

''جانتا تو نہیں۔ ہاں ایک دو بار اسے گھر میں آتے جاتے دیکھا ہے۔''

''تو اس کا نام کیسے جانتے ہو؟'' شاہینہ نے اسے گھور کر دیکھا۔

''میرے سامنے مائرہ نے اسے پکارا تھا مالکن!'' سکندر نے ہاتھ جوڑ دیئے۔ ''اس قدر شک بھری نظروں سے نہ دیکھو کہ میں پھسل جاؤں۔''

''بہرحال۔'' شاہینہ نے اطمینان ہو جانے پر کہا۔ ''مائرہ نے اسے تیار کیا ہے کہ وہ اس کی قاصد بن کر تم تک جائے اور اس کی طرف سے تمہیں ٹٹولے۔ تمہیں اس کا پیغام محبت دے۔''

''لو --- یہ تو کام ہی بن گیا!'' سکندر نے چٹکی بجائی۔

''میں سمجھی نہیں۔''

''بھئی ابھی تک نسرین مجھ تک نہیں آئی۔ میں جلد ہی کسی طرح جعفری صاحب تک اپنا عندیہ پہنچاتا ہوں۔ پھر نسرین آئے گی بھی تو میرے پاس اس کی بات کا معقول جواب ہوگا۔ ویسے

مجھے یقین ہے کہ جب جعفری صاحب مائرہ کو میرے اور تمہارے بارے میں بتائیں گے تو نسرین والا معاملہ گول ہی ہو جائے گا۔"

"شاید ایسا ہی ہو۔"

"خود پر نہیں تو مجھ پر یقین رکھو شاہینہ۔" سکندر نے اسے پیار سے دیکھا۔ "میں اپنے اور تمہارے درمیان کی ہر دیوار بآسانی گرا سکتا ہوں بشرطیکہ تم اس دیوار کے نیچے سے ہٹ جاؤ۔"

"لو--- ہٹ گئی۔" شاہینہ پیچھے کو سرک گئی۔ اس کے چہرے پر پھیلی زردی کی جگہ سرخی چھلک آئی تھی۔

"تو کیا میں اس یقین کے ساتھ یہاں سے قدم باہر رکھوں کہ---"

"مجھے اپنی محبت کو پانا ہے سکندر۔" شاہینہ نے اس کی بات پوری کر دی۔ "مگر اپنی اور تمہاری ذات کو داغدار کئے بغیر۔"

"یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔" سکندر نے چوم کر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ "تم پر حرف آنے سے پہلے میں مٹ جاؤں گا۔"

"دیکھیں گے۔" شاہینہ مسکرائی۔

"دکھائیں گے--- اور تم یقین کرنے پر مجبور ہو جاؤ گی کہ سکندر کی پہلی اور آخری محبت تم ہو--- صرف تم۔"

سکندر مسکراتا ہوا پلٹا۔ کھڑکی کے قریب جا کر رکا۔ لحاف میں آدھی دبکی شاہینہ کی جانب الوداعی انداز میں ہاتھ ہلایا اور چوکھٹ پر چڑھ کر باہر کود گیا۔ شاہینہ کی پرسکون مگر سوچ میں ڈوبی آنکھیں کھڑکی کے خالی فریم کو یوں گھور رہی تھیں جیسے اسے اب تک ہونے والے سارے واقعے پر خواب کا شبہ ہو۔

O

جعفری اور شاہ صاحب، سکندر کی کارکردگی سے بے حد مطمئن تھے۔ جعفری نے اس کو اپوائنٹ منٹ لیٹر جاری کیا تو شاہ صاحب کے مشورے سے ڈائریکٹ اسسٹنٹ منیجر کی پوسٹ کا جاری کیا۔ شاندار آفس، پرکشش تنخواہ اور گھر میں رہائش دے کر جعفری نے سکندر کو بیک قدم بندہ بے دام بنا لیا تھا۔ سکندر بھی اس کے احسانات کا بوجھ دل پر لئے بہتر سے بہتر نظر آنے کی سعی کر رہا تھا۔ اس کے کام میں ایک ماہ کے اندر اندر ہی اتنی پختگی آ گئی کہ اب شاہ صاحب کا اسی فیصد بوجھ سکندر کے کندھوں پر تھا۔ اسی مناسبت سے جعفری بھی کم از کم دوسرے دو چار ہو رہا تھا۔ اس کے معمولات اور روزمرہ دفتری معاملات میں سکندر نے ثمین کے ساتھ طے کر کے ایسی خوبصورت تبدیلیاں کر دی تھیں کہ اب وہ ہفتے میں ایک دو چھٹیاں بھی کرنے لگا۔ ورنہ اس سے پہلے معمول یہی تھا کہ جن دنوں وہ شہر میں ہوتا، دفتر سے قطعاً ناغہ نہ کرتا۔ تاہم اب وہ دھیرے دھیرے شاہ صاحب اور ان کی وساطت سے سکندر پر زیادہ سے زیادہ Depend کرنے لگا تھا۔

ثمین اور سکندر کا آفس میں کم از کم ٹکراؤ ہوتا۔ زیادہ تر وہ فون ہی پر گفتگو کر لیتے۔ چودھویں کی رات کے بعد وہ محض ایک مرتبہ اور ملے تھے۔ ملاقات کے لئے سکندر نے ہوٹل دی ڈائمنڈ کا کمرہ نمبر دو سو تین مستقل طور پر بک کرا لیا۔ اب وہ کبھی کبھی ویسے بھی وہاں کا چکر لگا لیتا۔ ہوٹل کا منیجر ارشاد اعلیٰ سوسائٹی کا منہ چڑھا "دلال" تھا۔ بے حد مہذب، بااخلاق اور چھوٹے قد کے باوجود لمبے ہاتھ مارنے کا عادی۔ اس نے تھوڑے ہی دنوں میں سکندر سے اتنی راہ و رسم بڑھا لی کہ سکندر اس کا مستقل کسٹمر کم اور دوست زیادہ ہو گیا۔ ارشاد نے اس کو کمرے کے حوالے سے بھی بے حد سہولت دے دی اور جتنے کم چارجز اب وہ ماہانہ کرائے کی شکل میں ادا کر رہا تھا وہ سکندر کو محسوس بھی نہ ہوتے تھے۔ اگرچہ اخراجات اس کا مسئلہ نہ تھے۔ اس کے پاس آبائی مکان بیچ کر ڈھائی تین لاکھ روپے موجود تھے۔ تنخواہ اتنی تھی کہ وہ فل پے منٹ کے ساتھ بھی ہوٹل کے کمرے میں رہائش رکھتا تو شاہانہ اخراجات کے بعد بھی ہزار دو ہزار بچا لیتا۔

ارشاد پر سکندر نے ابھی تک خود کو پوری طرح کھولا نہ تھا۔ ارشاد سمجھتا تھا کہ سکندر ایک ایسا نمائش پسند امیر آدمی ہے جو صرف اپنے سٹینڈرڈ کا شکار مار کر کھاتا ہے اور اس کا معیار ثمین کی شکل

میں دیکھ کر وہ دنگ رہ گیا تھا۔اس نے اپنے حلقے میں دور دور تک نظر دوڑائی مگر ایسی مکمل اور بھرپور جوانی اسے کہیں بھی دکھائی نہ دی۔اس کی خواہش تھی کہ سکندر کی ''خدمت'' کر سکے اور دوستی کا حق ادا کرنے کے ساتھ ساتھ مال بھی کشید کرے تاہم ابھی تک وہ سکندر کی یہ خدمت بجا نہ لا سکا تھا۔

ثمین پر ایک عجیب سا نکھار آ گیا تھا۔جعفری نے خاص طور پر اور آفس کے دوسرے لوگوں نے عام طور پر محسوس کیا کہ وہ پہلے سے زیادہ پرکشش اور جاذب توجہ ہو گئی ہے۔آفس میں کام کرنے والی دوسری لڑکیوں کو پہلے ہی اس سے حسد محسوس ہوتا تھا کہ وہ میک اپ کے بغیر بھی ان سے زیادہ گریس فل تھی اب جو ثمین مزید مہکی تو ان لڑکیوں کے دل کباب ہو گئے۔وہ اس کی ٹوہ میں رہنے لگیں کہ شاید اس کا کوئی سکینڈل سامنے لا سکیں مگر وہ اور سکندر آفس میں میل ملاپ اور بے تکلفی کے حوالے سے بے حد محتاط تھے اس لئے وہ راکھ میں کچھ بھی تلاش نہ کر سکیں البتہ سکندر کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے انہوں نے ہاتھ پاؤں مارنا بند نہ کئے جبکہ سکندر اس معاملے میں بھی بے حد لئے دیئے رہتا۔وہ کسی بھی بدنامی کو قریب آنے سے روکنے کا مصمم ارادہ کئے ہوئے تھا اس لئے ابھی تک اس کا دامن بظاہر بے داغ تھا۔

تاہم ایک بات ایسی تھی جس سے سکندر مکمل طور پر بے خبر تھا۔

اور وہ بات ایسی تھی کہ اگر وہ اسے جان لیتا تو ضمانت قبل از گرفتاری کی طرح مزید احتیاط کے مراحل سے گزر جاتا مگر ثمین نے اسے اس کی خبر ہی نہ ہونے دی کہ وہ اس کی نقل و حرکت پر نظر رکھے ہوئے ہے۔اس سلسلے میں اسے اس قدر سہولت تو تھی کہ وہ آفس کے اوقات میں مکمل طور پر اس پر نگراں رہتی تھی۔سکندر کس سے ملا؟ آفس میں کونسی لڑکی اس میں کس قدر دلچسپی لے رہی ہے اور جواب میں سکندر کا کیا ردعمل ہے؟ سکندر سے ملنے آفس ورک کے علاوہ کون آیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ تاہم آفس کے بعد وہ اس کی نقل و حرکت سے باخبر رہنے سے معذور تھی۔ایک حد تک اسے یہ تسلی تھی کہ آفس میں سکندر کسی لڑکی کو دفتری معاملات سے ایک انچ بھی آگے بڑھنے نہ دیتا تھا۔اخلاق کی حد میں رہ کر وہ مسکراتا ضرور تھا مگر کسی کی دعوت اور سپردگی کو قبول کرنے میں وہ بالکل پتھر بن جاتا۔اسی بات کی آڑ میں وہ خود کو مطمئن کر لیتی کہ سکندر آفس سے باہر بھی اسی رویے کا حامل ہو گا۔سکندر اور اسے دونوں کو فرم کی طرف سے موبائل دیا گیا تھا۔وہ اکثر وقت بے وقت اسے فون کر کے جانچنے کی کوشش کرتی کہ وہ کہاں ہے؟ کیا کر رہا ہے؟ اکیلا ہے یا کسی کے ساتھ؟ اور اکثر اسے وہ آفس کے بعد گھر پر یا کبھی کسی پبلک پلیس پر بات کرتے ہوئے ملا بھی تو ایسا نہ لگا کہ وہ کسی کے ساتھ ہے۔

ثمین خود میں ایک عجیب سی تبدیلی محسوس کر رہی تھی۔اسے یہ خیال بھی آ جاتا کہ سکندر کسی

دوسری لڑکی کے ساتھ Involve ہو سکتا ہے تو اس پر طیش اور غضب کی ایک لہر سی حملہ کر دیتی۔اس کا جی چاہتا کہ سکندر کی طرف بڑھنے والی اس لڑکی کو چیر پھاڑ کر رکھ دے۔سکندر کی اور اپنی جان ایک کر دے۔وہ سکندر کو بلا شرکت غیرے اپنی ملکیت سمجھنے لگی اور اس جائیداد میں کسی دوسرے کا تصرف اس کو تصور میں بھی منظور نہ تھا۔وحشت کا یہ عالم اس پر تب تک سوار رہتا جب تک اسے یہ خیال آ کر دلاسہ نہ دیتا کہ سکندر اس سے ہرگز بے وفائی کا مرتکب نہیں ہو رہا۔ابھی تک وہ صرف اور صرف اس کا ہے اور آگے بھی اسی کی امید ہے۔تب اس کی خون کبوتر کی طرح سرخ ہوتی آنکھیں حرارت کا دامن چھوڑنے لگتیں۔سینے میں دہکتی خونخواری کو قرار آنے لگتا۔حلق میں پھنس جانے والی غراہٹیں گہرے سانس کا ہاتھ تھامے خارج ہو جاتیں اور سارے بدن میں آگ بن کر دوڑتے لہو میں ٹوٹ پھوٹ کا عمل رک جاتا۔اس حالت کے چنگل سے نکل کر نارمل ہوتے ہوتے اسے بعض اوقات کئی کئی منٹ لگ جاتے۔

سکندر اور ثمین کے کمرے میں ایک ہال کمرے اور ایک کاریڈور کا فاصلہ تھا۔انٹرکام اور فون ان دونوں کو باہم ملائے رکھتے۔اب تک ایسا نہ ہوا تھا کہ وہ سکندر کے کمرے میں یا سکندر اس کے کیبن میں بلا ضرورت آئے گئے ہوں۔ان کی یہی احتیاطی تدابیر تھیں کہ آفس میں اب تک وہ حاسدوں اور طالبوں کے شر سے بچے ہوئے تھے۔جس طرح سکندر کی جوانی' خوبصورتی اور وجاہت آفس کی لڑکیوں کے لئے باعث کشش تھا اسی طرح ثمین کا جان لیوا شباب بھی آفس کے کئی لڑکوں اور مردوں کے لئے مقناطیس کی حیثیت رکھتا تھا۔تاہم جعفری کی ایڈمنسٹریشن چونکہ شاہ صاحب جیسے جہاندیدہ اور بااصول منتظم کے ہاتھ میں تھی اور ان کو جعفری کی مکمل پشت پناہی بھی حاصل تھی اس لئے آج تک آفس میں کوئی لیلیٰ مجنوں یا مرزا صاحباں کا کھیل نہ کھیلا جا سکا تھا۔

سکندر آج بھی اپنے روزانہ کے معمول کے مطابق شاہ صاحب سے روزمرہ میٹنگ کے بعد ان کے کمرے سے نکلا اور ایک سرخ فائل ہاتھ میں لئے اپنے کمرے کی جانب چل پڑا۔اس نے اپنے کمرے کے باہر سے چپراسی کو پہلے ہی دن فارغ کر دیا تھا۔کمرے کا دروازہ ادھ کھلا رہتا تھا۔جو چاہتا' دستک دے کر اندر آ سکتا تھا۔اسے خواہ مخواہ کی رسمیات سے ویسے ہی چڑ تھی۔کمرے میں داخل ہو کر اس نے فائل میز پر ڈالی اور اپنی ریوالونگ چیئر پر آ بیٹھا۔

اسی لمحے فون کی بیل گونج اٹھی۔

''یس۔'' اس نے ریسیور اٹھایا۔

''ہیلو۔ میں مسٹر سکندر سے بات کرنا چاہوں گی۔'' دوسری جانب سے ایک خوبصورت نسوانی آواز ابھری۔

''جی-میں بول رہا ہوں-آپ کون؟'' آواز اس کے لئے اجنبی تھی-

''میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں مسٹر سکندر-'' دوسری جانب جو بھی تھی اس کا سوال اڑا گئی-

''جی جی---مگر آپ ہیں کون؟'' وہ بڑی شائستگی سے بولا-

''میں آپ سے آپ کے آفس میں نہیں کہیں باہر ملنا چاہوں گی-'' وہ اس بار بھی صاف نکل گئی-

''دیکھئے-میں نے آپ کو قطعاً نہیں پہچانا-'' اس نے مہذبانہ لہجے میں کہا-

''ملیں گے تو پہچان بھی لیں گے-'' وہ شوخی سے بولی-

''مگر میں آپ سے کیوں ملوں؟'' وہ دھیرے سے مسکرایا-

''کیوں تو لڑائی ہوتی ہے مسٹر سکندر-کیا آپ مجھ سے لڑنا چاہتے ہیں-'' وہ بے حد میٹھے لہجے میں بولی-

''فون پر تو یہ ممکن نہیں ہے-'' وہ بے ساختہ ہنسا-اب اسے اس لڑکی کی باتوں سے لطف آنے لگا تھا-

''اور میرا یہ دعویٰ ہے کہ آپ ملنے پر بھی مجھ سے لڑ نہ سکیں گے-''

''وہ کیوں؟''

''پھر کیوں؟ میں نے ابھی کہا کہ کیوں تو لڑائی ہوتی ہے-''

بے ساختہ سکندر ہنس پڑا-

''تو پھر کہاں مل رہے ہیں ہم؟'' وہ جیسے اس کی ہنسی کو کیش کرنے لگی-

''دیکھئے محترمہ---میں آپ کو جانتا نہیں' پہچانتا نہیں-یہ بھی معلوم نہیں کہ آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہتی ہیں-پھر میں کیا کہوں کہ ہم کہاں مل رہے ہیں؟''

''کیا آپ کو خوبصورت چیزیں پسند ہیں مسٹر سکندر؟''

''ظاہر ہے ہر مرد کی طرح میں بھی حسن کا پرستار ہوں-'' وہ بھی بے تکلفی پر اتر آیا-

''تو آپ کو میری آواز کیسی لگی؟''

''بے حد خوبصورت مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ آپ بھی حسین ہوں گی-''

''یہی مطلب ہے میرا---میں اپنی آواز کی طرح حسین ہوں-''

''زہے نصیب---مگر مجھ سے ملنے کا مقصد؟''

''یہ تو ملاقات پر ہی کھلے گا-'' وہ بڑی ادا سے بولی-

''سوری-میں اس قسم کی ملاقاتوں پر نہ یقین رکھتا ہوں نہ عادی ہوں-'' اس نے بڑے

اخلاق سے معذرت کی-

''فون بند نہ کیجئے گا مسٹر سکندر-'' وہ جلدی سے بولی-''میری اور آپ کی ملاقات بے حد ضروری ہے-اس پر کسی کی زندگی اور بدتر زندگی کا انحصار ہے-''

''میں سمجھا نہیں-'' وہ واقعی حیرت زدہ ہو گیا-

''آپ ملاقات کا وقت اور جگہ بتائیں-میں وہیں آپ کو سب کچھ سمجھاؤں گی-''

''دیکھئے---''

''مسٹر سکندر-آپ مرد ہو کر ایک لڑکی سے خوفزدہ ہو رہے ہیں؟'' اچانک اس نے چوٹ کی-

''خوفزدہ---'' سکندر کی آنکھیں چمک اٹھیں-بے ساختہ اس کے بدن میں گرمی کی ایک لہر دوڑ گئی-''ہرگز نہیں-میں آپ سے کب خوفزدہ ہوں-''

''تو پھر ملنے میں کیا امر مانع ہے؟'' وہ اسی لہجے میں بولی-

''اندھیرے کے تیر سے بھی ڈرتے ہیں محترمہ-''

''میں ناڈیا دو ہزار تین نہیں ہوں مسٹر سکندر-آپ ہی کی طرح ایک عام انسان ہوں-معاملہ ایسا ہے کہ ہم دونوں کا ملنا بے حد ضروری ہے-''

''ضرور ایسا ہی ہوگا مگر آپ اپنا تعارف تو کرائیں-''

''کیا سسپنس میں مزا نہیں آ رہا؟''

''یعنی-''

''اگر شادی سے پہلے آپ نے اپنی دلہن کو نہ دیکھا ہو اور شادی کے بعد گھونگھٹ الٹنے پر آپ کو اپنی توقعات سے بڑھ کر خوبصورت چہرہ دیکھنے کو ملے تو تجسس کو چار چاند لگ جاتے ہیں یا نہیں-''

''معاملہ الٹ بھی تو ہو سکتا ہے-'' وہ جواب میں مسکرا کر بولا-

''یعنی؟'' اس بار وہ پوچھ رہی تھی-

''یعنی یہ کہ گھونگھٹ میں چودھویں کے چاند کے بجائے اماوس چھپی ہو تو-'' وہ کہتے کہتے ایک دم خاموش ہو گیا-

''ارے نہیں مسٹر سکندر-ایسی کوئی بات نہیں-'' وہ ہنسی تو جلترنگ سے بج اٹھے-''آپ کو میرا چہرہ دیکھ کر مایوسی نہیں ہو گی-''

جواب میں سکندر خاموش رہا-اس کے ذہن و دل پر تو چودھویں کے چاند کا منظر چھا گیا

تھا۔اس کے سارے بدن میں میٹھا میٹھا درد ابھر رہا تھا۔آنکھیں جل بجھ رہی تھیں اور چہرہ سرخ ہونے کے ساتھ ساتھ تپنے بھی لگا تھا۔

''مسٹر سکندر۔'' دوسری طرف سے اس نسوانی آواز نے اسے بار بار پکارا۔''کیا ہوا ہے۔آپ خاموش کیوں ہو گئے۔آپ میری بات سن رہے ہیں ناں۔مسٹر سکندر۔۔۔مسٹر سکندر۔''

سکندر نے ایک دم چونک کر سر کو جھٹکا اور بے ساختہ اس کے حلق سے ہلکی سی غراہٹ نکل گئی۔

''ہیلو مسٹر سکندر۔۔۔'' وہ پھر بولی۔''کیا ہوا۔یہ آواز کیسی تھی؟''

''ہیلو۔'' نارمل ہوتے ہوئے سکندر نے کہا۔''میں سن رہا ہوں آپ کی آواز مس نامعلوم۔۔۔آپ مس ہی ہیں ناں؟'' وہ آپے میں آ گیا۔

''جی ہاں۔'' وہ جیسے شرمائی ہو۔''کیا بات تھی۔آپ ایک دم خاموش کیوں ہو گئے؟''

''کوئی آ گیا تھا۔اسے اٹنڈ کر رہا تھا۔'' اس نے جھوٹ بولا۔

''او کے۔تو پھر کیا پروگرام ہے؟''

''ملاقات بہت ضروری ہے کیا؟'' وہ نیم آمادگی سے بولا۔

''تو میں کیا اب تک بین بجا رہی تھی۔'' وہ جیسے برا مان گئی۔''اب میں آپ کو بھینس تو نہیں کہہ سکتی ناں۔''

''کہہ تو دیا آپ نے!'' وہ ہنس پڑا۔''بہر حال بولئے۔کہاں ملنا چاہیں گی؟''

''جہاں آپ چاہیں۔''

''ہوٹل دی ڈائمنڈ میں۔''

''منظور ہے۔میں کب پہنچ جاؤں۔''

''جگہ میں نے بتائی۔وقت آپ بتا دیں۔''

''آج شام۔۔۔سات بجے۔''

''سردیوں میں سات بجے شام نہیں رات ہوتی ہے محترمہ!''

''رات ہی سہی۔وقت مناسب ہے یا بدل لیں۔''

''جی نہیں۔میں پہنچ جاؤں گا۔''

''شکریہ۔ اور آپ مجھے پہچانیں گے کیسے؟''

''میں ابھی وہاں فون کر دیتا ہوں۔میں وہاں کا مستقل کسٹمر ہوں۔میرے نام پر ہمیشہ میز

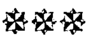
ریزرو رہتی ہے۔نمبر ہے چار۔۔۔وہاں کا منیجر ارشاد میرا بے حد اچھا دوست ہے۔اگر آپ مجھ سے پہلے پہنچ جائیں تو اس سے مل لیں۔وہ آپ کو میری میز پہنچا دے گا۔''

''ٹھیک ہے۔تو شام۔۔۔نہ نہ رات سات بجے۔''

''جی۔ویسے آپ اپنا نام ہی بتا دیں تاکہ میرے تجسس میں کچھ تو کمی ہو۔''

''گڈ ڈے مسٹر سکندر۔۔۔سب کچھ ملاقات پر۔'' اس نے ہنس کر فون بند کر دیا۔سکندر نے ریسیور کان سے ہٹا کر اسے چند لمحوں تک خالی خالی نظروں سے دیکھا پھر کریڈل پر ڈال دیا۔وقت دیکھا ابھی صبح کے گیارہ بجے تھے۔آٹھ گھنٹے اسے گزارنا مشکل لگ رہے تھے۔

اس کے ذہن میں ایک ہی سوال بار بار سر اٹھا رہا تھا۔وہ کون تھی؟ آواز اتنی خوبصورت ہے'خود کیسی ہو گی؟ وہ اس سے کیوں ملنا چاہتی ہے؟ اس کی باتوں پر وہ جوں جوں غور کرتا گیا' الجھتا گیا۔۔۔نجانے کیا معاملہ تھا جو وہ اسے اس قدر اصرار سے ملاقات پر آمادہ کر رہی تھی؟ کہیں کوئی خطرہ ہی نہ پیش آ جائے؟ پھر سر جھٹک کر اس نے اس آخری خیال کو دماغ سے دفعان کر دیا۔اس کی کسی سے دشمنی ہی نہ تھی تو خطرہ کیسا؟ دوستی بھی اس کی ارشاد کے علاوہ کسی سے نہ تھی۔ارشاد کا خیال آتے ہی اس نے فون کی طرف ہاتھ بڑھایا اور ہوٹل دی ڈائمنڈ کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔



سات بجنے میں پانچ منٹ تھے جب سکندر نے ہوٹل دی ڈائمنڈ کے باہر ٹیکسی چھوڑی۔پارکنگ لاٹ کے ساتھ بنی روش سے گزر کر جونہی وہ شیشے کے دروازے کے پاس پہنچا' باوردی ملازم نے مسکرا کر اسے سلام کیا اور دروازہ کھول دیا۔سکندر نے سر ہلا کر جواب دیا۔وہاں کے اکثر ملازم اور ویٹر اب اسے پہچاننے لگے تھے۔ایک تو وہ وہاں کا مستقل رہائشی ہو گیا تھا۔دوسرے ارشاد کے ساتھ اس کی دوستی اور بے تکلفی بھی اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہ رہی تھی۔

''سر۔منیجر صاحب اپنے کمرے میں آپ کے منتظر ہیں۔آپ ہال میں جانے سے پہلے ان سے مل لیں۔'' ملازم نے اسے بتایا۔

سکندر نے اس سے کچھ پوچھنا مناسب نہ سمجھا اور اندر داخل ہو کر دائیں ہاتھ ارشاد کے کمرے کی طرف بڑھ گیا جس کے دروازے پر منیجر کا لفظ دور ہی سے چمک رہا تھا۔دروازے کے باہر موجود چپراسی نے اسے دیکھتے ہی دروازہ کھول دیا اور مسکرا کر اسے اندر جانے کا اشارہ کرتے ہوئے سر خم کر دیا۔

سکندر اندر داخل ہوا۔ دروازہ بند ہو گیا۔

”آیئے آیئے سکندر صاحب۔“ ارشاد اپنی مخصوص لوچدار اور خوشامد سے لبالب آواز کا پردہ کھولتے ہوئے اٹھ کر اس کی طرف بڑھا۔ بڑی گرمجوشی سے اس نے سکندر سے مصافحہ کیا۔ پھر بڑے معنی خیز انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرایا۔

”آپ کے مہمان آ چکے ہیں۔“

”کب۔۔۔؟“ سکندر نے حیران ہو کر رسٹ واچ پر نظر دوڑائی۔ ”سات تو اب بجے ہیں۔“

”وہ پونے سات بجے ہی آ گئی تھیں۔“

”اچھا۔“ اسے خوشگوار سی پھریری آئی۔

”ویسے خوب شے ہے سکندر صاحب۔ واللہ۔“ اس نے بائیں آنکھ دبائی۔ ”آج کی ٹریٹ میری طرف سے۔“

”ارے ایسی کوئی بات نہیں ارشاد صاحب۔“ سکندر نے مسکراہٹ سمیٹ لی۔ ”وہ میری ایک کلائنٹ ہے۔“

”اتنی کم عمری میں کیا کاروبار کرتی ہے وہ۔۔۔ ذرا ہم بھی سنیں۔“ وہ بدستور بے تکلفی پر آمادہ رہا۔

”چھوڑیئے ارشاد صاحب۔ آپ نے مجھے کیوں بلوایا تھا؟“ سکندر کو اس کا انداز اچھا نہ لگا۔

”بس ایسے ہی۔ میں نے سوچا' اس سے پہلے میں آپ سے مل کر کچھ تبادلہ خیال کر لوں۔“ وہ بڑے عامیانہ انداز میں مسکرایا۔

”ایسی کوئی بات ہو گی بھی تو میں شیئر کرنے کا قائل نہیں ہوں ارشاد صاحب۔“ وہ عجیب سے انداز میں اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

”نہ نہ۔۔۔ توبہ توبہ۔“ ارشاد نے گال پیٹے۔ ”یہ میں نے کب کہا اور آپ نے کیسے سوچ لیا۔ مجھے تو محض آپ کی خدمت کی حسرت ہے سکندر صاحب۔۔۔ میں نے صرف آپ کو آپ کے انتخاب پر داد دینے کے لئے زحمت دی تھی۔ اگر آپ کو میری کوئی بات بری لگی ہو تو میں سوری کرتا ہوں۔“ وہ ایک دم پیشاب کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

”ارے نہیں ارشاد صاحب۔ کوئی بات بری کیسے لگے گی آپ کی۔ میں تو بائی دی وے آپ کو انفارم کر رہا تھا۔ بہرحال ابھی تک آپ کی طرف سے کوئی تحفہ مجھ تک نہیں پہنچا۔“ سکندر

نے صورت حال کو سنبھالنے کی غرض سے کہا۔ وہ ہوٹل میں رہ کر منیجر سے بیر نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ ایسے بارسوخ اور ”خدمت گزار“ شخص کی ضرورت اسے کسی بھی وقت پیش آ سکتی تھی۔

”آپ کا سٹینڈرڈ مجھے لے بیٹھا سکندر صاحب۔ اب ایسی پریوں کے لئے مجھے خاص محنت کرنا پڑے گی جو آپ کی اندر سبھا کو سجا سکیں۔ بہرحال بہت جلد آپ کا یہ گلہ دور ہو جائے گا۔“

وہ ایک دم خوش ہو گیا۔

”او کے۔۔۔ تو میں چلوں۔“

”ضرور۔۔۔ اور دھیان رکھیئے گا' آج کی ٹریٹ میری طرف سے ہے۔ میرے کسی لفظ پر دل نہ جلایئے گا۔ میں انہی کی کمائی کھاتا ہوں اور واللہ سکندر صاحب۔ آپ کو کبھی میرے عملی رویے سے دکھ نہیں ہو گا۔ آزما لیجئے گا۔“

”بنڈل آف تھینکس۔“ سکندر مسکرا کر پلٹا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

وہ بڑے نپے تلے انداز میں لگژری ہال کی طرف بڑھا جہاں اس کی میز ہمیشہ ریزرو رہتی تھی۔

دروازے میں رک کر اس نے اپنی میز کی جانب نگاہ کی اور حیرت کے مارے اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ اس حور شمائل سے آنکھیں ملتے ہی وہ جیسے پتھر کا بت بن گیا جو اس کی میز پر بیٹھی بڑی قاتل مسکراہٹ کے ساتھ اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اس نے پہلی نظر ہی میں اسے پہچان لیا۔

وہ نسرین تھی۔

مائرہ کی عزیز ترین سہیلی۔

ساری بات پلک جھپکتے میں اس کے سامنے کتاب کی طرح کھلتی چلی گئی۔

”پلیز۔“ ایک آواز نے اسے چونکایا تو وہ اپنی جگہ سے ہلا۔ کوئی شخص اس کے پیچھے اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ کھڑا تھا اور اس کے رستے سے نہ ہٹنے پر بول پڑا تھا۔

”سوری۔“ اس نے پلٹ کر اسے دیکھا راستہ دیا اور پھر سر کے بالوں پر ہاتھ پھیرتا آگے چل دیا۔

نسرین آتشی گلابی لباس میں غضب ڈھا رہی تھی۔ ہلکے ہلکے میک اپ کے ساتھ اس نے پھولوں کا زیور پہن رکھا تھا جو اسے ایک ایسی اپسرا کے روپ میں پیش کر رہا تھا جو اپنے حسن سے بخوبی آگاہ اور پذیرائی کی متمنی ہو۔

”آپ۔۔۔“ وہ قریب آ کر رکا تو دھیرے سے بولا۔

''حیرت ہوئی ناں آپ کو؟'' نسرین کے سرخ لبوں پر ایک دلآویز مسکراہٹ نے آگ سی لگا دی-

''ظاہر ہے- میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آپ ہوں گی-'' سکندر نے دھڑکتے دل پر قابو پایا- شاہینہ کی لفظ بہ لفظ گفتگو اس کے نہاں خانہ شعور میں کرنوں کی طرح جگمگا اٹھی اور حیرت کا احساس ختم ہو کر رہ گیا تاہم اسے اداکاری تو اسی جذبے اور کیفیت کی کرنا تھی-

''بیٹھیں گے یا میں بھی کھڑی ہو جاؤں'' اس نے کرسی کی جانب اشارہ کیا-

''اوہ--- سوری-'' سکندر جھینپ گیا- پھر موبائل میز پر رکھ کر خود کرسی کھینچ لی- ''آپ نے مجھے بالکل ہی بدحواس کر دیا-''

''میں نے یا میری آمد نے؟'' نسرین نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھا-

''دونوں نے-'' وہ بے اختیار کہہ گیا-

''واقعی؟'' وہ اس کے وجیہہ سراپے سے بے حد متاثر لگ رہی تھی-

''کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے-'' سکندر بے اختیار رومانی ہو گیا-

نسرین کیوں آئی تھی وہ جانتا تھا مگر اس کی شخصیت کے سحر سے خود کو بچا لینا اس کے لئے مشکل ہو رہا تھا-

''خود کو سنبھالئے سکندر صاحب-'' وہ شرما کر رہ گئی- ''میں کسی اور مقصد سے یہاں آئی ہوں بلکہ یوں کہئے کسی اور کے لئے آئی ہوں-''

''میں خود کو زندگی بھر معاف نہ کرتا اگر آپ کے بلاوے پر آنے سے انکار کر دیتا-'' سکندر نے صبح کی گفتگو کی جانب اشارہ کیا-

اسی وقت ویٹر نے کافی اور دوسرے لوازمات لا کر میز پر سجا دیئے اور خاموشی سے لوٹ گیا-

''یہ آرڈر کب دیا آپ نے؟'' نسرین حیرت سے بولی-

''نہ میں نے نہ آپ نے- یہ خود بخود آنے والی نعمتیں ہیں جیسے میرے سامنے آپ خلاف توقع آئی بیٹھی ہیں-''

''لفاظی خوب کرتے ہیں آپ؟'' نسرین نے برتن اپنی جانب سرکائے-

''ابھی ابھی شاعر ہوا ہوں-'' سکندر جیسے اندر تک بھیگ گیا-

''غلط سمت میں قدم مت اٹھائیے سکندر صاحب- میں واقعی کسی اور کے لئے آپ تک آئی ہوں-'' نسرین نے ایک نظر اس کی جانب دیکھا پھر کافی بنانے لگی-

''وہ کون بدنصیب ہے جس نے آپ کو یہاں بھیج کر اپنے لئے مشکل پیدا کر لی-'' سکندر نے آہستہ سے کہا- اس کی نظریں مسلسل نسرین کو پی رہی تھیں-

''ہے کوئی--- ابھی سب کچھ سامنے آ جائے گا-'' نسرین نے کپ اس کے آگے رکھا اور اپنے کپ سے ایک سپ لیا- ''لیکن وہ بدنصیب کیوں ہے؟''

''اس لئے کہ اب شاید اس کا مقصد ادھورا رہ جائے-'' سکندر نے کپ واپس میز پر رکھا-

''بہر حال آپ کہئے کس لئے ملنا چاہتی تھیں آپ؟''

''سکندر صاحب- لمبی چوڑی تمہید اور بحث و مباحثے کے بجائے اگر میں سیدھی مطلب کی بات کروں تو آپ کو برا تو نہ لگے گا-'' نسرین نے اسے غور سے دیکھا-

''ہرگز نہیں- لمبی بات سے تو میں خود بیزار ہو جاتا ہوں-''

''مگر اصل بات سے پہلے میں آپ سے ایک دو ضروری باتیں کرنا بلکہ پوچھنا چاہوں گی-''

''کوئی انویسٹی گیشن چل رہی ہے کیا؟''

''جواب ہاں میں بھی ہے اور نہیں میں بھی-'' نسرین ہنسی- ''تاہم خطرے والی کوئی بات نہیں-''

''تو پھر پوچھئے-'' وہ کرسی پر ذرا سا پھیل گیا-

''محبت کے بارے میں آپ کا کیا نظریہ ہے سکندر صاحب-'' نسرین نے جیسے اچانک اس پر وار کیا-

''میں سمجھا نہیں-'' وہ چونکا-

''میں نے عبرانی میں نہیں اردو میں بات کی ہے سکندر صاحب-'' نسرین مسکرائی-

''کیا اس بات کا ہماری آئندہ گفتگو سے کوئی تعلق ہے؟'' سکندر نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا-

''بالکل ہے!''

''ہوں---'' اس نے دونوں ہاتھ میز پر رکھ دیئے- ''دیکھئے مس نسرین- محبت ہر شخص کا ذاتی معاملہ ہے- کوئی اس بارے میں کیا سوچتا ہے ضروری نہیں کہ دوسرا کوئی فرد بھی اس سے متفق ہو-''

''درست-'' نسرین نے اسے دلچسپی بھری نظروں سے دیکھا- ''اسی لئے تو میں صرف آپ کا نظریہ جاننا چاہتی ہوں-''

''میرا نظریہ---'' سکندر پل بھر کو رکا- ''میرا نظریہ یہ ہے کہ محبت زندگی میں بار بار اور ہر بار بھرپور طریقے سے کرنی چاہیے-''

''یعنی---'' نسرین نے اسے حیرت سے دیکھا- ''آپ بھنورے کی نسل سے ہیں؟''

''یہی سمجھ لیں-'' وہ لاپروائی سے بولا- ''کیا حسن کی اس دنیا میں اس قدر کمی ہے مس نسرین کہ ایک شخص محض ایک پھول پر قناعت کر کے رہ جائے- کیا قدرت نے ہمیں اپنا حسن اور خوبصورتی وافر عطا نہیں کی- کیا محض ایک کے لئے وقف ہو کر باقی سارے پھولوں کا حق مارنا' قدرت کی ناشکری نہیں ہے- پھر یہ بھی ہے کہ اگر آپ ایک حسین کے ہو کر رہ جاتے ہیں تو اس حسین کو بھی آپ ہی کا ہو کر رہ جانا پڑتا ہے- یہ اس پر بھی ظلم نہیں ہے کیا؟''

''ارے ارے---یہ آپ کس طرف نکل پڑے-'' نسرین واقعی گھبرا گئی-

''میں اس میں قطعاً کوئی حرج نہیں سمجھتا مس نسرین کہ آپ محبت ایک سے کریں اور شادی دوسرے سے-''

''یہ ہرجائی پن ہے-''

''نہیں-'' اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا- ''جس سے آپ نے شادی کی وہ آپ سے محبت کرتا ہو- جس سے آپ نے محبت کی وہ کسی اور سے شادی کر لے- اس میں کیا جدت نہیں ہے- ایک وقت میں آپ دو افراد کو خوش کر رہے ہیں- دو لوگوں سے لطف اٹھا رہے ہیں- یہ تعداد بڑھ جائے تو اور بھی اچھا ہے- کم نہیں ہونی چاہیے-''

''اف---توبہ-'' نسرین نے ماتھے پر آئے پسینے کو ننھے سے سرخ رومال سے خشک کیا- اس کی آنکھوں میں کاجل پھیل سا گیا- سکندر کے نظریات جان کر وہ اندر سے دہل کر رہ گئی تھی- یہ مائرہ نے کسے پسند کر لیا؟ ایک لمحے کے لئے اس کے ذہن میں کوندا سا لپکا---مگر دوسرے لمحے وہ چونک پڑی-

''میں نے کہا تھا کہ محبت کے بارے میں ہر ایک کا اپنا نظریہ ہوتا ہے مس نسرین- میں نے پوری دیانت سے خود کو کھول دیا- اب آپ فرمائیے آپ اس بارے میں کیا کہتی ہیں-''

''میں؟'' اس کا گلا خشک ہو گیا- پانی کا ایک گھونٹ لے کر اس نے گلاس واپس میز پر رکھا اور سکندر کی جانب دیکھا جو بڑی جاندار نگاہوں سے اسے گھور رہا تھا- ''میں تو آپ سے متفق نہیں ہوں سکندر صاحب-''

''میں نے متفق ہونے کی تو بات ہی نہیں کی- آپ تو اپنا خیال بتائیے-'' وہ مسکرایا-

''میں اسے ضروری نہیں سمجھتی-'' نسرین نے پہلو بچانا چاہا- ''بہتر ہے کہ میں اصل بات پر آ جاؤں-''

''ہرگز نہیں---'' سکندر نے اسے روک دیا- ''آپ پہلے میرے جواب میں اپنا نظریہ بیان کریں' پھر بات آگے بڑھے گی-''

''کیا ضروری ہے یہ؟'' وہ مجبور سی ہو گئی-

''بالکل---آپ اینٹ کا جواب پتھر سے دیں مگر فرار کا راستہ نہ ڈھونڈیں ورنہ میں آپ کی بات سنے بغیر رخصت چاہوں گا-''

''نہیں نہیں- ایسا نہ کیجئے گا-'' نسرین نے جلدی سے کہا-

''تو پھر بولئے-''

''دیکھئے سکندر صاحب- میرا خیال ہے کہ محبت ایک ہی سے ہونی چاہیے- اگر اس سے آپ کی شادی بھی ہو جائے تو سونے پر سہاگہ ہے ورنہ دوبارہ محبت کی کم از کم میں تو قائل نہیں ہوں- دوبارہ محبت ہو ہی نہیں سکتی-''

''اور اگر میں آپ کا نظریہ باطل کر دوں تو؟'' اس نے جیسے اسے چیلنج دیا-

''کوشش کیجئے-'' وہ بات میں دلچسپی کی گرمی محسوس کر کے مسکرائی-

''اگر آپ ہار گئیں تو؟''

''ٹریٹ دوں گی-''

''میری مرضی کی!''

''منظور ہے-''

''تو سنئے مس نسرین-'' وہ کہنیاں میز پر ٹکا کر آگے کو جھک آیا- آنکھیں نسرین کی مدھ بھری آنکھوں میں ڈال دیں-

نسرین کو محسوس ہوا جیسے سکندر کی آنکھوں سے مقناطیسی لہریں خارج ہو کر اس کے دماغ میں اترتی جا رہی ہوں- وہ روشنی کی لکیریں نیم گرم اور بے حد گداز تھیں- مسحور سی ہو کر وہ اس کی آنکھوں میں ڈوبتی چلی گئی- بلور کی طرح چمکتی سکندر کی آنکھیں ہونٹوں کے راستے بول رہی تھیں-

''جس سے آپ محبت کریں' اگر اسے حاصل نہ کر سکیں اور حاصل کرنے سے میری سیدھی سادی مراد جسمانی اتصال ہے' تو زندگی بھر کی کسک دل کو چھیدتی رہتی ہے- محبوب کی یاد آتی ہے تو قلب و ذہن کی دنیا تہ و بالا ہو کر رہ جاتی ہے- زندگی کے آخری موڑ پر بھی محبت کی جلن آبلہ ڈال کر رہتی ہے---لیکن اگر محبوب نے آپ کو چھو لیا ہو اور خاوند کوئی دوسرا بھی ہو جائے تو یہ یاد خوشگوار لمحات کو ہمراہ لے کر آتی ہے- آپ خاوند میں محبوب کو تلاش کر لیتی ہیں- محبوب میں خاوند کو نہ پا سکنے

کی حسرت زیادہ اذیت ناک ہوتی ہے- اس لئے خود کو محروم نہ رکھئے- محبوب ایک کے بعد دوسرا بھی ہوسکتا ہے- خاوند ایک ہی رہتا ہے- اور ایک شے سے تو آدمی اکتا بھی جاتا ہے- تبدیلی اور جدت اس کا دل بہلائے رکھتی ہے- کل کی بلیک اینڈ وائٹ بہترین فلم آج کی رنگین مگر بکواس فلم کے سامنے بری لگتی ہے تو آپ اس بلیک اینڈ وائٹ فیتے سے کیوں چمٹی رہنا چاہتی ہیں- رنگوں اور خوشبوؤں سے دامن بھرنے سے گریزاں کیوں رہنا چاہتی ہیں صرف اس لئے کہ آپ کے دامن دل پر کسی جانے والے کے قدموں کے نشان موجود ہیں- ان نشانوں کو رنگوں کی پھوار میں چھپا کیوں نہیں دیتیں آپ--- کہ آپ کا دامن داغدار نہ لگے- خوشنما لگے-"

وہ خاموش ہوگیا-

نسرین مبہوت سی اس کی جانب دیکھے جا رہی تھی-

بڑے غیر محسوس انداز میں سکندر نے اس کا میز پر رکھا ہاتھ چھوا تو وہ چونک پڑی- جھرجھری لے کر اس نے سکندر کی جانب یوں دیکھا جیسے ہوش میں آ گئی ہو-

"کیا میں نے غلط کہا مس نسرین؟" بڑے دلنشین انداز میں سکندر نے پوچھا-

"شاید--- نہیں-" اس کی آواز کسی گہرے کنویں سے ابھری اور اس نے ہاتھ کھینچ لیا-

"شاید نہیں- یقیناً میں نے درست کہا ہے ورنہ آپ کا لہجہ اس قدر کمزور نہ ہو جاتا- دل کی آواز سنئے مس نسرین- اردگرد کو مت دیکھئے--- کھائی پار کرتے وقت سامنے دیکھا کرتے ہیں- نیچے دیکھیں تو کھائی اپنی طرف کھینچ لیتی ہے- یہ دنیا بھی ایک کھائی ہے جو منہ پھاڑے آپ کی خوشیوں' جذبوں کی صداقتوں اور خوبصورتیوں کو نگل لینے کے لئے تیار بیٹھی ہے-"

نسرین جواب میں اسے خالی خالی نظروں سے دیکھتی رہی- اس کی ذہنی رو پر جیسے مستقل طور پر سکندر کی جلتی بجھتی نظروں نے شب خون مار لیا تھا-

"میرا خیال ہے آپ مجھ سے متفق ہو گئی ہیں؟" سکندر نے مسکرا کر اسے دیکھا-

جواب میں نسرین بے خیالی سے مسکرائی--- یہی اس کا اقرار تھا-

"اب کہئے- آپ کس کے لئے اور کیوں مجھ سے ملنے آئیں؟"

"ہاں---" نسرین کو جیسے یاد آ گیا کہ وہ یہاں کیوں آئی تھی- "میں اب بغیر کسی مزید تمہید اور دیری کے کہنا چاہوں گی سکندر صاحب کہ مجھے آپ کے پاس مائرہ نے بھیجا ہے-"

"مائرہ نے-" سکندر نے حیرت کی شاندار اداکاری کی- "وہ کیوں؟"

"وہ پگلی آپ سے محبت کرنے لگی ہے-" نسرین نے اس کی طرف دیکھا- اس کی آواز تھرا گئی تھی-

"مجھ سے---؟" وہ پھر اسی حیرت سے بولا- "میرا اور ان کا کیا جوڑ مس نسرین-"

"محبت تو یہ سب نہیں دیکھتی سکندر صاحب- جاننا چاہتی ہے وہ کہ آپ بھی اس سے محبت [illegible]تے ہیں یا نہیں؟"

"آپ نے مجھے الجھن میں ڈال دیا-" وہ سنجیدہ ہو گیا-

"الجھن کیسی؟" نسرین کا دل زور سے دھڑک اٹھا- اس کے من میں شدت سے خواہش [illegible]ری کہ سکندر کا جواب نفی میں ہو-

"الجھن یہ ہے کہ اگر میں یہ کہتا ہوں کہ میں مائرہ سے محبت کرتا ہوں تو یہ سچ ہو یا نہ ہو' کسی [illegible] کے لئے دکھ کا باعث بن جائے گا-"

"کس کے لئے؟" وہ بے ساختہ پوچھ بیٹھی-

"اس کا جواب میں بعد میں دوں گا مس نسرین-" اس نے اچانک پینترا بدلا- "پہلے [illegible]پ مجھے یہ بتایئے کہ اس نے آپ ہی کو اس کے لئے کیوں چنا-"

"میں اس کی بہترین سہیلی اور رازدار ہوں-"

"مس نسرین- میں اپنے جواب سے پہلے آپ کو ایک بات سنانا چاہوں گا- اس سے [illegible]پ میرے جواب کو بخوبی اور میری بات کو تہہ تک سمجھ سکیں گی-"

نسرین اسے استفہامیہ انداز میں دیکھنے لگی-

"میرے ایک دوست نے مجھ سے کہا کہ یار میرے لئے کوئی اچھی سی لڑکی دیکھو- جواب [illegible]ں میں نے اسے کہا کہ تمہارے لئے لڑکی کیوں دیکھوں- کیا میں خود شادی کے قابل نہیں [illegible]وں- جو لڑکی میں تمہارے لئے دیکھوں گا اس سے خود شادی کیوں نہ کر لوں- آپ میری بات [illegible]مجھیں یا نہیں!؟"

جواب میں نسرین نے اسے بھولپن سے دیکھا اور نفی میں سر ہلا دیا-

"میں سمجھاتا ہوں مس نسرین! گھر جا کر نہیں' ابھی اور اسی وقت یہ سوچئے کہ مائرہ کے لئے [illegible]پ جس شخص سے یہ پوچھنے آئی ہیں کہ وہ مائرہ سے محبت کرتا ہے یا نہیں--- کیا وہ آپ کو محبت [illegible] قابل دکھائی نہیں دیتا؟"

اور--- نسرین کے اندر جیسے ہزار پاور کا بلب جل اٹھا- اس نے لرز کر سکندر کی جانب [illegible]کھا جو اسے جواب طلب نگاہوں سے دیکھ رہا تھا اور ان آنکھوں میں اسے اپنے لئے ایک بار پھر [illegible]ن کا سمندر کروٹیں لیتا دکھائی دیا-

"سکندر صاحب-"

''صرف سکندر کہیئے مس نسرین۔'' سکندر نے پھر اس کے خوبصورت ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ نرم و گداز سرخ و سفید ہاتھ جو ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ آہستہ آہستہ تپ رہا تھا۔

''میں مائرہ سے محبت کرتا ہوں یا نہیں اس کے لئے مجھے سوچ کر جواب دینا پڑے گا مگر آپ کو میں ایک پل کے ہزارویں حصے میں پسند کر چکا ہوں۔''

''نہیں---'' اس نے گھبرا کر ہاتھ کھینچ لیا۔ ''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ میں اس لئے تو یہاں نہیں آئی تھی!''

''میں بھی اس لئے یہاں نہیں آیا تھا مس نسرین--- یہ تو وقت کا تیر ہے جس نے دو دلوں کو ایک ساتھ چھید دیا ہے۔ کیا نہیں؟'' براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانک کر سکندر نے کہا اور اس کی آنکھوں میں وہی وحشت چمک اٹھی جو مد مقابل کو تسخیر کر لیا کرتی تھی۔ نسرین بھی مسحور ہو کر یوں خاموش ہو گئی جیسے اس کے ہوش و حواس میں جان نہ رہ گئی ہو۔ وہ کسی معمول کی طرح سکندر کی جانب تکتی رہ گئی۔

اسی لمحے ویٹر آ دارد ہوا۔

اس نے برتن سمیٹے۔ انہوں نے کافی کے علاوہ کسی شے کو چھوا بھی نہ تھا۔ وہ آئس کریم کے کپ ان کے آگے رکھ کر لوٹ گیا۔

نگاہوں کا طلسم ختم ہو گیا۔

مگر--- ان کا خمار شاید ہمیشہ کے لئے نسرین کے ہوش و حواس، شعور اور لاشعور پر چھا گیا۔ وہ اب بڑی والہانہ نگاہوں سے سکندر کو دیکھ رہی تھی۔

''تو اب میں مائرہ کو کیا جواب دوں جا کر؟'' دھیرے سے نسرین نے پوچھا۔

''یہ میں بتاؤں کیا؟'' وہ ہولے سے ہنسا۔

''یعنی---؟''

''دیکھو نسرین۔ ہر بات کی وضاحت جذبوں کو بدصورت بنا دیتی ہے۔ میں نے کبھی پچ کا شوگر کوٹڈ نہیں ہونے دیا۔ تم مجھے اچھی لگیں، میں نے تمہیں صاف صاف کہہ دیا۔ اب اس کے بعد مائرہ کی گنجائش کہاں رہ جاتی ہے!''

''مگر--- میرے بارے میں آپ اور آپ کے بارے میں میں جانتے ہی کیا ہیں؟''

''تو جان لیں گے--- کیا ابھی ایک ثانیے میں فیصلہ کرنا ضروری ہے؟''

''وہ مجھ سے پوچھے گی؟''

''کیا تم اسے بتا کر آئی ہو کہ تم مجھ سے ملنے آ رہی ہو؟''

''نہیں--- میں نے صبح اسے صرف یہ بتایا تھا کہ آج تم یعنی سکندر سے بات کروں گی۔ وقت طے کروں گی پھر ملنے جاؤں گی۔ وہ تو چاہتی تھی کہ فون پر ہی میں تم سے ہاں نہ کا جواب لے لوں۔''

''امیر زادی ہے ناں۔ حکم دینا اور منوانا عادت میں ہو گا۔''

''نہیں سکندر۔'' نسرین نے نفی میں سر ہلا کر بڑے اعتماد سے کہا۔ ''مائرہ ایسی نہیں--- وہ بڑی صاف، سچی اور کھری لڑکی ہے۔''

''وہ جیسی بھی ہے، میں اسے فریب نہیں دینا چاہتا۔ میرے دل نے تمہارے نام پر دھڑک کر مجھے اس سے جنم جنم کے فاصلے پر لا پھینکا ہے۔''

''اتنی جلد بازی اچھی نہیں سکندر صاحب--- میں نے پہلے بھی کہا کہ ہم ایک دوسرے کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے بلکہ یہ کہوں تو زیادہ صحیح ہو گا کہ آپ کے بارے میں تو مائرہ نے مجھے خاصی حد تک معلومات فراہم کر دیں مگر آپ میرے بارے میں سوائے نام اور مائرہ سے تعلق کے اور کیا جانتے ہیں؟''

''یہ کہ تم بہت خوبصورت ہو اور میں تمہیں پسند کرتا ہوں۔''

''کیا یہ کافی ہے؟'' نسرین نے اسے گہری نظروں سے دیکھا۔

''میرے لئے کافی ہے۔ تم اپنی کہو۔'' وہ بڑے اطمینان سے بولا۔

''کیا یہ ضروری ہے کہ آپ مجھے پسند کر چکے ہیں تو جواب میں میں بھی آپ کو پسند کرنے لگوں؟''

''اس کا جواب مجھ سے نہیں اپنی آنکھوں میں پھیل جانے والے کاجل سے پوچھو--- جذبات کی نمی نے اسے جو حرارت دی ہے وہ اسے سنبھال نہیں پا رہا۔'' سکندر نے بڑی بے باکی کا ثبوت دیا۔

بے اختیار نسرین کی آنکھیں جھک گئیں۔

''میں اب چلوں گی۔'' وہ بیگ سنبھال کر ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں تمہارے فون کا انتظار کروں گا۔'' سکندر نے اس کی طرف مسکراتی نظروں سے دیکھ کر کہا اور خود بھی اٹھ گیا۔

نسرین نے جواب میں ایک طائرانہ نظر اس پر ڈالی۔ پھر خاموشی سے اٹھ کر خارجی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

سکندر نے موبائل جیب میں ڈالا اور پھولوں سے لدی اس لچکیلی شاخ کو دروازے سے باہر تک دیکھتا رہا۔ پھر دوبارہ ارشاد کے کمرے میں جانے کی غرض سے اس نے قدم آگے بڑھا دیئے۔

O

''وہ بہت محتاط ہے مائرہ-'' نسرین نے دھڑکتے دل سے کہا- ''میں نے جب فون پر اسے بتایا کہ میں کون ہوں تو اس نے فوراً یہ پوچھا کہ میں اس سے کیوں ملنا چاہتی ہوں-''

''تم نے اسے بتایا ہی کیوں کہ تم کون ہو؟'' مائرہ جھنجھلا سی گئی-

''کیا بات کرتی ہو؟'' نسرین نے حیرت ظاہر کی- ''میں ایک انجان لڑکی بن کر اسے کسی جگہ ملنے کو کہوں تو وہ فوراً وہاں کیوں چلا آئے گا؟ کیا وہ بے وقوف ہے- زمانہ اور حالات کیسے جا رہے ہیں؟ ہزار اندیشے دل میں جنم لے کر سوچ کو تہ وبالا کر دیتے ہیں-''

''وہ تو ٹھیک ہے مگر---'' مائرہ مایوس سی ہوگئی-

''اس نے بہت اصرار کیا مائرہ کہ میں فون ہی پر اس سے وہ بات کرلوں جو ملاقات پر کرنا چاہتی ہوں مگر میں نے یہ مناسب نہ سمجھا--- میرا خیال ہے ایسی باتیں فون پر نہیں ہوسکتیں- کیا میں نے غلط سوچا-''

''نہیں-'' مائرہ تھکے تھکے لہجے میں بولی- ''تم نے ٹھیک سوچا-'' وہ خاموش ہوگئی-

نسرین تقریباً دس منٹ پہلے آئی تھی- اس نے سکندر سے ملاقات پر رات بھر سوچا- دل کو ٹٹولا جہاں پہلے سے کسی جانے والے کی یاد سر نیہوڑائے اداس بیٹھی تھی- سکندر کے نام پر یہ اداسی اپنے کھلے بال سمیت لینے کو ایک دم تیار ہوگئی تو اس نے خود غرضی کا پہلا سبق یاد کرنے کا فیصلہ کر لیا- صبح دس بجے وہ مائرہ کے گھر پہنچی اور اب دونوں گفتگو کر رہی تھیں- اس نے سکندر سے ملاقات کو مکمل طور پر گول کر دیا اور اسے یہی بتایا کہ اب تک جو بھی بات ہوئی وہ فون ہی پر ہوئی-

''کیا سوچنے لگیں؟'' نسرین نے اسے بغور دیکھا-

''کچھ نہیں-'' مائرہ نے سر اٹھایا- اسی وقت شاہینہ کمرے میں چائے کے برتن لئے داخل ہوئی- ان دونوں کو چائے سرو کر کے وہ خاموشی سے لوٹ گئی- یہ اور بات ہے کہ نیچے جانے کے بجائے وہ دروازے کے باہر ہی ایک طرف ہو کر کھڑی ہوگئی- وہ جاننا چاہتی تھی کہ ان دونوں کے درمیان کیا گفتگو ہوتی ہے-

''ویسے تمہارا کیا خیال ہے مائرہ--- اس نے ملنے سے انکار کیوں کیا؟''

''میں کیا جانوں-'' مائرہ نے پھیکے سے لہجے میں کہا-

''میرا ایک اندازہ ہے-'' نسرین کو دکھ سا ہوا مگر فوراً ہی اس نے مائرہ کی حالت سے متاثر ہونے کا ارادہ ترک کر دیا-

''وہ کیا؟''

''وہ ایک محتاط آدمی ہے- نہیں چاہتا کہ اس کے نام کے ساتھ کوئی سکینڈل جنم لے-''

''ہوسکتا ہے-'' مائرہ نے چائے کا کپ اٹھالیا-

''کچھ تم بھی تو بکو--- اکیلی میں ہی اندازے بگھار رہی ہوں-'' نسرین کو واقعی تاؤ آ گیا-

''میں کیا بکوں- تم جو کہہ رہی ہو ٹھیک ہی ہوگا-'' مائرہ نے اس کی جانب بڑی اداس نظروں سے دیکھا-

''اچھا فرض کرو کہ وہ مجھ سے ملنے کے بعد--- میری بات سن کر انکار کر دیتا ہے- تب!''

''تب کیا---؟ ٹائیں ٹائیں فش!'' وہ ہولے سے ہنسی-

''یعنی تم ذہنی طور پر اس کے لئے تیار ہو؟''

''ہاں-'' مائرہ نے دھیرے سے کہا- ''بلکہ میں تو کہتی ہوں نسرین- اس بات کو یہیں روک دو- میں نہیں چاہتی کہ اس کا انکار مجھ سے میری انا چھین لے-''

''ضروری تو نہیں کہ انکار ہی ہو- یہ بھی تو ممکن ہے کہ اس کے دل میں تمہارے لئے پہلے سے جگہ موجود ہو-''

''مشکل ہے!'' مائرہ نے نفی میں سر ہلایا-

''کوئی خاص وجہ؟''

''بڑی عام سی وجہ ہے نسرین- اگر اس کے دل میں میرے لئے کوئی نرم گوشہ موجود ہوتا تو اس کے لئے اس سے سنہری موقع اور کیا ہوسکتا تھا کہ وہ تم سے مل لیتا اور تمہیں میرے بارے میں آگاہ کر دیتا- محتاط ہونا اپنا جگہ لیکن یہ ملاقات تو تم چاہتی تھیں ناں- اس پر تو کوئی الزام آ ہی نہیں سکتا تھا- وہ جانتا ہے کہ تم میری بہترین سہیلی ہو اس کے باوجود اگر وہ تم سے ملنے سے گریزاں ہے تو مجھے اندازہ لگا لینا چاہیے کہ وہ مجھ میں انٹرسٹڈ نہیں ہے-''

''کسی اور کے ساتھ؟''

''ہوسکتا ہے-'' مائرہ نے اس کی بات کاٹ دی- ''اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس سمت میں سوچنا ہی نہ چاہتا ہو صرف اپنی زندگی سیٹل کرنے کی تگ و دو میں لگا ہو-''

"شاید---" نسرین نے کہہ کر چائے کا کپ خالی کر دیا۔

"اسی لئے میں چاہتی ہوں کہ اس بات کو اسی جگہ ختم کر دیا جائے۔ اگر یہ بات سچ ہے کہ جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں تو مجھے وقت کا انتظار کرنا چاہیے۔ اگر میرا جوڑا اس کے ساتھ طے ہے تو کوئی اسے مجھ سے چھین نہیں سکتا اور اگر یہ محض میری خواہش ہے تو ہر خواہش کا پورا ہو جانا ممکنات میں سے نہیں ہوتا۔"

"بڑی فلسفی ہو رہی ہو۔" نسرین نے خود کو چور سا محسوس کرتے ہوئے بات کا رخ بدلنا چاہا۔

"زندگی بہت بڑا فلسفہ ہے نسرین۔ سمجھنے کے لئے ہمیں مواقع ملتے ہیں مگر ہم ان سے لطف نہیں اٹھاتے۔ اپنی خواہشوں اور تمناؤں کے خول میں بند ہو کر رہ جاتے ہیں۔ زندگی آگے چل دیتی ہے اور ہم یہ گلہ کرتے رہ جاتے ہیں کہ زندگی نے ہمیں لفٹ ہی نہیں کرائی۔ حالانکہ یہ غلطی ہم خود کر رہے ہوتے ہیں۔"

"بس کرو بابا۔ بس کرو۔" نسرین نے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے۔ "میرا دماغ نہ تھکاؤ۔ تم تو شاید دن رات ایسی ہی خشک باتیں سوچتی رہتی ہو۔ مجھ پر رحم کرو۔ مجھے صرف یہ بتاؤ اب آگے کیا کروں؟"

"کچھ نہیں۔" مائرہ نے حتمی لہجے میں کہا۔ "اب تم اسے فون مت کرنا۔"

"سوچ لو۔"

"سوچ لیا۔" مائرہ نے اسی لہجے میں کہا۔

"کل کو مجھے الزام نہ دینا۔ میں اب بھی تیار ہوں۔"

"تم بےفکر رہو۔ میں آنے والے وقت کی ہر ضرب برداشت کر لوں گی۔ تمہارا اب تک تعاون ہی میرے لئے بہت ہے۔"

"یہ تم نے اچانک پینترا کیوں بدل لیا؟" نسرین رہ نہ سکی۔

"میں نے بتایا ناں نسرین۔ ایک تو مجھے خوف ہے کہ وہ انکار کر کے میری انا کا خون نہ کر دے۔ دوسرے یہ کہ میں نسوانی غرور کا سمبل ہوں۔ تاریخ گواہ ہے کہ مرد نے عورت کے سامنے دامن پھیلایا ہے۔ میں اس سے بھیک کیوں مانگوں۔ اگر مجھ میں کشش ہو گی تو وہ خود میری طرف لپکے گا اور اگر کوئی اور اسے لے اڑا تو یہ میرے لئے اس لئے زخم کا باعث نہ بنے گا کہ میں نے خود اسے لفٹ ہی نہیں کرائی۔ میرا بھرم قائم رہے' یہی میرے لئے سب سے بڑی جیت ہے۔"

"بات تو تمہاری درست ہے۔" نسرین اندر سے شرمندہ ہو رہی تھی۔ وہ اپنی عزیز ترین

سہیلی کے ساتھ فریب کر کے خود کو مجرم محسوس کر رہی تھی مگر عجیب بات تھی کہ جب بھی تصور میں اس کے سامنے سکندر اور خاص طور پر اس کی بکی جھکتی آنکھیں ابھرتی تھیں وہ ہر اصول' ہر قانون اور ہر رویے سے بے نیاز ہو جاتی تھی۔

"اس لئے میری درخواست ہے کہ اب تک جو گفتگو ہم دونوں کے درمیان ہوئی' اسے پلیز بھول جانا۔ کبھی اس حوالے سے مجھے شرمندہ مت کرنا۔"

"پگلی ہو تم۔" نسرین نے اس کے ہاتھ تھام لئے۔ "اب تک ایسا ہوا کیا ہے کہ تم شرمندہ ہو سکو۔ سمجھ لو ہم دونوں کے درمیان یہ معاملہ کبھی زیر بحث آیا ہی نہیں۔"

"شکریہ نسرین۔" مائرہ چھلک گئی۔

"مائرہ---" نسرین نے اسے سینے سے لگا لیا۔ "پھر سوچ لو جان۔ تمہاری حالت مجھے اچھی نہیں لگ رہی۔"

"نہیں نسرین۔" وہ اس سے الگ ہو کر آنکھیں خشک کرنے لگی۔ "اب اور نہیں۔ بس--- یہ معاملہ ختم سمجھو۔"

"تمہاری مرضی!" نسرین نے آہستہ سے کہا۔ "تو میں چلوں؟"

"کچھ دیر تو بیٹھو۔" مائرہ نے اس کی جانب دیکھ کر مسکرانا چاہا۔ "اب تک میری ہی رام لیلا جاری رہی۔ نہ تم سے کچھ پوچھا نہ سنا۔"

"میری کوئی ایسی کہانی ہے ہی نہیں جان۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "دیر ہوئی کہ ہم نے یہ باب بند کر دیا تھا۔"

"یعنی تم یہ زہر چکھ چکی ہو؟"

"ظاہر ہے ورنہ تمہیں اس موضوع پر بڑے بڑے لیکچر کیسے دے پاتی!" نسرین نے ہنس کر کہا۔ "شام کو فون کروں گی۔"

"ضرور کرنا--- اور کوئی پروگرام بناؤ یار۔ باقی شتونگڑیوں کو کنٹیکٹ کرو۔ کہیں کوئی پکنک وغیرہ منانے چلیں۔"

"ضرور۔ میں آج کل ہی میں کوئی پروگرام فائنل کرتی ہوں--- اوکے بائی۔" نسرین ہاتھ ہلا کر رخصت ہو گئی۔

دروازے کے قریب پہنچی تو شاہینہ اندر داخل ہوئی۔

"بس نسرین بی بی' اتنی جلدی چل دیں۔" اس نے یوں ظاہر کیا جیسے ابھی نیچے سے آ رہی ہو۔

''ہاں بھئی- چائے بہرحال بہت مزیدار تھی-''

''شکریہ جی-'' شاہینہ اندر تک خوش تھی- مائرہ کے پیچھے ہٹ جانے کی مسرت اسے پھول کی طرح کھلا گئی تھی-

نسرین باہر نکل گئی- شاہینہ نے برتن سمیٹے- مائرہ نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کیا-

''مائرہ بی بی- انکل کا فون آیا تھا-''

''کب؟'' مائرہ نے تپائی پر پڑے اپنے سیٹ کی جانب دیکھا- ''اوہو-'' اس نے تقریباً ایک گھنٹہ قبل فون سن کر ریسیور کریڈل پر یوں رکھا تھا کہ فون ڈسکنکٹ نہ ہو سکا تھا- ہاتھ بڑھا کر اس نے ریسیور درست طریقے سے رکھا-

''آپ کا نمبر انگیج تھا-''

''ہاں- میں نے ریسیور ٹھیک طرح سے نہ رکھا تھا- کیا کہہ رہے تھے پاپا؟''

''وہ کہہ رہے تھے گھر پر ہی رہئے گا- وہ آپ کے لئے کوئی خاص چیز لے کر آ رہے ہیں-''

''کیا؟'' مائرہ نے اس کی طرف دیکھا-

''آئیں گے تو دیکھ لیجئے گا-'' شاہینہ شرارت سے مسکرائی-

''شاہینہ کی بچی-'' اس نے آنکھیں نکالیں-

''ابھی نہیں ہوئی---'' وہ برتن اٹھائے دو قدم پیچھے ہٹ گئی- ''بہرحال بتا دیتی ہوں کہ وہ آپ کے لئے---''

''بولو ناں--- کیوں تنگ کر رہی ہو؟'' وہ جھلا گئی-

''پہلے مسکرائیے-''

''شاہینہ---'' اس نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا-

''بعد میں آپ ہنسیں گی- میں چاہتی ہوں آپ کی مسکراہٹ ہنسی میں بدلے-''

''لو---'' مائرہ بے اختیار مسکرا دی-

''گاڑی لے کر آ رہے ہیں آپ کے لئے-'' شاہینہ نے اطمینان سے کہا-

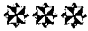
''کیا؟'' وہ بے یقینی سے بولی-

''اب ہنسئے-''

''شاہینہ کی بچی-'' وہ اچھل کر بستر سے نیچے آ رہی-

''کہا ناں ابھی نہیں ہوئی---'' وہ کہہ کر تیزی سے پلٹی اور کمرے سے نکل گئی-

''اوہ پاپا---'' وہ جھوم گئی- ''یو آر گریٹ!''



ثمین نے ایک بار پھر انٹرکام پر سکندر کا نمبر دبایا- بیل ہوئی- ہوتی رہی مگر اٹھایا کسی نے نہیں- تین چار مرتبہ ٹرائی کرنے کے بعد اس نے کنکشن کاٹ دیا- رسٹ واچ میں وقت دیکھا لنچ کا وقت بھی نہیں ہوا تھا مگر رابطہ قائم نہ ہونے کا مطلب تھا کہ سکندر اپنے کمرے میں نہیں ہے-

اس نے فائلوں کے انبار میں سے ایک فائل چھانٹی اور اطمینان سے سر ہلا کر اٹھ کھڑی ہوئی- یہ ایک پارٹی کا پے آرڈر تھا جس کی کنفرمیشن سکندر سے کرانا ضروری تھا- وہ اس بہانے سکندر کے کمرے میں جا سکتی تھی- آج صبح سے اس کا سکندر سے رابطہ نہ ہو رہا تھا اس لئے وہ بے چین سی ہو گئی- نجانے کیا بات تھی؟ ورنہ اس وقت تک تو وہ خود اس سے ایک دو بار بات کر لیا کرتا تھا-

اس سے پہلے بھی وہ چند مرتبہ دفتری کام کے بہانے سکندر کے کمرے میں جا چکی تھی- دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھ کر آنکھوں کی پیاس بجھالی تھی- تاہم آج ہوا یہ تھا کہ ثمین نے صبح دفتر آنے سے پہلے ٹی وی آن کیا تو کیبل پر کوئی جذباتی فلم چل رہی تھی- اس نے فلم تو تھوڑی بہت دیکھ لی مگر تب سے وہ اپنے آپ میں نہیں تھی- اس کا پورا بدن سکندر سکندر پکار رہا تھا اور سکندر تھا کہ اس سے رابطہ نہ ہو رہا تھا- وہ اس سے مل کر کوئی پروگرام بنانا چاہتی تھی- وہ دونوں ایک دوسرے کی ایسی طلب بن چکے تھے جس کے لئے کوئی امر کوئی شرم اب مانع نہ تھی-

فائل ہاتھ میں تھامے وہ ہال عبور کر کے کاریڈور میں آئی- پھر سکندر کے کمرے کے سامنے آ رکی- دروازہ نیم وا تھا- اندر سکندر موجود نہ تھا- وہ داخل ہو کر اس کی میز کے پاس آئی اور رک گئی-

میز پر سکندر کا موبائل موجود تھا- اس کا مطلب تھا وہ کمرے کے آس پاس ہی کہیں ہو گا- اس نے ہاتھ بڑھا کر موبائل اٹھا لیا اور اس کا ٹیلی فون انڈیکس چیک کرنے لگی- اس کا فطری شک اسے مجبور کرتا تھا کہ وہ ہر طرح سے سکندر کو چیک کرتی رہے- سابقہ چار دن تک اس نے فون نمبر چیک کئے سب کاروباری اور جعفری صاحب کے نمبر تھے- مطمئن ہو کر اس نے موبائل میز پر ڈال

دیا۔

اسی وقت باتھ روم کا دروازہ کھلا اور سکندر باہر نکلا۔

''ارے۔۔۔ تم کب آئیں؟'' وہ حیرت سے بولا۔

''ابھی ابھی۔'' ثمین بڑے دلآویز انداز میں مسکرائی۔ ''صبح سے رابطہ کر رہی ہوں۔ کہاں تھے تم؟''

''میں ابھی ابھی آیا ہوں۔ موبائل پر ٹرائی کر لیتیں؟''

''بس خیال ہی نہ آیا۔'' وہ اسے والہانہ انداز میں گھور رہی تھی۔

''کیا بات ہے۔۔۔ خیریت تھی؟۔۔۔ بیٹھو۔'' وہ اپنی سیٹ پر آ گیا۔

''ہاں۔'' وہ اس کے سامنے کرسی پر جم گئی۔ ''پہلے یہ فائل دیکھ لو۔''

''لاؤ۔'' سکندر نے فائل لے کر کھولی۔ چیک کیا۔ سائن کئے اور فائل اس کی طرف بڑھا دی۔

''اب بولو۔ کافی پیو گی؟''

''نہیں۔'' وہ دھیرے سے بولی۔

''پھر؟'' سکندر نے اسے دیکھا اور چونک پڑا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ ''تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟''

''ہاں۔۔۔'' اس نے سر تھام لیا۔ ''آج کتنے دن ہو گئے؟''

''میں بھی محسوس کر رہا تھا۔'' سکندر کا لہجہ اور دھیما ہو گیا۔ ''کل رات کا پروگرام رکھیں۔''

''آج کیوں نہیں؟'' وہ بے باکی سے بولی۔

''مشکل ہے۔'' سکندر نے جواب دیا۔ ''جعفری صاحب نے مائرہ کو گاڑی لے کر دی ہے۔ اس خوشی میں آج اس نے اپنی سہیلیوں کو ڈنر دیا ہے گھر پر۔ مجھے بھی جعفری صاحب نے انوائٹ کر رکھا ہے۔''

''اوہ۔۔۔'' وہ مایوس ہو گئی۔ ''پھر تو مجبوری ہے۔''

''یہ بھی اچھا ہے کہ تم میری مجبوری سمجھ جاتی ہو۔'' سکندر مسکرایا۔

''اوکے۔۔۔ تو کل کا پکا۔'' وہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

''پکا۔۔۔ مگر اپنا موڈ تو ٹھیک کرو۔'' سکندر نے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھا۔

''کچھ دیر لگے گی۔'' ثمین نے اسے کھا جانے والے انداز میں گھورا۔ ''کل رات آٹھ بجے۔''

''ہوں۔'' سکندر نے سر ہلایا۔

وہ فائل اٹھا کر کمرے سے نکل گئی اور سکندر بے چینی سے پہلو بدل کر رہ گیا۔ ثمین کی طلب اس کی اپنی طلب تھی وہ اگر دفتر میں محتاط نہ رہنا چاہتا تو شاید اسی وقت اسے آفس سے باہر لے جاتا مگر یہ بات اس کے حق میں بری بھی ثابت ہو سکتی تھی۔ ان دونوں کا اکٹھے غائب ہونا کچھ بھی گل کھلا سکتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ثمین کا موڈ بڑی مشکل سے ٹھیک ہو گا اور یہ کل رات سے پہلے ممکن نہ تھا۔

پھر فون کی گھنٹی نے اسے خیالوں اور سوچوں کے بھنور سے باہر کھینچ لیا۔ ایک دو پل وہ گنگناتے ہوئے فون کی جانب خالی خالی نظروں سے دیکھتا رہا پھر ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔

''ہیلو۔'' وہ بے دھیانی سے بولا۔

دوسری جانب خاموشی چھائی رہی۔

''ہیلو۔'' اس نے دوبارہ ذرا سنبھل کر کہا۔

یوں لگا جیسے کسی نے ریسیور ایک سے دوسرے ہاتھ میں لیا ہو مگر جواب میں خاموشی ہی رہی۔

''ہیلو۔'' اس بار وہ ذرا بلند آواز میں ناگواری سے بولا۔

''ہ۔۔۔ ہیلو۔۔۔'' کسی نے ہچکچا کر کہا اور سکندر کا سارا بدن جھنجھنا اٹھا۔ ساری کلفت کافور ہو گئی۔ اس کے روئیں روئیں میں نشہ سا بھر گیا۔

''تم۔۔۔'' ہولے سے بڑے نرم مگر گرم لہجے میں اس نے کہا۔

''ہاں۔۔۔ پہچان لیا؟'' نسرین نے دھیرے سے پوچھا۔

''گالی تو مت دو۔'' سکندر نے کہا اور ہنس دیا۔ ''کیا تم بھلا دینے کے قابل ہو۔''

''بنا رہے ہیں!'' وہ اٹھلائی۔

''اس سے زیادہ میں تمہیں کیا بناؤں گا۔ تم مکمل شاہکار ہو نسرین۔''

''آپ کی یہ باتیں مجھے لے ڈوبیں گی۔'' اس کی آواز میں شیرینی گھل گئی۔

''اکیلے تو تمہیں ڈوبنے بھی نہ دوں گا۔ یہ کہو دو دن تک فون کیوں نہیں کیا؟''

''سوچتی رہی۔''

''کیا؟''

''آپ کے بارے میں۔''

''یہ کیا آپ آپ لگا رکھی ہے۔ تکلف کی دیوار کا سایہ بھی ناگوار ہوتا ہے۔ تم کہو مجھے۔''

سکندر نے ڈانٹنے کے انداز میں کہا۔
"تم---" وہ کہہ کر رک گئی۔
"ہاں۔اس میں اپنائیت ہے۔آپ کہتی ہو تو لگتا ہے تم سے میرا چچا بھتیجی کا رشتہ ہے۔"
اور وہ کھلکھلا دی۔سکندر کا بدن ایک بار پھر ٹوٹنے لگا۔
"اب بتاؤ---کیا سوچتی رہیں میرے بارے میں؟"
"بہت کچھ۔بتانا کیا ضروری ہے؟" وہ شوخی پر اتر آئی۔
"آخر میں فیصلہ کیا ہوا؟" سکندر نے بے تابی سے پوچھا۔
"اب یہ بھی کہنے کی بات ہے کیا؟" وہ روانی سے گفتگو کر رہی تھی۔
"ہوں---" سکندر نے ایک گہرا سانس لیا۔"تو میں پاس ہو گیا!"
"لگتا تو ایسا ہی ہے---مگر سکندر مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"
"کس بات سے؟"
"کل کو مائرہ کو پتہ چلا تو۔"
"کیسے چلے گا۔تم بتاؤ گی یا میں؟"
"جب ہم ایک ہوں گے تب---کیا یہ چھپنے والی بات ہے؟"
"یقین کرو تب بھی پتہ نہیں چلے گا۔" وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔اس کی آنکھوں میں
تی وحشت دہک اٹھی جو اس کے خاص لمحوں کی پہچان تھی۔
"وہ کیسے؟ کیا سلیمانی ٹوپی اوڑھا دو گے مجھے؟"
"ایسا ہی سمجھ ہو۔" وہ اسی لہجے میں بولا۔"میں تمہیں وہاں چھپاؤں گا کہ جہاں تم سوچ بھی
ہیں سکتیں!"
"سوچ سکتی ہوں---تمہارے دل میں۔" وہ سرشاری سے بولی۔
جواب میں وہ بڑے پراسرار انداز میں ہنسا۔
"اب کیا فون ہی پر ترساؤ گی؟"
"کیا مطلب؟"
"صرف آواز سن کر میرا جی نہیں بھرتا۔ملاقات کا وقت نکالو۔"
"کب؟"
"میری طرف سے آج ہی---بلکہ ابھی۔"
"نہیں۔" نسرین نے بوکھلا کر کہا۔"اتنی جلدی نہیں۔"

"تو پھر؟"
"کل ٹھیک رہے گا۔"
"کل تو چوبیس گھنٹوں بعد آئے گی۔"
"پھر؟" وہ بہک سی گئی۔
"آج ہی---"
"مشکل ہے۔"
"ناممکن تو نہیں۔" وہ اصرار میں شدت لے آیا۔
"کہاں ملنا ہوگا؟"
"جہاں تم کہو۔"
"مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔" وہ شرما سی گئی۔
"اس وقت ساڑھے بارہ بجے ہیں۔چار بجے میں آفس سے نکلوں گا۔تم مجھے کشمیر روڈ پر
خیابان ہوٹل کے باہر ملو۔"
"اپنی گاڑی پر آ جاؤں؟"
"یہ تو اور بھی اچھا ہے۔مجھ غریب کو تو ٹیکسی پر آنا ہوگا۔"
"میں پہنچ جاؤں گی۔سوا چار بجے تک۔"
"ٹھیک ہے۔"
"اور جانا کہاں ہوگا؟"
"یہ میں تمہیں اسی وقت بتاؤں گا۔"
"اور واپسی کب ہوگی؟"
"یہی دو تین گھنٹے بعد۔"
"ٹھیک ہے۔میں فون رکھتی ہوں۔"
"سنو---" سکندر نے اسے روک دیا۔
"اب کیا ہے؟"
"میرا موبائل نمبر نوٹ کر لو۔آئندہ تم مجھ سے دفتر کے نمبر پر بات مت کرنا۔جتنی
پرائیویسی رہے اتنا ہی اچھا ہے۔"
"او کے---بتاؤ۔"
سکندر نے اسے اپنا موبائل نمبر لکھوایا۔نسرین کا نمبر نوٹ کیا۔



"مائرہ سے کیا بات ہوئی؟"
"اس سے-" نسرین ایک دم سنجیدہ ہوگئی- "اس نے خاموشی کا فیصلہ کرلیا ہے- مجھے بھی اس نے کسی پیش رفت سے منع کردیا ہے-"
"یہ اور بھی اچھا ہے- ہمیں کوئی کوشش نہیں کرنا پڑے گی-"
"ہاں---" وہ اداس سی ہوگئی- "مگر---"
"کسی بات کو اپنے دماغ پر بوجھ نہ بناؤ- جو ہوا' اچھا ہوا- جو ہورہا ہے' وہ بھی اچھا ہورہا ہے اور جو آئندہ ہوگا وہ بھی اچھا ہی ہوگا-"
"دلاسہ خوب دے لیتے ہو-" دھیرے سے نسرین نے کہا-
"یہ بھی ہر کسی کے بس کی بات نہیں-" سکندر ہنسا-
"اب بس--- میں بند کررہی ہوں-"
"او کے---" سکندر نے پیار سے کہا اور سلسلہ ختم ہوگیا-
فون بند کرکے اس نے آنکھیں موند لیں اور ریوالونگ چیئر کی پشت سے سر ٹکا لیا- چند منٹ اسی عالم میں گزر گئے- پھر اس نے آہستہ سے آنکھیں کھولیں- خون کی طرح سرخ آنکھوں میں وحشت کے دیئے جل رہے تھے-
ہاتھ بڑھا کر اس نے سائڈ ٹرے سے اخبار اٹھایا اور کلاسیفائڈ اشتہاروں پر نگاہ دوڑانے لگا- آخر ایک جگہ اس نے نظریں مرکوز کردیں- یہ ایک پراپرٹی ڈیلر کا کرائے کے مکان کے بارے میں اشتہار تھا- اس نے موبائل اٹھایا' اس میں نسرین کا نمبر فیڈ کیا- جس چٹ پر نسرین کا نمبر درج تھا اسے پھاڑ کر ٹوکری میں پھینکا اور پراپرٹی ڈیلر کا نمبر ڈائل کرنے لگا-
دو تین سیکنڈ بعد دوسری طرف سے رابطہ قائم ہوگیا-
"جی- غازی پراپرٹی اسٹیٹ-"
"ہیلو- دیکھئے- آج کے اخبار میں آپ کا ایک اشتہار شائع ہوا ہے-" سکندر نے رخ دروازے کی جانب کرلیا اور آواز دبالی-
"جی جی- فرمایئے- ذرا اونچی آواز میں بولیے-" پراپرٹی ڈیلر نے خوش اخلاقی سے جواب دیا-
"سگنل پورے نہیں ہیں' میں موبائل پر بات کررہا ہوں- ذرا کان لگا کر سنئے-" سکندر نے عذر پیش کیا-
"جی جی- میں سمجھ گیا- فرمایئے-"

"میں کرائے کے لئے اس مکان کی لوکیشن دیکھنا چاہتا ہوں-"
"آپ کے پاس اپنی گاڑی ہے؟"
"جی نہیں- میں ٹیکسی سے آسکتا ہوں-"
"آپ اس وقت کس علاقے میں ہیں؟"
جواب میں سکندر نے اسے جس جگہ کا نام بتایا وہ اس ایریا سے تقریباً دس میل دور تھی جہاں ا پرٹی ڈیلر کا آفس واقع تھا-
"اوہو- یہ تو بہت دور ہے مگر مکان جس جگہ واقع ہے وہ آپ کو نزدیک پڑے گی یہاں

"جی ہاں-" سکندر یہی چاہتا تھا- یہ اس کے لہجے سے ظاہر ہوگیا-
"تو آپ ایسے کریں کسی سواری پر وہاں چلے آئیں- میں آدھ گھنٹے میں وہاں پہنچتا ہوں ان کی چابی لے کر-"
"درست-" سکندر نے سر ہلا کر کہا-
"مکان تو تلاش کرلیں گے ناں آپ- اخبار میں جو پتہ چھپا ہے وہ بالکل سیدھا سادا ہے- کوئی دقت نہیں ہوگی آپ کو!"
"میں تلاش کرلوں گا اور آپ کو مکان کے باہر ملوں گا' ٹھیک آدھ گھنٹے بعد-"
"جی جی-" پراپرٹی ڈیلر ہنسا- "میرا نام غازی بدرالدین ہے جی- آپ نے ابھی تک اپنا عارف نہیں کرایا-"
"میں پی اے ٹو سی ایم ہوں--- جلیل آفریدی- کل ہی ڈیپوٹیشن پر لاہور سے یہاں پہنچا

"ارے ارے---" غازی گھبرا سا گیا- "سر- آپ نے پہلے کیوں نہ بتایا؟"
"گھبرایئے نہیں غازی صاحب---" سکندر بڑے دلنشیں انداز میں ہنسا- "میں بڑا دہ سا آدمی ہوں- آپ کو مجھ سے مل کر مایوسی نہیں ہوگی- اپنی سیٹ اور منصب کا رعب جھاڑنے کی عادت نہیں ہے مجھے- میں یہ کام دفتری چینل سے بھی کرا سکتا تھا مگر ہوسکتا ہے جو جگہ وہ لوگ نہ تلاش کرکے دیتے وہ مجھے پسند نہ آتی- آپ کا اخبار میں اشتہار دیکھا تو دل کو بھا گیا- میں شہر ہنگاموں سے دور کھلی آب و ہوا اور تنہائی کا شیدا ہوں اور لگتا ہے کہ آپ کا یہ اناؤنس کردہ ان کچھ ایسی ہی جگہ پر واقع ہے-"
"جی جی---" غازی اس کی نرم و بااخلاق گفتگو سے ڈھارس میں آگیا- "آپ کو یقینا

جگہ پسند آئے گی سر- اور اگر یہ جگہ پسند نہ بھی آئی تو میرے پاس آپ کی بیان کردہ سچویشن کے مطابق اور بھی دو تین جگہیں ہیں- میں آپ کو آج ہی وہ بھی دکھا سکتا ہوں-"

"شکریہ غازی صاحب--- آپ واقعی کام کے غازی لگتے ہیں باتوں کے نہیں-"

"بس جی---" غازی نے انکساری سے کہا- "آپ جیسی بڑی ہستیوں کے طفیل کچھ سلیقہ آ گیا ہے-"

"ایک درخواست ہے غازی صاحب-"

"جی جی- فرمائیے-" وہ سراپا خلوص ہو گیا-

"ایک تو وقت کی پابندی کیجئے گا- میں اسی لئے سرکاری گاڑی پر نہیں آ رہا کہ ان کی احتیاطوں اور نخروں میں وقت بہت ضائع ہوتا ہے- دوسرے آدمی باتھ روم بھی جائے تو یہ لوگ ٹشو پیپر لئے ساتھ گھسے آتے ہیں- کوئی پرائیویسی نہیں رہنے دیتے- مانگو نہ مانگو مشورے بھی دیے جاتے ہیں- رہنا مجھے ہے اور میں اپنی مرضی کی جگہ چاہتا ہوں اس لئے براہ کرم کوئی بھیڑ بھاڑ ساتھ نہ لائیے گا-"

"آپ فکر ہی نہ کریں سر- میں اپنی گاڑی پر پہنچ رہا ہوں- آپ کی گفتگو نے میرا دل موہ لیا ہے- میں بھی آپ جیسی شخصیتوں سے ملاقات کے درمیان کسی تیسرے کا قائل نہیں ہوں-"

"شکریہ غازی صاحب--- تو ملتے ہیں پچیس منٹ بعد-" سکندر نے رسٹ واچ پر وقت دیکھا-

"جی جی---" غازی بے ساختہ ہنسا- "آپ نے وقت کی پابندی پر مہر لگا دی جلیل

"او کے--- گڈ بائی-" سکندر نے موبائل آف کر کے جیب میں ڈال لیا اور سیٹ دی- یہ اس کے لنچ کا وقت تھا اور آفس والے اس کی روٹین سے واقف تھے اس لئے ہال کمرے کے سامنے بیٹھے چپراسی نے اسے ٹھیک وقت پر باہر جاتے دیکھ کر سلام جھاڑا تو یہی سوچ کر کہ سر لنچ کے لئے جا رہا ہے اور اب ایک گھنٹے بعد ہی لوٹے گا-

آفس سے باہر آ کر اس نے ایک بار ذہن میں مرغزار کالونی کا پتہ دہرایا- پھر ایک جاتی ہوئی ٹیکسی کو روک کر اس میں سوار ہو گیا-

"کہاں چلوں صاحب؟" ڈرائیور نے پوچھا-

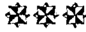
"سلامت روڈ کی طرف-"

"جی صاحب-" ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھا دی-

سلامت روڈ سے مرغزار کالونی کے آخر میں واقع اس مکان کا فاصلہ پانچ منٹ کا تھا۔

مکان کے بالکل سامنے اترنے کے بجائے وہاں تک پیدل جانا چاہتا تھا- ٹھیک پندرہ منٹ بعد ڈرائیور نے اسے سلامت روڈ کے آخری موڑ پر اتار دیا- یہ شہر سے باہر نیم آباد علاقہ تھا- نئی نئی کالونیاں بن رہی تھیں- خاصا علاقہ ابھی مکمل سہولتوں سے محروم تھا تاہم کام جاری تھا اور امید تھی کہ دو تین سال میں یہ پوش ایریا بن جائے گا-

کرایہ ادا کر کے وہ نیچے اترا اور اس وقت تک ادھر ادھر یونہی دیکھتا رہا جب تک ٹیکسی نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی- پھر وہ تیزی سے میدان عبور کر کے دور دکھائی دیتی اس پختہ سڑک کی جانب چل پڑا جو مرغزار کالونی کے انتہائی مغرب میں واقع غازی اسٹیٹ کے مجوزہ مکان کی طرف جاتی تھی-



مکان واقعی بہت خوبصورت تھا- چھوٹا موٹا بنگلہ لگتا تھا- ارد گرد تین چار فرلانگ تک کوئی عمارت نہ تھی- آگے پیچھے پلاٹ خالی تھے- دائیں طرف وہ سڑک تھی جو گھوم کر سلامت روڈ سے جا ملتی تھی اور بائیں طرف ایک وسیع پارک تھا جو مکمل سبزے سے فی الحال محروم تھا-

لوکیشن بہت اچھی تھی- تنہائی، سکون اور خوبصورتی، تینوں سہولتیں میسر تھیں- اس نے گھوم پھر کر ہر طرح سے مکان کا جائزہ لیا- گیٹ باہر سے لاک تھا- گیٹ سے اچک کر اس نے دیکھا- سامنے وسیع لان اور اس کے بعد دو تین سیڑھیاں چڑھ کر برآمدہ تھا- صرف ایک پورشن پر مشتمل مکان کے لان میں بائیں طرف سرونٹ کوارٹر دکھائی دے رہا تھا- گیراج کے لئے لان میں دائیں طرف چھت ڈال کر باقاعدہ جگہ مخصوص کی گئی تھی- سکندر نے اطمینان سے سر ہلایا اور مکان کے باہر گیٹ کے دائیں طرف دیوار میں لگی نیم پلیٹ پر نظریں جما دیں- جس پر "نعیم احمد- سیکشن آفیسر سیکرٹریٹ" کے الفاظ صاف پڑھے جا رہے تھے- نیچے مکان اور بلاک نمبر وغیرہ درج تھا-

بمشکل دو منٹ ہوئے ہوں گے کہ اس نے سرخ رنگ کی فیئٹ کو سڑک پر تیزی سے اپنی جانب آتے دیکھ لیا- اس کا اندازہ درست نکلا- وہ غازی ہی تھا جو گاڑی سڑک کے کنارے روک کر تیزی سے اترا اور لڑھکتا ہوا اس کی جانب دوڑا چلا آیا-

"السلام علیکم سر-" گول مٹول غازی بدر الدین کے ملیح چہرے پر بڑی با اخلاق مسکراہٹ تھی جو لمحہ بہ لمحہ ہنسی میں بدل رہی تھی-

"وعلیکم السلام غازی صاحب-" سکندر نے اپنے کوٹ کی جیب سے ہاتھ نکالا- جسے

غازی نے بڑی گرمجوشی سے تھام لیا۔

''مجھے دیر تو نہیں ہوئی؟'' وہ ہنسے جا رہا تھا۔

''جی نہیں۔ آپ دو منٹ پہلے آ گئے۔'' سکندر نے اسے غور سے دیکھا۔

''آیئے۔ میں آپ کو پہلے مکان دکھا دوں۔ پھر کہیں چل کر بیٹھیں گے اور باتیں کریں گے۔''

سکندر نے اس کی بات کے جواب میں محض سر ہلایا۔ غازی نے تالا کھولا اور ''آیئے سر'' کہتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ سکندر نے ایک نظر اردگرد دور تک جائزہ لیا۔ پرسکون علاقے میں دور تک کوئی متنفس ایسا نہ تھا جو ان کی طرف متوجہ ہوتا۔ اس نے اندر داخل ہو کر گیٹ بند کر دیا۔ اس وقت تک غازی برآمدہ میں پہنچ کر اندرونی دروازے کو کھول چکا تھا۔ سکندر نپے تلے قدموں سے اس کے پاس پہنچا اور دونوں ساتھ ساتھ اندر داخل ہو گئے۔

''یہ ایک سرکاری آفیسر کا مکان ہے سر۔ ان کو چونکہ گورنمنٹ کی طرف سے رہائش ملی ہوئی ہے۔ اس لئے وہ اپنے اس مکان کو کرائے پر دینا چاہتے ہیں۔ یہ ہال کمرہ ہے۔ آیئے۔ یہ دائیں طرف ڈرائنگ روم ہے۔ ساتھ سٹور۔ اس کے بعد سامنے ساتھ ساتھ دو کمرے ہیں۔ بائیں طرف بیڈ روم اور بیڈ روم کے ساتھ جو کاریڈور ہے یہ پیچھے کی طرف کچن کو نکلتا ہے۔''

غازی اسے ساتھ لئے پھر رہا تھا اور اس کی زبان مسلسل چل رہی تھی۔

''گاڑی کھڑی کرنے کے لئے باہر شیڈ بنا ہوا ہے۔ سرونٹ کوارٹر لان کے ساتھ موجود ہے۔ گیس، پانی، ٹیلی فون، لائٹ چاروں کنکشن بحال ہیں۔''

''آپ کی سب باتیں درست غازی صاحب۔۔۔ مگر یہ مکان کیا پہلے کسی کے استعمال میں بھی رہا ہے؟''

''جی ہاں۔'' غازی نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔ ''اور یہ بات آپ نے شاید ہر کمرے میں موجود سامان کی موجودگی سے نوٹ کی ہے۔''

''جی ہاں۔'' سکندر نے اعتراف کیا۔ ''کیونکہ عام طور پر کرائے کا مکان صرف دیواروں اور چھت کے نام پر حوالے کیا جاتا ہے۔ یہاں ہر کمرہ فرنشڈ اور کارپٹڈ ہے۔''

''اصل میں نعیم صاحب ایک سال تک اس مکان میں خود رہے ہیں۔ پھر ان کو جو سرکاری رہائش گاہ الاٹ ہوئی وہاں سے جانے والوں نے ان کو سامان سمیت مکان حوالے کیا۔ اب یہاں سے سامان لے جانے کے بجائے نعیم صاحب نے صرف یہ شرط عائد کی ہے کہ جو بھی اس مکان کو کرائے پر لے وہ سامان کو احتیاط سے استعمال کرے۔ جب خالی کرے تو ٹوٹ پھوٹ کی

ا۔داری بشکل اخراجات ادا کر کے جائے۔''

''اور اگر میرا اپنا سامان ہو تو میں کہاں رکھوں؟'' سکندر مسکرایا۔

''یہ ایک مسئلہ تو ہے مگر اس کا حل موجود ہے۔'' غازی نے پٹ سے کہا۔

''وہ کیا؟''

''میں آپ کو شاہد آباد میں ایسا ہی ایک پرسکون مکان دکھا سکتا ہوں جو سامان کی موجودگی سے مبرا ہے۔''

''جی نہیں۔'' سکندر نے ہاتھ اٹھایا۔ ''مکان مجھے یہی پسند ہے۔ آپ اس کے کرائے ایرہ کی تفصیل بتایئے۔''

''اور سامان؟'' غازی نے حیرت سے کہا۔ ''اس کا کیا کریں گے؟''

''بھائی جی میرا ابھی گھر ہی آباد نہیں ہوا تو سامان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ میں ویسے بھی ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہوں۔ ایک اٹیچی کیس لاؤں گا اور رہنا شروع کر دوں گا۔ نوکر چاکر سرکار دے دے گی۔ ویسے سامان کی یہاں موجودگی نے میری بہت بڑی مشکل حل کر دی ہے۔ ورنہ میں تر چارپائی کے چکر میں خرچ ہو جاتا۔''

''اوہو ہو ہو۔'' غازی نے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔ ''میں آپ کے لئے خود شاپنگ کرا لاتا جی۔ یسے میں بھی ابھی تک کنوارا ہوں۔'' اس نے بائیں آنکھ دبائی۔ ''خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے کنوارے دو۔ مگر اس کے لئے آپ کی رضامندی ضروری ہے۔''

''یہ بعد کی باتیں ہیں غازی صاحب!'' سکندر بھی ہنسا۔ ''فی الحال معاملات طے کیجئے۔''

''سر جی۔۔۔'' غازی تھوڑا سا سنجیدہ ہوا۔ ''پارٹی کی ڈیمانڈ تو نو ہزار ہے مگر میں آپ جیسے خلاق آدمی کو سات ہزار ماہانہ میں یہ جگہ دلوا سکتا ہوں۔ بل سارے آپ کے ذمے ہوں گے اور ڈوانس کے نام پر ایک لاکھ۔۔۔''

''منظور ہے۔'' سکندر نے اسے مزید بولنے سے روک دیا۔

''ویسے اگر ایڈوانس زیادہ ہے تو میں اسے پچھتر ہزار۔۔۔''

''نہیں غازی صاحب۔ جگہ ایسی اچھی ہے کہ میں اس میں کوئی ہیر پھیر نہیں کرنا چاہتا۔''

''ارے واہ۔'' غازی نے اسے تحسین آمیز نگاہوں سے دیکھا۔ ''آپ تو دل کے بادشاہ ہیں سر۔''

''ایسی کوئی بات نہیں۔ بس میں اس کا قائل ہوں کہ پسند کا کوئی مول نہیں ہوتا اور اس میں ل نہیں دیکھنا چاہیے۔''

"ایک بار پھر واہ---سر جی آپ تو واقعی بادشاہ ہیں-" غازی دل سے خوش ہوگیا
آیئے اسی خوشی میں آپ کو لنچ میکڈونلڈ میں کرانا میری ذمے داری ہوگئی-اس کے بعد چل کر
آفس میں بیٹھیں گے وہاں کاغذات وغیرہ سائن کرلیں گے-"

"چلئے-" سکندر نے ہنس کر کہا-

غازی اور وہ اس وقت ڈرائنگ روم میں کھڑے تھے-غازی نے چابیوں کا گچھا جیب
سے نکالا اور قدم دروازے کی طرف بڑھایا-

جونہی اس کی پشت سکندر کی طرف ہوئی-اس نے دونوں ہاتھ پھیلائے اور پوری قوت
سے غازی کے کانوں پر ہتھیلیوں کا وار کردیا-دو ہلکے ہلکے دھماکے ایک آواز میں ہوئے-غازی
کے حلق سے بے ساختہ بڑی زوردار کراہ نکل گئی-وہ لڑکھڑا کر پلٹا اور سکندر کے چند لمحے قبل صبیح
چہرے پر پھیلتی خشونت اور وحشت دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں-

"سر---سر---" وہ بمشکل کہہ پایا مگر اس کے بعد اسے کچھ کہنے کی مہلت ہی نہ ملی
سکندر کا مضبوط گھونسا اس کے سر پر عین تالو کے اوپر پڑا اور پھر برستا ہی چلا گیا-بے چارے غازی
کے سر کی ہڈیاں ٹوٹ کر دماغ میں گھس گئیں-ناک اور منہ سے خون ابل پڑا جس میں دماغ کے
ریشے شامل تھے-پھر سکندر کی غراہٹیں اس وقت تھمیں جب غازی کا چہرہ بھرتہ بن گیا اور سانس کی
آمدورفت ختم ہوگئی-

دھونکنی کی طرح چلتے سانس کو سکندر نے کتنے ہی لمحوں میں نارمل کیا-پھر غازی کے کپڑوں
سے اپنے خون آلود ہاتھ صاف کئے-پوری طرح اطمینان کیا کہ وہ دم توڑ چکا ہے-چابیوں کا گچھا
ہاتھ میں لیا اس کی لاش کو گھسیٹ کر صوفے کے پیچھے ڈالا-باہر نکل کر ڈرائنگ روم کو لاک کیا
بیسن پر ہاتھ منہ دھویا-رومال نکال کر اس سے نمی کو خشک کیا-پھر ادھر ادھر کا جائزہ لے کر بڑے
مطمئن قدموں سے باہر نکل آیا-

اندرونی دروازے کو لاک کر کے مین گیٹ کا تالا لگایا-غازی کی گاڑی میں بیٹھا اور وہاں سے
روانہ ہوگیا-

مری روڈ پر کشمیر پلازہ کے باہر گاڑی پارک کر کے وہ دوبارہ سڑک پر آیا-ایک فرلانگ
پیدل چلنے کے بعد اس نے ٹیکسی روکی اور آفس کے لئے روانہ ہوگیا-رسٹ واچ میں وقت
دیکھا-اسے اس سارے کام میں پچاس منٹ لگے تھے-ٹھیک وقت پر وہ آفس میں واپس لوٹ
آیا---سب کے خیال میں لنچ کر کے-

O

وہ مجوزہ مقام پر وقت سے دس منٹ پہلے پہنچ گیا-نسرین نے ٹھیک وقت پر جب وہاں
گاڑی روکی تو وہ ایک سائڈ سے نکل کر سامنے آگیا-نسرین نے کچھ شرما کر اس کی جانب دیکھا اور
ہاتھ بڑھا کر فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولنا چاہا مگر اس نے اشارے سے منع کردیا-

"میں ڈرائیو کروں گا-" وہ کھڑکی کے پاس آ کر بولا-

نسرین خاموشی سے پرے سرک گئی-سکندر اندر داخل ہوا اور گاڑی آگے بڑھادی-

"کتنی دیر سے آئے کھڑے تھے؟" نسرین نے ناخنوں پر نظریں جمادیں-

"وقت گزر ہی نہیں رہا تھا-ویسے دس منٹ ہوگئے ہیں مجھے آئے ہوئے-" سکندر نے آہ
بھری-

"مجھے دیر تو نہیں ہوئی-" نسرین نے رسٹ واچ پر نظر ڈالی-

"مجھ تک آنے میں تو ہوئی ہے-" سکندر نے اس کے ہلکے ہلکے میک اپ سے مہکتے
چہرے پر ایک نگاہ بد ڈالی-

"باتیں بہت لچھے دار کرتے ہو-" وہ مسکرائی-

"مگر سچی کرتا ہوں-" وہ تڑ سے بولا-

"غلط بھی ہوں تو ایسی باتیں سب کو اچھی لگتی ہیں-خصوصاً عورتوں کو-"

جواب میں وہ ہلکا سا قہقہہ لگا کر رہ گیا-

"یہ ہم کس طرف جارہے ہیں؟" نسرین نے گاڑی کو شہر سے باہر جانے والی سڑک پر
مڑتے دیکھ کر جلدی سے پوچھا-

"مرغزار کالونی تک-" سکندر نے مختصر جواب دیا-

"وہاں کیوں؟ کسی ہوٹل میں بیٹھ جاتے-"

"بدنامی سے ڈر لگتا ہے-"

"مرد ہو کر؟" نسرین نے اسے اپنی مدھ بھری آنکھوں سے دیکھا-

"اپنی نہیں---تمہاری بدنامی کی بات کر رہا ہوں-مرد تو نہایا دھویا بلکہ سرف ایکسل سے

دھویا ہوا کپڑا ہوتا ہے جس پر کوئی داغ نہیں رہتا---مگر تم ایک لڑکی ہو-کسی نے انگلی اٹھا دی کس نے نظروں میں رکھ لیا-کسی کے لب پر مچل گئیں تو کیا ہوگا' یہی سوچ کر ایک دوست سے اس کے مکان کی چابی لے لی-''

''مگر یہ اچھا نہیں ہے سکندر-'' نسرین گھبرا سی گئی-''ہم کسی دور دراز جگہ پر کسی غیر معروف مقام پر بھی تو وقت گزار سکتے ہیں-''

''نہیں-'' وہ اصرار سے بولا-''میں تم سے ڈھیروں باتیں کرنا چاہتا ہوں-تنہائی میں تمہیں سننا چاہتا ہوں اور کسی بھی پبلک پلیس پر یہ ممکن نہیں ہے-''

''پھر بھی سکندر-تنہائی بہت بڑا خطرہ ہوتی ہے-''

''ان کے لئے جو ڈگمگا جاتے ہیں-''

''ہم کیا فرشتے ہیں؟'' نسرین نے دھیرے سے کہا-

''میں تمہیں تھام لوں گا-گھبراؤ مت-'' سکندر نے ایسے لہجے میں کہا کہ نسرین چاہتے ہوئے بھی کچھ نہ کہہ سکی-

دس منٹ بعد گاڑی اسی مکان کے گیٹ پر آ رکی جہاں سے دوپہر کو سکندر لوٹ کر گیا تھا-

اس نے نیچے اتر کر گیٹ کھولا-غازی کا چابیوں کا گچھا اسے از بر ہو گیا تھا-گیٹ کھول کر وہ گاڑی اندر لایا-اتر کر گیٹ بند کیا-نسرین خاموش کار کے اندر بیٹھی تھی-ابھی شام ہونے میں ڈیڑھ گھنٹہ باقی تھا مگر اس کے چہرے پر شفق پھیل رہی تھی-آنے والے لمحات میں وہ سکندر کے ساتھ ایک کمرے میں تنہا ہوگی-اس خیال سے اسے جتنی گھبراہٹ ہو رہی تھی اتنی ہی دل کی دھڑکنوں میں بے چینی اور بے کلی بھی بڑھ رہی تھی-ایک دو بار اسے سکندر کے ساتھ یہاں آنے پر ندامت کا احساس بھی ہوا مگر اب کیا ہو سکتا تھا-اس کے سارے بدن پر لرزہ سا طاری تھا-سکندر نے اس کی طرف کار کا دروازہ کھولا-ہاتھ بڑھایا-نسرین نے ایک پل رک کر نظریں اٹھائیں وہ بڑی میٹھی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا-سکندر کی مسکراہٹ نے اسے دلاسہ دیا-وہ اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر کار سے نکل آئی-آہستہ سے کار کا دروازہ بند کر کے سکندر نے اسے ساتھ لیا اور برآمدے کی جانب چل پڑا-اندرونی دروازہ ان لاک کیا اور دونوں نے ہال میں قدم رکھا سکندر نے دروازہ اندر سے مقفل کیا تو نسرین نے اس کی جانب گھبرا کر دیکھا-

''گھبراؤ مت جانم-'' وہ اسے ساتھ لگاتے ہوئے بولا-''صرف احتیاط-کوئی کتا بلی بھی اندر آ سکتا ہے-''

وہ مطمئن تو نہ ہوئی تاہم خاموش رہی-نجانے اسے ایسا کیوں لگ رہا تھا کہ اس کے اند

سے کوئی چیخ چیخ کر اسے وہاں سے بھاگ نکلنے کو کہہ رہا ہے-وہ اسے سیدھا بیڈروم میں لے آیا-کھڑکیوں پر پردے کھنچے ہوئے تھے-اس نے لائٹ آن کی تو سارا کمرہ جگمگ جگمگ کر اٹھا-

نسرین حیرت سے بیڈروم کی سجاوٹ کو دیکھ رہی تھی-بڑا خواب ناک سا ماحول تھا وہاں کا-اس کی گھبراہٹ میں خاصی کمی آ گئی-

''بیٹھو-'' سکندر نے اسے بیڈ کی جانب لاتے ہوئے کہا-

''کوئی اور کمرہ نہیں ہے یہاں-'' وہ دھیرے سے بولی-''یہ تو بیڈروم لگتا ہے-''

''تو کیا ہوا-'' وہ لاپرواہی سے بولا-''کبھی تو ایسا کمرہ بھی ہمارے لئے آنکھ کھولے گا-آج محض رونمائی ہی سہی-''

وہ اسے بیڈ پر بٹھا کر خود قالین پر یوں بیٹھ گیا کہ اس کا سر نسرین کی گود میں آ گیا-

''نسرین-'' اس نے بے خود سا ہو کر آنکھیں موند لیں-

ایک پل کو نسرین کا دل زور سے دھڑکا-سکندر بہت سی حدیں ایک لمحے میں پار کر گیا تھا-اس نے خشک لبوں پر زبان پھیری-کچھ کہنا چاہا مگر آواز نہ نکلی-پھر نہ چاہتے ہوئے بھی آہستہ آہستہ اس کا ہاتھ حرکت میں آیا اور سکندر کے بالوں میں شانہ کرتی ہوئی اس کی انگلیوں کی کپکپاہٹ دم توڑنے لگی-

''میں بہت تنہا ہوں نسرین-'' سکندر کی معصوم اور اداس سی آواز ابھری-

''اب بھی؟'' بے اختیار نسرین کہہ گئی-

''نہیں---اب نہیں-مگر ایک ڈر سا لگا رہتا ہے-''

''کیسا ڈر؟''

''میں تمہاری کلاس سے بہت نیچے کا آدمی ہوں نسرین-''

''یہ بات تمہیں میرے دل میں آنے سے پہلے سوچنی چاہیے تھی-'' نسرین کا خوف اور گھبراہٹ ختم ہوتی جا رہی تھی-اب تک کے سکندر کے شریفانہ رویے نے اس کی ڈھارس بندھا دی تھی-

''ذرا سوچو---اگر ہم ایک نہ ہو سکے تو؟''

''ابھی یہ سوچنے کا وقت دور ہے سکندر-'' نسرین نے اس کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر ہولے سے جھٹکا دیا-

''وعدہ کرو نسرین-تم ہر قیمت پر میرے ساتھ رہو گی-'' سکندر نے ایک دم سر اٹھایا اور اس کی تپتی ہوئی نگاہوں نے نسرین کو جکڑ سا لیا-

"میں ایسا کوئی وعدہ نہیں کر سکتی سکندر جو کل مجھے تمہاری نظروں میں جفا کار بنا دے۔"

نسرین نے دھیرے سے کہا۔

"یعنی۔۔۔" سکندر کے عضلات تن گئے۔

"میں ایک شریف زادی ہوں سکندر۔ ماں باپ کو اپنی پسند کے بارے میں بتا سکتی ہوں۔ زبردستی منوا نہیں سکتی۔ گھر سے بھاگ نہیں سکتی۔ دعا کر سکتی ہوں' کوشش کر سکتی ہوں کہ ہم دونوں ایک ہو سکیں مگر اس کی ایک حد ہے۔ اگر والدین کی عزت داؤ پر لگا کر مجھے اپنی پسند کا ملبوس خریدنا پڑا تو میں کفن پہننے کو ترجیح دوں گی۔"

"ایسا کیوں کہتی ہو؟" سکندر تڑپ گیا۔ "میں تمہیں کفن میں نہیں دیکھ سکتا۔" کہتے ہوئے ایک دم سکندر نے اوپر اٹھ کر اسے باہوں میں جکڑ لیا اور دونوں بیڈ پر پیچھے کو گر پڑے۔

"سکندر۔" نسرین نے اس کے نیچے دب کر مچلتے ہوئے کہا۔ "چھوڑو مجھے۔۔۔ چھوڑو۔"

مگر۔۔۔ سکندر پر جو وحشت سوار ہو چکی تھی وہ حیوانی جذبوں کی دین تھی۔ اس کا ایک ہاتھ آگے بڑھا اور نسرین کے لبوں پر جم گیا۔

کمرے میں ایک دم جیسے اندھیرا سا چھا گیا۔ نسرین کو کم از کم یہی محسوس ہوا کہ چھت اور فرش آپس میں ٹکرا گئے ہیں اور سکندر کے چہرے پر بڑھتی ہوئی وحشت درندگی میں بدلتی جا رہی ہے۔ اس کی آنکھیں پھٹتی چلی گئیں۔ سکندر کا چہرہ بگڑتا چلا گیا۔ کمرے میں پہلے کپڑوں کی دھجیاں بکھریں۔ پھر نسرین کی گھٹی گھٹی چیخوں کا طوفان آیا اور جب درندگی نے غراہٹوں اور اکھڑے سانسوں کے دامن میں دم توڑا تو وہاں فرش پر کھڑے، جلتی بجھتی آنکھوں سے نسرین کے اس مردہ جسم کو گھورتے سکندر کے سوا اور کوئی زندہ وجود موجود نہ تھا۔ جسم کہنا غلط تھا کیونکہ نسرین کی گردن ادھڑی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے اور بازوؤں کے ساتھ ساتھ سینے کا گوشت بھی یوں نچا ہوا تھا جیسے کسی خونخوار درندے نے اسے چیر پھاڑ ڈالا ہو۔ اس کا خون آلود جسم بستر پر آڑا ترچھا پڑا تھا اور بے نور آنکھیں خوف کے عالم میں اب بھی سکندر کو یوں تک رہی تھیں جیسے ان کو اپنے بدن کے ساتھ ہونے والے ستم پر یقین نہ آ رہا ہو۔

سکندر چند لمحے کھڑا جھومتا رہا۔

اس کی حالت سنبھلنے میں تقریباً دس منٹ لگ گئے اور جب اس نے خود کو حواس کے حوالے کیا تو بے ساختہ خوفزدہ ہو گیا۔ نسرین کا جگہ جگہ سے کٹا پھٹا بدن اس کے سامنے پڑا تھا۔ اس نے اپنے خون آلود کپڑوں کا جائزہ لیا اور گھبرا گیا۔

"یہ میں نے کیا کر دیا۔۔۔ یہ مجھ سے کیا ہو گیا۔۔۔ کیوں ہو گیا۔۔۔ کیسے ہو گیا؟"

سوال تھے کہ ہتھوڑوں کی طرح اس کے دماغ پر برس رہے تھے۔

"میں نے تو ایسا چاہا ہی نہیں تھا۔ پھر یہ سب کیسے ہو گیا؟" وہ تھرا اٹھا۔ اچانک ایک سوال اس کے ذہن میں بم کی طرح پھٹا۔

"ثمین کے ساتھ تو یہ سب نہیں ہوا تھا؟ وہ تو جس طرح آئی تھی اسی طرح صحیح سلامت لوٹ گئی تھی۔ اس کی وحشت نے ثمین کو تو کوئی جسمانی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ پھر نسرین کے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟"

"وہ میری مادہ ہے۔ میں اس کا نر ہوں۔" اس کے لاشعور میں کوئی سرسرایا۔ "اس کو مجھ سے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔۔۔ اور یہ۔۔۔ یہ تو ایک گڑیا تھی۔ ذرا بے احتیاطی سے کھیلا اور ٹوٹ گئی۔"

اندر کی اس آواز نے اس پر عجیب سا اثر کیا۔

ایک پل میں اس کی ساری گھبراہٹ کافور ہو گئی۔ اطمینان اس کے چہرے پر پھیلتا چلا گیا۔ اس نے باتھ روم کا رخ کیا۔ اپنے کپڑوں سے خون کے دھبے دور کئے' نہایا' بالوں میں برش کیا اور باہر آ گیا۔

چند لمحوں کے لئے کچھ سوچا۔ پھر کمرے سے نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹا تو اس کے کندھے پر غازی کی لاش لدی ہوئی تھی۔ اس نے غازی کے مردہ جسم کو بورے کی طرح بیڈ پر نسرین کی لاش کے پاس پھینکا۔ ایک نظر پلٹ کر دونوں کو غور سے دیکھا۔ پھر فرش پر گرے چابیوں کے گچھے کو اٹھایا اور لائٹ آف کر کے باہر چلا آیا۔

بیڈ روم کے بعد اس نے بیرونی دروازہ بھی لاک کیا۔ مین گیٹ کو تالا لگایا چابیوں کا گچھا اور غازی کا موبائل گٹر میں پھینکا اور پیدل اس سڑک پر سیٹی بجاتا ہوا اطمینان سے ٹہلتا ہوا چل پڑا جس کے اختتام پر سلامت روڈ ذیلی سڑک کی شکل میں آ ملتی تھی۔ شام کا اندھیرا تیزی سے اترتا چلا آ رہا تھا۔

ایک گھنٹے بعد جب وہ اپنے کمرے میں نیا سوٹ پہن کر پرفیوم سپرے کر رہا تھا کہ انٹر کام گنگنا اٹھا۔

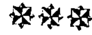
"ہیلو۔" اس نے ریسیور اٹھایا۔

"ارے بھئی اب آ جاؤ۔ مہمان آنا شروع ہو گئے ہیں صاحبزادے۔" جعفری نے اسے پیار سے ڈانٹ پلائی۔ "یہاں کونسے درجنوں نے آنا ہے۔ گنتی کی مائرہ کی چند سہیلیاں ہیں اور عابدی کی بیگم۔"

"میں آرہا ہوں سر- بس ایک منٹ میں-" وہ خوشگوار لہجے میں بولا-

"او کے-" رابطہ کٹ گیا-

سکندر نے آخری بار خود کو آئینے میں دیکھا اور اطمینان بھرے انداز میں سر ہلاتا کمرے سے نکل گیا-



مائرہ کی پانچ سہیلیاں اور صبا انصاری کل چھ باہر کے مہمان تھے- مائرہ، جعفری اور شاہینہ کے ساتھ ساتھ سکندر بھی گھر کے افراد میں شامل تھا- دس افراد کی یہ چھوٹی سی ٹولی مائرہ کو جعفری کی طرف سے سالگرہ اور اس کے تحفے میں ملنے والی کار کی خوشی شیئر کر رہی تھی- مائرہ نے سابقہ سالگرہوں کی طرح بے پناہ ملے گلے سے خود ہی احتراز کیا تھا- سفید چکن کے بے داغ شلوار سوٹ میں وہ کوئی اپسرا دکھائی دے رہی تھی- اس کی پانچوں سہیلیاں بھی ایک سے بڑھ کر ایک تھیں- صبا انصاری لڑکی نہ ہونے کے باوجود ایک ایسی خوبصورت اور گریس فل لیڈی کے روپ میں موجود تھی جسے دیکھ کر کسی کا بھی دل ایک بار تو بڑے زور سے دھڑک اٹھتا- رہ گئی شاہینہ تو وہ بھی آج معمول سے زیادہ سجی سنوری ہوئی تھی- جعفری باپ تھا اور حسب معمول سوبر دکھائی دے رہا تھا- اب ظاہر تھا کہ ان چھ لڑکیوں اور ایک عورت کے جھرمٹ میں سکندر راجہ اندر نہ لگتا تو کیا لگتا--- نیلے سرج کے سوٹ میں وہ ایسی چھب دکھا رہا تھا کہ شاہینہ کو اس پر پیار کے ساتھ غصہ بھی آ رہا تھا- کیوں وہ اتنا حسین لگ رہا تھا کہ ہر لڑکی اسے مڑ مڑ کر اور بار بار دیکھے جا رہی تھی- سکندر نے اس بات کو محسوس تو کیا مگر چہرے بشرے سے ظاہر نہ ہونے دیا-

یہ الگ بات ہے کہ اس کے اندر کا حیوان ان چھ نسوانی پیکروں کو دیکھ کر بار بار غراتی انگڑائیاں لے رہا تھا اور وہ بڑی مشکل سے اس کی سرکشی کو دبا رہا تھا- اس کوشش میں بار بار اس کا چہرہ رنگ بدل رہا تھا اور دیکھنے والے اس کے چہرے کی سرخی کو شرمیلے پن کی ادا خیال کر کے اور بھی متاثر ہو رہے تھے-

"یہ نسرین کہاں مر گئی؟" مائرہ نے بڑبڑا کر عالیہ کے کان میں سرگوشی کی- "تین بجے میں نے دوبارہ فون کر کے اسے یاد دہانی کرائی تھی- اس وقت تک تو اسے یاد تھا اور اب آٹھ بج رہے ہیں مگر صاحبزادی کا کوئی پتہ نہیں- پاپا دو بار پوچھ چکے ہیں کہ اب کیک کاٹنے میں کیا دیر ہے- بہت ذلیل ہے یہ!"

"وہ ایسی غیر ذمے دار ہے تو نہیں-" عالیہ نے نسرین کی طرفداری کی- "شاید کوئی کام آ پڑا ہو-"

"تو فون کر دیتی ناں-" مائرہ نے تلخی سے کہا-

"تم فون کر کے پتہ تو کرو-" مہ جبیں نے دخل دیا-

"میں تو نہیں کرتی، تم کر کے دیکھ لو کیا کہتی ہے-" مائرہ بگڑتی چلی گئی-

"اچھا اچھا--- میں کر لیتی ہوں- آؤ رفعت ذرا فون تک میرے ساتھ-" مہ جبیں نے رفعت کا ہاتھ تھاما اور گوشے میں پڑے فون سٹینڈ کی طرف بڑھ گئی-

"ہیلو--- آنٹی میں مہ جبیں بول رہی ہوں- نسرین کہاں ہے؟" رابطہ قائم ہونے پر مہ جبیں نے کہا-

"وہ تو چار بجے کی مائرہ کے ہاں جا چکی ہے بیٹی- کیا پہنچی نہیں؟ اور تم کہاں سے بول رہی ہو؟" نسرین کی والدہ نے حیرت سے جواب دیا-

"میں مائرہ کے ہاں سے بول رہی ہوں آنٹی- وہ تو یہاں نہیں پہنچی- ہم سب اسی کے انتظار میں اب تک کیک کاٹنے سے بیٹھے ہوئے ہیں-"

"یا اللہ خیر-" بے اختیار نسرین کی والدہ کے ہونٹوں سے گھبرائی ہوئی آواز نکلی-

"آنٹی--- آنٹی--- گھبرائیے نہیں-" مہ جبیں بھی پریشان سی ہو گئی- "یہ بتائیے کیا اکیلی نکلی تھی گھر سے؟"

"ہاں بیٹی-" نسرین کی والدہ کی آواز ڈوبی ڈوبی سی تھی- "اپنی گاڑی پر گئی ہے اور اسی لئے جلدی چلی گئی تھی کہ وہاں مل جل کر سارا انتظام کرنے کو کہہ رہی تھی-"

"اچھا آنٹی- میں دوسری سہیلیوں کو فون کرتی ہوں- آپ پریشان نہ ہوں-" مہ جبیں نے دھڑکتے دل سے کہا اور خدا حافظ کہہ کر جلدی سے فون بند کر دیا- اس کے چہرے پر پھیلتی پریشانی اور گفتگو سے رفعت نے یہ اندازہ تو لگا لیا کہ نسرین گھر سے مائرہ کے ہاں آنے کا کہہ کر نکل چکی ہے مگر اس کے بعد کیا ہوا' یہ اس کے لئے بھی اچنبھا تھا-

"کیا ہوا؟" اس نے بے تابی سے پوچھا-

"وہ چار بجے گھر سے یہ کہہ کر نکلی کہ مائرہ کے ہاں جا رہی ہے مگر---"

"ارے--- مگر اب تو آٹھ بج رہے ہیں- یہاں پہنچی نہیں تو پھر گئی کہاں؟"

"آؤ- مائرہ کو خبر کریں-" مہ جبیں تیزی سے پلٹی-

اور جب مائرہ' عالیہ' ناہید اور ہما نے نسرین کے بارے میں یہ خبر سنی تو وہ بھی بے طرح

پریشان ہوگئیں۔

"وہ جا کہاں سکتی ہے؟" مائرہ نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"آنٹی سے تو میں نے یہی کہا ہے کہ میں باقی سہیلیوں کے ہاں فون کر کے پتہ کرتی ہوں مگر جن کو فون کرنا ہے وہ تو سب یہاں موجود ہیں۔ ہم پانچوں کے سوا اس کی کوئی ایسی سہیلی نہیں جس کے ہاں وہ جا سکے۔" مہ جبیں بولی۔

"وہ تو ٹھیک ہے مگر اب کریں کیا؟" رفعت نے ہاتھ جھٹک کر کہا۔

"فی الحال تو اس بات کو گول کرو۔ خاموشی سے کیک کاٹو اور۔۔۔"

اسی وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی اور ناہید کی بات ادھوری رہ گئی۔ سب نے ایک ہی وقت میں گردنیں گھما کر فون سٹینڈ کی طرف دیکھا جہاں شاہینہ ریسیور اٹھا چکی تھی۔

ایک لمحے کے بعد اس نے چند قدم دور صوفے پر سکندر کے ساتھ بیٹھے محو گفتگو جعفری کی جانب دیکھ کر اسے بتایا کہ اس کا فون ہے۔

جعفری نے سگار منہ میں دبایا اور سکندر کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

سکندر نے ایک طائرانہ نظر مائرہ اور اس کی پریشان کھڑی سہیلیوں پر ڈالی۔ اس کا دل ایک لمحے کے لئے دھڑکا۔ یہ سب پریشان کیوں ہیں؟ اس کا ذہن سرسرایا۔ کہیں نسرین کے بارے میں۔۔۔ نہیں نہیں' اتنی جلدی اس کا پتہ کیسے چل سکتا ہے کوئی اور بات ہوگی۔ یہ سوچ کر اس نے اپنی نظریں گھمائیں اور سامنے صوفے پر براجمان شاہینہ اور صبا انصاری کو دیکھا۔ صبا بے حد جاذب نظر شخصیت کی حامل تھی اور شاہینہ سے بڑی اپنائیت سے باتیں کر رہی تھی۔ شاہینہ سے نظر ملتے ہی سکندر بے اختیار مسکرایا۔ شاہینہ نے گھبرا کر نظریں ہٹا لیں۔ سکندر نے وہیں سر جھکا لیا اور اپنے جوتوں کو گھورنے لگا۔ پھر اس کے کان کھڑے ہو گئے۔ جعفری فون پر کسی سے کہہ رہا تھا۔

"جی نہیں شیخ صاحب۔ مائرہ نے ابھی تک اس کے انتظار میں کیک نہیں کاٹا۔ ہم تو شام سے نسرین کے منتظر ہیں۔ مائرہ نے اسے پانچ بجے پہنچ جانے کو کہا تھا مگر اب سوا آٹھ ہو رہے ہیں۔"

دوسری طرف سے کچھ کہا گیا جس کے جواب میں جعفری کے چہرے پر بھی پریشانی عود کر آئی۔ "جب آپ اس کی تمام سہیلیوں کے گھر فون کر چکے ہیں اور وہ نہیں ملی تو اس کا مطلب یہی ہے کہ خدانخواستہ کوئی اچھی صورت حال پس منظر میں نہیں ہے۔ آپ ذرا رکئے میں مائرہ سے پوچھتا ہوں۔"

جعفری نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھا اور مائرہ کو آواز دی۔ وہ لپک کر اس کے پاس چلی آئی۔

"بیٹی۔ نسرین کے پاپا کا فون ہے۔ نسرین کے بارے میں اس کی کسی ایسی سہیلی کے بارے میں جانتی ہو جہاں اس کے ملنے کا امکان ہو؟"

"نہیں پاپا۔۔۔" مائرہ نے روہانسی ہو کر کہا۔ "ہم چھ دوستوں کا گروپ ہے۔ ان میں سے پانچ ہم یہاں موجود ہیں۔ چھٹی وہ ہے۔ اب ہمارے علاوہ وہ کہاں جا سکتی ہے یہ ہمیں نہیں معلوم۔"

"اچھا اچھا۔ گھبراؤ نہیں۔" جعفری نے باقی لڑکیوں کو بھی قریب آتے دیکھ کر جلدی سے کہا۔ "تم لوگ آرام سے بیٹھو۔ میں دیکھتا ہوں۔ جاؤ شاباش۔"

مائرہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ پرے چلی گئی۔ اسی وقت صبا انصاری اپنی جگہ سے اٹھی اور مناسب رفتار سے چلتی ہوئی جعفری کے قریب آ رکی۔

"شیخ صاحب۔ کوئی ایسی سہیلی نہیں جس کے ہاں نسرین جا سکتی ہو۔ ساری بچیوں کا یہی کہنا ہے۔ آپ فوراً پولیس سے رابطہ کریں بلکہ رکیں۔ میں آ رہا ہوں آپ کی طرف۔ پہلے ہم ہسپتال چیک کریں پھر پولیس کو کنٹیکٹ کریں گے۔ اور ہاں۔ ایک بات یہ بتائیے کہ نسرین کے پاس موبائل ہے یا نہیں۔۔۔ نہیں ہے۔۔۔ اچھا۔۔۔ جی ہاں۔ میرا خیال تھا کہ اگر اس کے پاس موبائل ہے تو رابطہ کرنے کی کوشش کریں۔ جی جی۔ اچھا۔ جی جی۔ بس میں پہنچ رہا ہوں۔ آپ گھبرائیے مت اور بھابی کو سنبھالئے۔۔۔ اللہ حافظ۔" جعفری نے فون رکھ دیا۔

"کیا بات ہے بھائی۔" صبا نے اسے غور سے دیکھا اور مختصراً جعفری نے اسے ساری بات بتا دی۔

"یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ وہ بیٹری چارجنگ کے لئے موبائل گھر پر چھوڑ گئی ورنہ اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کا شاید کوئی اچھا نتیجہ نکل آتا؟" صبا نے ساری بات سن کر خیال ظاہر کیا۔

"ہاں۔۔۔ یہ تو ہے۔" جعفری نے سر ہلایا۔ "بہر حال۔۔۔ میں شیخ صاحب کی طرف جا رہا ہوں۔ تم لوگ اگر مناسب سمجھو تو۔۔۔"

"پاپا' نسرین کے آنے تک ہم کچھ نہیں کریں گے۔ پارٹی پھر بھی ہو جائے گی۔ کیا ہم آپ کے ساتھ چلیں۔" مائرہ اور باقی لڑکیاں اس کے قریب چلی آئیں۔

"نہیں بیٹا۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ تم لوگ کیک کاٹو۔ انجوائے کرو۔"

"کیسے انجوائے کریں پاپا" مائرہ پھسل پڑی۔ "نسرین میری عزیز ترین سہیلی ہے۔ جانے کہاں ہے؟ کس حال میں ہے؟ اور میں۔۔۔"

"اچھا بیٹا اچھا۔ گھبراؤ مت۔" صبا نے اسے ساتھ لگا لیا۔ "ہم اس کا انتظار کریں گے۔

اس کے آنے پر ہی پارٹی ہوگی- بھائی! آپ جلدی جایئے- اللہ کرے نسرین خیریت سے ہو-" صبا
نے جعفری کی جانب دیکھا-

"سکندر---" جعفری نے صوفے سے اٹھتے ہوئے سکندر کی جانب دیکھ کر اسے آواز
دی- وہ تیزی سے ان کے قریب چلا آیا- "آؤ میرے ساتھ- کچھ ایمرجنسی ہوگئی ہے-"

"جی---مگر کیا؟" سکندر نے کسی کی جانب دیکھے بغیر جعفری کے ساتھ قدم بڑھادیا-

"مائرہ کی سہیلی نسرین لاپتہ ہے- چار بجے وہ گھر سے نکلی یہاں آنے کے لئے اور اب تک
اس کا کچھ پتہ نہیں-"

"اوہ---" وہ ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا- پھر جب وہ دونوں جعفری کی گاڑی میں بیٹھے تو
سکندر کے دماغ میں مائرہ کی سہیلی ناہید کے ساتھ ساتھ صبا انصاری کا جاذب نظر، گدرایا ہوا بدن
بھی اودھم مچا رہا تھا جبکہ جعفری ڈرائیونگ کرتے ہوئے صرف یہ سوچ رہا تھا کہ اگر نسرین کسی
ہسپتال میں بھی نہ ملی تو اس کے بیچارے ماں باپ پر کیا گزرے گی؟

O

تین دن گزر گئے-

نسرین کا کچھ پتہ نہ چلا- اس کے ماں باپ دیوانے سے ہوگئے- جعفری نے اپنی سی تگ و
دو کر ڈالی- ہر ہر چینل سے کوشش کی مگر اس کا پتہ کہاں سے چلتا؟ جو اس کے بارے میں جانتا تھا
وہ سائے کی طرح جعفری کے ساتھ ہمدردی اور اخلاق کا نمونہ بنا پھر رہا تھا- وہ اس ساری صورت
حال سے پہلے تو مزہ لیتا رہا، پھر بور ہوگیا اور اب اس کا جی چاہ رہا تھا کہ جعفری سے کہہ دے کہ
"سر چھوڑیئے- آیئے آفس چلیں- اس کا پتہ جب چلنا ہوگا چل جائے گا- آپ کیوں ہلکان ہو
رہے ہیں؟"---مگر یہ بات وہ سوچ تو سکتا تھا، کہہ نہیں سکتا تھا- اس ساری بھاگ دوڑ کے
دوران اس کا سامنا بار بار صبا انصاری سے ہوا جو اپنے بینک سے آف کر کے ان دنوں روزانہ
جعفری کے ہاں آجاتی تھی-

صبا کا اداس اور سوگوار حسن اور بھی غضب ڈھاتا تھا- صبیح چہرہ جب یاس رنگوں سے نکھر جاتا
تو سکندر کے جذبات میں جوار بھاٹا زلزلہ برپا کر دیتا- اس کا جی چاہتا اسے باہوں میں بھر کر کسی
جنگل میں بھاگ جائے جہاں اس کے اور صبا کے سوا کوئی نہ ہو- جہاں صبا کا حسن ہو اور اس کی
درندگی- صبا کا گدرایا ہوا بدن ہو اور اس کی بے پناہ وحشت- شاہینہ اس کے نہاں خانہ دل میں رہتی
تھی اور عجیب بات تھی کہ اس کے لئے سکندر کے دل میں کبھی کوئی الٹا سیدھا خیال پیدا نہ ہوتا تھا-
وہ اسے یوں پاکیزگی بھری نظروں سے دیکھتا تھا جیسے وہ اس کے من مندر کی ایسی دیوی ہو جس پر
بری نگاہ ڈالنے کا تصور بھی اس کے لئے عذاب بن جائے گا---ایسا کیوں تھا؟ وہ اس پر سوچتا ہی
نہ تھا- وہ تو اپنے جذبوں کا غلام تھا- جس کے لئے جو بہروپ سامنے آجاتا وہ اسے اختیار کر لینے
میں دیر نہ لگاتا-

مگر---

صبا کے لئے آج چوتھا دن تھا کہ وہ ڈھنگ سے کوئی پلاننگ نہ کر پایا تھا- اس کے لئے صبا
کو ٹریپ کرنا ایک مسئلہ ضرور تھا مگر وہ جانتا تھا کہ جب وہ اس مسئلے کو حل کرنے کی ٹھان لے گا تو حل
ہو جائے گا-

صبا کے بارے میں وہ صرف اتنا ہی جانتا تھا کہ وہ عابدی کی بیوی ہے۔ دونوں کسی بات پر الگ الگ رہ رہے ہیں اور کسی بھی وقت ایک ہو سکتے ہیں۔ مگر کب اور کیسے؟ وہ یہ نہ جانتا تھا۔

اس وقت وہ اور جعفری، شیخ صاحب کے ہاں سے لوٹ رہے تھے۔ نسرین کے والدین کا جو حال تھا اسے دیکھ کر کوئی بھی حساس دل خون کے آنسو رونے سے نہ رہ سکتا۔ چند لمحوں کے لئے سکندر بھی جذباتی سا ہو گیا۔ پھر دوبارہ اس کے احساسات پر وہی بے دلی چھا گئی جو اسے کسی بھی دوسرے کے دکھ سے بے نیاز رکھتی تھی۔ ہاں چہرے پر چھائی زردی اور مردنی صرف اس تھکان کا عکس تھی جو گذشتہ تین دن اور تین راتوں سے اس کے حصے میں لکھی گئی تھی تاہم جعفری اور دوسرے دیکھنے والے اس کیفیت کو نسرین کے والدین کے ساتھ پیش آنے والے سانحے کے احساس سے تعبیر کر رہے تھے۔

ایک روز پہلے کے اخبار میں غازی اسٹیٹ کے مالک بدرالدین کی پراسرار گمشدگی کے بارے میں بھی ایک چھوٹی سی خبر شائع ہوئی تھی۔ اس کی گاڑی ایک مشہور پلازہ کے باہر ملی تھی اور وہ خود کہاں تھا اس کے بارے میں پولیس اسی طرح لاعلم تھی جس طرح نسرین کے بارے میں۔ غازی کی خبر تو کونوں کھدروں میں چھپتی رہی مگر نسرین کی گمشدگی اخباروں میں چٹ پٹی اور مصالحے دار سرخیوں کے ساتھ بہرحال پولیس اور انتظامیہ کے لئے دردسر بنتی جا رہی تھی۔ یہ سب جعفری کا کیا دھرا تھا۔ وہ اوپر تک جا پہنچا تھا۔ اس کے تعلقات لی حد بڑی دور تک تھی اور وہ ان کو آزمانے میں کوئی کسر نہ چھوڑ رہا تھا۔

پھر چوتھے دن شام کو نعیم احمد نے پولیس کو انفارم کیا کہ اس کے مکان واقعہ مرغزار کالونی میں ایک کار اور دو لاشیں موجود ہیں۔ پولیس نے فوراً ریڈ کیا اور بدبو چھوڑتی ہوئی غازی بدرالدین اور نسرین کی لاشوں نے جہاں ان کی برآمدگی کا مرحلہ طے کیا وہیں یہ معمہ ایک نہ حل ہونے والے سوال کی طرح پولیس کے سامنے آ کھڑا ہوا کہ نسرین اور غازی کا کیا تعلق تھا؟ وہ دونوں وہاں کیوں اور کیسے پہنچے؟

یہ تو ظاہر تھا کہ غازی نے نسرین کی آبروریزی کی تھی تو اسے کسی تیسرے آدمی نے قتل کیا؟ مگر وہ تیسرا فرد کون تھا؟ یہ ایک ایسا سوال تھا جس نے محکمہ پولیس کو چکرا کر رکھ دیا۔

نسرین کی آبروریزی کرنے والے نے جس درندگی کا مظاہرہ کیا تھا اس نے ہر پڑھنے اور تصویریں دیکھنے والے کو لرزا کر رکھ دیا تھا۔ وہ نوچ کھسوٹ کسی غیر انسانی رویے کی مظہر تھی۔ پھر پوسٹ مارٹم رپورٹوں نے غازی کو نسرین کی آبروریزی کے الزام سے بھی بری کر دیا۔ اس کا مطلب تھا کہ جس نے نسرین کی آبروریزی کی اسی نے نسرین اور غازی کو قتل بھی کیا بلکہ نسرین تو

اس کی درندگی کے دوران ہی موت سے ہمکنار ہو چکی تھی۔ غازی اس سے پہلے قتل ہوا تھا۔

نسرین کے والدین کے حواس مختل ہو گئے۔ وہ اپنی کنواری اور معصوم بیٹی کا حشر دیکھ کر دیوانے سے ہو گئے۔ پھر ایک دن بعد اس کی ماں نے سکتے کے عالم میں دم توڑ دیا اور باپ پاگل ہو کر دیواروں سے سر ٹکرانے کے لئے زندہ رہ گیا۔ اس کے دونوں چھوٹے بھائی اکیلے گھر میں رونے، بلکنے اور تڑپنے کے لئے پیچھے رہ گئے۔ جعفری نے ان کے چچا کو امریکہ خبر کی۔ وہ دو دن بعد آیا اور اب بچوں کو ساتھ لے جانے کے انتظامات میں لگا ہوا تھا۔

یہ ایک ایسا سانحہ تھا جس نے مائرہ اور اس کی سہیلیوں کو خوف کے مارے بستر سے لگا دیا۔ وہ سب اتنی سہم گئیں کہ گھر سے نکلنا چھوڑ دیا۔ کالج جانا بند ہو گیا۔ ان سب کے والدین وقتی طور پر اس قدر ڈر گئے کہ تعلیم کا سلسلہ منقطع کرا دیا گیا۔

مائرہ کو سخت بخار نے آ لیا تھا۔ جعفری نے صبا سے درخواست کی کہ وہ چند دنوں کے لئے ہاں چلی آئے۔ اس نے ایک پل نہ لگایا۔ بینک سے ایک ہفتے کی چھٹی لی اور جعفری کے ہاں اٹھ ی۔ اب وہ اور شاہینہ تھیں اور مائرہ کا بستر۔ وہ دن رات جی جان سے اس کی تیمارداری کر رہی یں۔ مائرہ کو صبا نے ہمیشہ ہی اپنی بیٹی سمجھا تھا۔ عابدی بھی اسے ایسا ہی پیار کرتا تھا۔

اسی رات عابدی کا فون آیا۔ جعفری نے اسے مختصراً نسرین کے ساتھ پیش آنے والے اثے کے بارے میں بتایا۔ عابدی کچھ دیر کے لئے تو فون پر سن ہو کر رہ گیا۔ پھر اس نے آخری شن چھوڑ کر چلے آنے کا ارادہ ظاہر کیا تو جعفری نے اسے ڈانٹ دیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ عابدی آخری سیشن اٹینڈ کئے بغیر لوٹ آئے۔ مجبوراً عابدی نے ایک ہفتہ بعد اپنے لیکچر کے ختم ہوتے لوٹ آنے کا عزم ظاہر کیا تو جعفری نے اپنی ڈانٹ ڈپٹ بند کی۔

"مگر ایک احتیاط کرو جعفری۔" عابدی نے بے حد فکرمندی سے کہا۔

"وہ کیا؟"

"کسی بھی وقت مائرہ کو تنہا نہ چھوڑو۔ وہ بے حد حساس ہے۔ اس کی بیماری بگڑ نہ جائے۔" انے کہا۔

"یہ کوئی کہنے کی بات ہے۔ وہ تو میری زندگی کا باعث ہے عابدی۔" جعفری نے بڑے لہجے میں کہا مگر اسے نجانے کیوں یہ محسوس ہوا کہ عابدی اصل بات گول کر گیا ہے۔ وہ کہنا چاہتا تھا مگر کہہ کچھ اور گیا۔ تاہم عابدی نے اسے مزید بات کا موقع نہ دیا اور اللہ حافظ کہہ بند کر دیا۔

اس ساری صورتحال سے باخبر مگر عابدی کے فون سے لاعلم سکندر اپنے کمرے میں بستر پر

لحاف میں لپٹا بیٹھا ایک ٹیلی فون انڈیکس کھولے اپنے موبائل میں کچھ نام فون نمبر اور پتے فیڈ کر رہا تھا۔ یہ نام مائرہ کی سہیلیوں کے تھے جو پانچ چھ روز پہلے اس فنکشن میں آئی تھیں جو منعقد نہ ہو سکا تھا اور یہ انڈیکس وہ آج مائرہ کی تیماری داری کے بہانے جا کر اس کے کمرے سے اٹھا لایا تھا۔ صبح اسے یہ انڈیکس واپس وہاں رکھنا تھا۔ آخری نام پتہ اور فون نمبر جو اس نے موبائل میں فیڈ کیا وہ صبا انصاری کا تھا۔



صبح کے پونے نو کا وقت تھا جب سکندر آفس جانے کے لئے بالکل تیار ہو چکا تھا۔ اس نے چند لمحوں کے لئے کچھ سوچا پھر فون پر مائرہ کا نمبر ملایا۔

"ہیلو۔" دوسری طرف سے مائرہ نے اٹنڈ کیا۔ اس کی آواز بڑی تھکی تھکی اور اداس تھی۔

"سکندر بول رہا ہوں مس مائرہ۔" وہ بڑی خوشدلی سے بولا۔ "کیسی طبیعت ہے اب آپ کی؟"

"ٹھیک ہوں سکندر صاحب--- آپ کے پوچھنے کا شکریہ۔" وہ ممنونیت سے بولی۔

"اگر آپ محسوس نہ کریں تو میں آپ کو دیکھنے آ جاؤں۔"

"ایسی خاص ضرورت تو نہیں ہے۔ میں اب ٹھیک ہوں۔" اس نے پہلو بچانا چاہا۔

"بیمار کو یہ علم نہیں ہوتا کہ اسے کس چیز کی ضرورت ہے اور کس کی نہیں۔" سکندر نے ناصحا لہجے میں کہا۔ "پھر بھی اگر آپ کی اجازت ہو تو---"

"آپ آ جایئے۔ تکلفات میں نہ پڑیئے۔" ہلکی سی ہنسی کے ساتھ مائرہ نے کہا اور فون دیا۔

سکندر نے سرہانے کے نیچے سے انڈیکس نکال کر کوٹ کی جیب میں رکھی اور باہر نکل آ دروازہ لاک کر کے وہ نپے تلے قدموں سے مائرہ کے کمرے کی جانب چل دیا۔ اس وقت جمی کی گاڑی آفس کے لئے گیٹ سے نکل رہی تھی۔

شاہینہ نے اسے آتے دیکھا تو کچن سے نکل کر کاریڈور میں آ گئی۔ اس کی پر اشتیاق نگ سکندر کا طواف کر رہی تھیں۔

"میں ذرا مائرہ کی خیر خبر پوچھ آؤں۔" اس کے قریب سے گزرتے ہوئے اتنے لہجے میں سکندر نے کہا کہ شاہینہ کے دوسرے کان کو بھی خبر نہ ہوئی۔ ہولے سے مسکرا کر اس

ہلایا اور ڈرائنگ روم میں چلی گئی۔ سکندر کی طرف سے اسے پورا اطمینان ہو چکا تھا کہ وہ صرف اور صرف اس کا ہے۔ اسی لئے اب وہ بہت زیادہ احتیاط اور فکر سے آزاد ہو چکی تھی۔

مائرہ کے کمرے کا دروازہ ادھ کھلا تھا۔ صبا بھی آفس جا چکی تھی۔ گھر میں شاہینہ، مائرہ، بابا اور چوکیدار کے علاوہ صرف سکندر تھا۔ اس نے آہستہ سے دروازے پر انگلی سے ٹھک ٹھک کیا۔

"یس۔" مائرہ کی آواز ابھری۔

وہ دروازہ وا کر کے اندر داخل ہوا۔ مائرہ بستر ہی میں تھی۔ مسلسل بخار نے اسے نچوڑ لیا تھا مگر اس کا حسن، بیماری کے عالم میں بھی چھلکا پڑ رہا تھا۔

"آیئے سکندر صاحب۔" اس نے لحاف کو کندھوں پر برابر کرتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

سکندر مسکراتا ہوا آگے بڑھا اور بیڈ کے قریب پڑی کرسی پر آ بیٹھا۔

"صبح بخیر۔"

"اب تو ایک پہر نکل چکا محترم۔" وہ ہولے سے ہنسی۔

"جب آپ کو دیکھ لیا صبح ہو گئی۔" وہ بدستور مسکرا رہا تھا۔

مائرہ ایک دم سنجیدہ ہو گئی۔ سکندر نے اس کی کیفیت بدلتے دیکھی تو فوراً سنبھل گیا۔

"میں نے محاورۃً بلکہ شعراً عرض کیا تھا۔"

"جی۔ میں سمجھ رہی ہوں۔" اس نے نظریں جھکا لیں۔

"دوائی تو لے رہی ہیں ناں ابھی۔"

"جی ہاں۔" اس نے مختصر جواب دے کر خاموشی اختیار کر لی۔

"یہ کونسا میگزین ہے۔ ذرا دکھایئے۔" سکندر نے بیڈ کے دوسری طرف پڑے رسالے کی اب اشارہ کیا۔

جونہی مائرہ نے رخ ادھر پھیرا۔ سکندر نے بڑے غیر محسوس انداز میں تیزی سے کوٹ کی ب سے انڈیکس نکالی اور آہستہ سے سامنے پڑی تپائی کے نیچے پھینک دی۔ قالین پر گرنے کے ث ذرا سی بھی آواز نہ ہوئی۔

"یہ لیجئے۔ کیا آپ بھی خواتین کے رسالے شوق سے پڑھتے ہیں۔" مائرہ نے خواتین کا ویکلی میگزین اس کی طرف بڑھایا۔

"جی نہیں۔ شکریہ۔" سکندر نے ہاتھ کھڑے کر دیئے۔ "میں سمجھا شاید کوئی فلمی میگزین ہے۔"

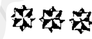
"فلموں سے دلچسپی ہے آپ کو؟"

"بس رسائل کی حد تک۔" سکندر نے مسکرا کر کہا۔ "اچھا' تو میں چلتا ہوں مس مائرہ۔ امید ہے آپ جلدی بستر چھوڑ دیں گی۔" وہ اٹھ گیا۔

"دیکھئے---" وہ بھی مسکرائی۔

سکندر نے اسے سرخم کر کے سلام کیا اور کمرے سے نکل گیا۔ مائرہ کتنی ہی دیر تک خالی دروازے کو گھورتی رہی۔ پھر ایک سرد آہ بھر کر اس نے سر پیچھے ڈال دیا۔ اسے نسرین یاد آ گئی۔ سکندر کے حوالے سے نسرین اور اس کے درمیان ہونے والی گفتگو اس کی پردہ ذہن پر فلم کی طرح متحرک ہو گئی۔ نسرین کی یاد کیا تھی' آنسوؤں کی بوچھاڑ تھی جو مائرہ کی آنکھوں سے جاری ہو گئی۔ پھر سسکیاں ہچکیوں میں بدلیں تو وہ بے بسی سے نڈھال ہو گئی۔

اب یادیں تھیں اور آنسو--- نسرین کہاں تھی جو اس کی سب سے بڑی ہمراز اور غم گسار تھی--- اس کا پل پل اشکوں میں ڈوبتا چلا گیا۔



شام کے چھ بجے تھے۔ باہر اندھیرا گہرا ہو رہا تھا۔ کھڑکیوں پر کھنچے پردوں سے باہر کے ماحول کا اندازہ ممکن نہ تھا' البتہ کمرے میں پھیلی سرخ نائٹ بلب کی روشنی نے عجب جذبات کو برانگیختہ کر دینے والا ساماں باندھ رکھا تھا۔

ثمین اور سکندر قدرتی لباس میں بستر پر دبیز گرم کمبل میں لپٹے پڑے تھے۔

"اس کا مطلب ہے ابھی تک قاتل کا کوئی پتہ نہیں چلا۔"

"معاملہ اس قدر الجھا ہوا ہے ثمین کہ قاتل کا پتہ چل ہی نہیں سکتا۔" سکندر نے ثمین کی زلفوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔

"لیکن ہے یہ بے حد ظلم سکندر۔ ایک معصوم لڑکی کے ساتھ ایسا بھیانک سلوک۔ تصویریں دیکھ کر ایک بار تو میرا دل بھی گھبرا گیا تھا۔" ثمین سکندر کے سینے کے بالوں سے ہوئے بولی۔

"کوئی بھی حساس ذہن گھبرا جائے گا ثمین۔ تم بہر حال ایک عورت ہو۔"

"ویسے سکندر' کیا ایسا نہیں لگتا کہ یہ کسی آپے سے باہر ہو جانے والے جنونی کا کام ہے۔ جو حال اس نے نسرین کے جسم کا کیا' وہ تو کسی انسانی طاقت کا کارنامہ نہیں لگتا۔ پھر یہ بھی بے چاری کی موت دوران تشدد ہی واقع ہو گئی۔"

"ٹھیک کہہ رہی ہو تم۔ مگر میرا ذہن اس بات پر الجھ جاتا ہے کہ غازی جیسا بے کشش آدمی وہاں کیا کر رہا تھا؟"

"ہو سکتا ہے اس کا نسرین سے افیئر چل رہا ہو۔"

"ہشت۔" سکندر نے اس کی زلف کھینچی۔ وہ دھیرے سے کراہ اٹھی۔ "تم نے دونوں کی عمروں کا فرق نوٹ نہیں کیا۔ غازی کم از کم پندرہ سال بڑا تھا اس سے۔"

"اس سے کیا ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ اسے کسی بات پر بلیک میل کر رہا ہو۔" ثمین نے رائے ظاہر کی۔

"کس بات پر؟" سکندر نے پرخیال لہجے میں کہا۔ ثمین نے ٹھوڑی اس کے سینے پر ٹکائی اور اسے گھورنے لگی۔ "نسرین کے کردار کے بارے میں ایک بھی کمزور پہلو سننے میں نہیں آیا۔"

"جو باتیں سننے میں آ جائیں۔ جو باتیں دکھنے لگیں وہ بلیک میلنگ کے کام نہیں آیا کرتیں جانی!" ثمین نے سمجھداری کا ثبوت دیا۔

"پھر ایسی کیا بات ہو سکتی ہے۔ اخباروں نے غازی کے بارے میں کوئی ایسی بات بھی بیان نہیں کی جو کسی خفیہ معاملے سے پردہ اٹھائے۔ پولیس نے تو یہ کہہ کر کیس ٹھپ کر دیا ہے کہ غازی کو کسی کاروباری لین دین کے قضیئے میں قتل کیا گیا ہے۔"

"اور نسرین---؟"

"اس کے بارے میں حسب معمول تحقیقات چل رہی ہیں۔" سکندر نے مضحکہ اڑانے والے لہجے میں کہا۔

"نسرین کی گاڑی کا وہاں موجود ہونا ایک بات تو ثابت کرتا ہے۔"

"کیا؟" سکندر نے پوچھا۔

"کہ وہ وہاں اپنی مرضی سے گئی۔"

"ہاں۔ مگر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ غازی کے ساتھ گئی۔"

"یہ تو ثابت ہو جاتا ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"غازی کی اپنی گاڑی پلازہ کے باہر کھڑی ملی۔ ہو سکتا ہے نسرین نے اسے وہاں سے اپنی گاڑی میں پک کر لیا ہو۔"

"تمہارا مطلب ہے وہ دونوں اکٹھے اس مکان میں پہنچے۔"

"ہاں۔"

"مگر اس کے باوجود پوسٹ مارٹم کی رپورٹس کو تم کس خانے میں فٹ کرو گی- ان کے مطابق غازی نے نسرین پر مجرمانہ حملہ نہیں کیا-"

"مجرمانہ حملہ وہاں پہلے سے موجود کسی تیسرے فرد نے کیا ہوگا-" ثمین نے خیال ظاہر کیا-

"یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں-"

جواب میں سوالیہ نظروں سے ثمین نے سکندر کی جانب دیکھا- وہ اس کے بالوں کو سنوارتے ہوئے بولا-

"ایک تو یہ کیا وہ شخص ان دونوں کے وہاں پہنچنے کے پروگرام سے باخبر تھا اور اگر تھا تو وہ کس کا آدمی تھا- نسرین کا یا غازی کا؟"

"اور دوسرا سوال؟" ثمین نے دلچسپی سے پوچھا-

"دوسرا سوال یہ ہے کہ بلیک میل نسرین ہو رہی تھی یا غازی؟"

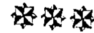
"جو بھی ہو رہا تھا--- وہ تھا فضول آدمی-"

"وہ کیوں؟" ثمین نے حیرت سے پوچھا-

"اس لئے کہ وہ اپنی غیر موجودگی میں بھی ہم دونوں کا قیمتی وقت ضائع کر رہا ہے-" سکندر نے ثمین کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ لیا-

"آہ--- بیتھر--- ظالم---" ثمین کے لبوں سے ایک لذت آمیز کراہ نکل گئی-

دوسرے لمحے وہ خود سکندر پر ٹوٹ پڑی- بستر پر غراہٹوں اور بے ہنگم آوازوں کا طوفان برپا ہو گیا- یہ غیر انسانی آوازیں ان دونوں کے حیوانی رویوں اور جذبوں کا ایسا اظہار تھیں جس کے لئے وہ صرف ایک دوسرے کو جوابدہ تھے-



رات کے گیارہ بجے کا عمل تھا-

صبا آج جعفری کے ہاں سے واپس اپنے گھر لوٹ آئی تھی- مائرہ اب خاصی ٹھیک تھی بخار اور خوف کا اثر اس پر سے تقریباً ختم ہو چکا تھا- جعفری اس کا بے حد شکر گزار تھا- صبا نے اس کے شکریہ ادا کرنے کا برا مانا تو وہ ممنونیت سے آبدیدہ ہو گیا- بہر حال وہ اس لئے بھی لوٹ آئی تھی کہ پانچ چھ روز بعد عابدی واپس آنے والا تھا اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی واپسی پر اس کا آمنا سامنا

وہاں ہو جائے-

اچانک فون کی تیز بیل نے اس کی گہری نیند میں دراڑ پیدا کر دی- تیسری بیل پر اس نے لحاف میں سے ہاتھ باہر نکالا اور نائٹ بلب کی ہلکی روشنی میں نیم وا آنکھوں سے فون کی جانب دیکھ کر ریسیور اٹھا لیا-

"ہیلو---" بے خیالی میں وہ خمار آلود لہجے میں بولی-

"سو رہی تھیں کیا؟" دوسری جانب سے ایک تیز سرگوشی اس کے کانوں میں برچھی کی طرح اترتی چلی گئی-

"کون ہو تم؟" وہ اس اجنبی آواز کو سن کر ایک دم ہوش میں آ گئی-

"تمہارا دیوانہ---" سرگوشی اب بھی والہانہ پن لئے ہوئے تھی-

ایک لمحے کو صبا سن ہو کر رہ گئی- پل بھر کو اس کا دھیان عابدی کی طرف گیا- پھر اس نے اس خیال کو سوچ کی حدود سے باہر پھینک دیا- وہ ایسی عامیانہ اور گھٹیا حرکت کر ہی نہ سکتا تھا-

"بکومت- کون ہو تم؟" وہ آپے سے باہر ہو گئی- عابدی کے خیال کو رد کر کے ہی وہ حواس میں لوٹ آئی-

"بتایا ناں--- تمہارا دیوانہ-" وہ اس کی بات کا برا منائے بغیر بولا-

صبا نے بہت کوشش کی مگر پہچان نہ پائی کہ وہ کون ہو سکتا ہے- اتنا تو اس نے محسوس کر لیا کہ کوئی آواز بدل کر بول رہا ہے یا ماؤتھ پیس کے آگے کوئی شے رکھ کر گفتگو کر رہا ہے مگر وہ کون ہو سکتا ہے؟ یہ اس کے لئے معمہ بن گیا-

"چاہتے کیا ہو؟" وہ تلخی سے بولی-

"دیوانے کیا چاہا کرتے ہیں!" اس نے جواباً کہا تو کھٹاک سے صبا نے فون بند کر دیا- اس کا خون کھول اٹھا تھا-

ایک لمحے کے بعد پھر فون چیخ اٹھا- شاید اس نے ری ڈائل کیا تھا- وہ سات آٹھ گھنٹیوں تک فون کو گھورتی رہی- پھر یہ سوچ کر اٹھا لیا کہ شاید کسی اور کا فون ہو-

"بند کیوں کر دیا جان؟" وہی سرگوشی ابھری-

"تم--- تم بہت بے ہودہ انسان ہو- شرم نہیں آتی شرفا کو اس طرح تنگ کرتے ہوئے!"

"میں نے اب تک کیا غیر شریفانہ حرکت کی جان!" وہ معصومیت پر اتر آیا-

"یہ جو تم ایک انجان عورت کو جان جان کہہ رہے ہو یہ کیا شریفانہ عمل ہے؟" صبا پھٹ

پڑی-

"جان تو تم نے بھی کہہ دیا --- ان جان کہہ کر --- پھر کیا تم بھی شریفانہ حرکت کر رہی ہو جان!"

"میں تمہاری ابھی کمپلینٹ کرتی ہوں-" صبا نے سی ایل آئی پر نظر ڈالی-

"فضول ہوگا- پہلی بات یہ کہ میں پبلک فون بوتھ سے بول رہا ہوں- دوسری بات یہ کہ یہ پاکستان ہے- سب محکمے والے چین سے سو رہے ہیں' ایمرجنسی والے بھی- کمپلینٹ صبح ہو سکے گا اور صبح کیا اس وقت بھی ہو سکتی تو پبلک فون بوتھ کونسا ہے- کون جان پائے گا؟"

"اور اب بھی تم خود کو شریفانہ رویے کا مظہر ثابت کرو گے-" صبا نے زہر خند سے کہا-

"چھوڑو- تم کن رویوں کے چکر میں پڑ گئیں- بولو' ملتی ہو کہیں یا میں آ جاؤں؟"

"کیا؟" صبا کا دماغ الٹ گیا- "تم حرامزادے کتے کے پلے- تمہاری یہ جرات- تم نے کیا سمجھ کر یہ بازاری زبان استعمال کی میرے ساتھ-" وہ چیخ اٹھی- اس کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی- ایسی توہین کا تو اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا-

"یہ گالیاں اس وقت کے لئے اٹھا رکھو جان جب میں اور تم ایک ہوں گے-" وہ اتنے پیار سے بولا کہ صبا کے لئے سہنا مشکل ہو گیا- اس نے کریڈل پر ریسیور دے مارا-

کانوں پر ہاتھ رکھ کر وہ بے اختیار سسک اٹھی- اس کے کانوں میں ایسے بے ہودہ لفظوں کا پگھلا ہوا سیسہ انڈیلنے والا سامنے آ جاتا تو وہ اس کا خون پی جاتی --- مگر وہ تھا کون؟ یہ سوال اس کے لئے سوہان روح بنتا چلا گیا- اچانک اس کے لئے ایک فقرہ اس کی سماعت میں دھماکے کرنے لگا-

"یا میں آ جاؤں- یا میں آ جاؤں- یا میں آ جاؤں-"

بے اختیار وہ اٹھی- سلیپنگ سوٹ کے اوپر گاؤن پہنتی ہوئی وہ کمرے سے نکلی- دروازے کھڑکیاں سب اندر سے بند کر کے سونا اس کی عادت تھی- حسب توقع دروازے بند تھے- کھڑکیوں کی چٹخنیاں چڑھی ہوئی تھیں- کاریڈور کے شیشے سے اس نے گیٹ کی طرف نظر دوڑائی- گیٹ سے چند قدم اندر پٹھان چوکیدار چوکس بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا-

مطمئن ہو کر وہ کمرے میں چلی آئی --- دروازہ اندر سے لاک کیا- کھڑکیوں کو چیک کر کے پردے برابر کئے اور بستر میں چلی آئی- وہ ان دنوں گھر پر اکیلی ہی تھی اس کی والدہ اپنے بھائی کے ہاں گئی ہوئی تھیں-

ایک دم اسے عابدی بے پناہ یاد آیا-

اس کی موجودگی اس کا سب سے بڑا حصار تھی- قلعہ تھا- وہ ہوتا تو شاید ایسی صورت حال سے اس کا سابقہ ہی نہ پڑتا-

"بے وفا ہو تم عابدی-" وہ سسک پڑی- "مجھے اکیلا چھوڑ دیا- کس کے رحم و کرم پر--- اگر--- اگر واقعی کوئی آ جائے تو میں کیا کر سکوں گی--- کیا کر سکوں گی؟" وہ دھاروں دھار رو پڑی-

"یہ مرد ہوتے ہی مطلبی ہیں- خود غرض اور اپنی گانٹھ کے پکے--- اپنے خود ساختہ اور نام نہاد مشن کے لئے مجھے دنیا کے خرابے میں اکیلا چھوڑ کر چلا گیا--- آج مجھے کچھ ہو جائے تو کل میری میت پر کھڑا ہو کر سب سے بلند آواز میں بین کرنے والا یہ عابدی ہی ہو گا---" اس کا دل نفرت سے بھرتا چلا گیا--- "اس وقت اسے میری محبت' میری جدائی' میری رفاقت' میری وفا سب کچھ یاد آ جائے گا--- اور اب اس وقت---- اپنی تسکین طبع کے لئے مجھے ایک فضول نظریے کی بھینٹ چڑھا کر خود ہزاروں میل دور بیٹھا مزے کر رہا ہے-"

"کل اس کا فون بھی تو آیا تھا-" دماغ میں ایک خبر گونجی-

"تو کیا---؟" دل نے اسی لہجے میں کہا- "خود تو نہیں آیا- اور جب آئے گا تو میرا نجانے کیا حشر ہو چکا ہو گا-"

"اگلے ہفتے میں آ جائے گا وہ!" دماغ نے عابدی کی طرفداری کی-

"یہاں ایک پل کا پتہ نہیں' سات دن کس نے دیکھے ہیں-" دل مسلسل چیخ رہا تھا- "یہ فون پر بکواس کرنے والا نجانے کون جنونی ---"

اور ایک دم اس کا دل دھڑکنا بھول گیا- دماغ بھی رک سا گیا-

ایک سیاہ نقطہ ابھرا اور اس کے خیالوں پر اندھیرا پھیلتا چلا گیا-

"کہیں یہ وہی جنونی نہ ہو جس نے نسرین کا خون کیا ہے-"

اور نسرین کا خیال آتے ہی اس کے مساموں سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ ابل پڑا- اس نے نسرین کی کٹی پھٹی' نچی ہوئی لاش دیکھی تھی- اس کے جیسے حشر کا سوچ کر وہ لرز گئی- پھر کپکپاہٹ نے اس پر ایسا غلبہ پایا کہ وہ گرم لحاف میں بھی یوں کانپتی رہی جیسے سردی کا بخار چڑھ آیا ہو-

اسی وقت فون پھر چیخ اٹھا-

تڑپ کر وہ اچھلی اور ساکت ہو گئی-

اس کا سانس سینے میں دفن ہو کر رہ گیا- اس نے آہستہ سے لحاف کو سر کے اوپر تک کھینچا اور بے حس و حرکت ہو گئی- وہ یوں خوفزدہ تھی جیسے فون اٹھائے گی تو اس کے ریسیور میں سے کوئی

بدروح سرگوشیاں کرتی ہوئی نکل کر اسے چمٹ جائے گی۔

فون چنگھاڑتا رہا۔

وہ بے حس و حرکت آنکھیں موندے پڑی رہی۔

بالآخر فون خاموش ہو گیا۔

تب اس نے تیزی سے ہاتھ باہر نکالا اور ریسیور اٹھا کر تپائی پر رکھ دیا۔

اطمینان بھرا ایک سانس اس کے لبوں سے خارج ہوا اور اس نے منہ سر لپیٹ کر نیند کی وادی میں سنبھل سنبھل کر اترنے کی بے سود کوشش شروع کر دی۔

O

صبا۔۔۔جعفری کے سامنے پریشان بیٹھی تھی۔اس کے چہرے کا رنگ ایک ہی رات میں زرد پڑ گیا تھا۔آنکھوں کے گرد حلقے نمایاں ہو گئے اور صاف لگتا تھا کہ وہ اندر سے بے حد ڈری ہوئی ہے۔

جعفری نے اس کی ساری بات بڑے غور سے سنی۔فکرمندی سے اس کی پیشانی پر شکنیں نمودار ہوئیں اور اب وہ سگار سلگائے کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

صبا صبح ہوتے ہی بغیر ناشتہ کئے دفتر جانے سے پہلے جعفری کے ہاں چلی آئی تھی۔وہ جانتی تھی کہ وہ نو بجے سے کچھ پہلے آفس کے لئے روانہ ہو جاتا ہے۔اس لئے جب وہ پہنچی تو آٹھ بجے کا وقت تھا۔جعفری ڈائننگ روم میں ناشتے کی میز پر آ چکا تھا۔شاہینہ کچن سے ناشتے کی ٹرے لئے نکل رہی تھی۔مائرہ ابھی تک سو رہی تھی۔کالج سے وہ فری تھی اس لئے اس کا کھانا پینا اور سونا سب ڈسٹرب تھا۔دوسری وجہ اس کے شدید دل میں خرابی کی یہ تھی کہ نسرین کے قتل کے بعد سے وہ مسلسل بیمار تھی۔شروع کے چار دن تو جعفری آفس بھی نہ گیا تاہم جب اس کی حالت سنبھل گئی تو اس نے دو تین گھنٹے کے لئے آفس جانا شروع کر دیا۔مائرہ کا ان دنوں ناشتہ کھانا کمرے ہی میں ہوتا تھا۔

صبا کو پریشانی کے عالم میں آتا دیکھ کر جعفری کے ساتھ ساتھ شاہینہ بھی ٹھٹک گئی۔اس کی بات سننے کے دوران جعفری نے زبردستی اسے چائے کا کپ پلوایا۔ناشتے کے نام پر اس نے توس تک نہ لیا۔اس کی بھوک پیاس تو ویسے ہی ختم ہو چکی تھی۔شاہینہ اس دوران وہاں موجود رہی۔اس نے بھی صبا کی ساری بات بڑے دھیان سے سنی اور دل ہی دل میں اس کے لئے ہمدردی اور افسوس کے جذبات امڈتے محسوس کرنے لگی۔

''کون ہو سکتا ہے؟'' آہستہ سے جعفری بڑبڑایا اور ماتھا مسلنے لگا۔''اور تم سے اس کا کیا تعلق؟''

''میں رات بھر سو نہیں پائی بھائی!'' صبا کے ہونٹ لرزے۔

''پریشان نہ ہو صبا۔'' جعفری نے اسے دلاسہ دیا۔''تم عابدی کی بیوی ہی نہیں میری بہن بھی ہو اور بھابی بھی۔دوست بھی ہو اور میری مائرہ کی آنٹی بھی۔ذہن کو بالکل آزاد چھوڑ دو۔۔۔

ہاں-ایک بات تمہیں میری ماننا ہوگی اور اس موقع پر اس سے انکار مت کرنا-"

"جی---" وہ کچھ کچھ سمجھ گئی پھر بھی سوالیہ نظروں سے جعفری کی طرف دیکھنے لگی-

"اب تم عابدی کی واپسی تک یہیں رہو گی-" جعفری نے جیسے حکم سنایا-

"مگر بھائی---"

"میں نے کہا ناں' اگر مگر کی کوئی گنجائش نہیں-" جعفری نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید کچھ کہنے سے روک دیا-

"ٹھیک ہے- جیسے آپ کہیں-" اس نے ضد کرنا مناسب نہ سمجھا-

"چار پانچ دن تک وہ بدھو لوٹ آئے گا- تب تک تم اطمینان سے یہاں رہو- شاہینہ! مائرہ کے ساتھ والا کمرہ صبا کے لئے ٹھیک کر دو-"

"جی انکل-" وہ سر ہلا کر بولی اور اسی وقت کمرے سے نکل گئی- وہ جعفری کی طبیعت کو جانتی تھی- جو کام جس وقت کرنا ضروری ہوتا وہ کر گزرتی تھی-

"ویسے تم نے اس کی آواز سے کچھ اندازہ لگایا کہ اپنے ارد گرد کے لوگوں میں سے کسی سے ملتی جلتی ہو-" جعفری نے سگار کا کش لے کر پوچھا-

"میں نے بہت کوشش کی مگر پہچان میں نہیں آئی- ہاں ایک بات ضرور محسوس ہوئی کہ وہ آواز بدل کر بول رہا تھا یا پھر اس نے ماؤتھ پیس پر کوئی کپڑا وغیرہ رکھا ہوگا' کیونکہ آواز دبی دبی اور گہرائی میں سے آتی لگتی تھی-"

"ہوں---" جعفری نے سوچ میں ڈوبی آواز میں کہا- "تمہارے فون پر سی ایل آئی تو ہوگی-"

"جی ہاں- مگر پبلک فون بوتھ کا نمبر---"

"ہاں یہ ایک قباحت ہے- اب اگر اس فون بوتھ کا پتہ چل بھی جائے تو کیا فائدہ" جعفری نے اس کی بات اچک لی-

"آپ اب آفس جائیں گے؟"

"ہاں---کوئی کام ہے کیا؟"

"میں گھر سے کچھ کپڑے وغیرہ لے آتی-"

"چلو- میں کچھ دیر سے چلا جاؤں گا- تم میرے ساتھ چلو- یا رکو- اگر تم مناسب سمجھو تو سکندر کے ساتھ جا کر گھر سے ضروری سامان لے آؤ-"

"دن کا وقت ہے بھائی- میں اکیلی چلی جاؤں گی- جانے آنے میں دیر ہی کتنی لگے گی-"

صبا نے عذر کیا-

"نہیں-" جعفری نے سختی سے کہا- "تم ایک پل کے لئے بھی اکیلی نہیں رہو گی- بینک سے بھی ہفتے بھر کی چھٹی اور لے لو-"

"ابھی کل تک تو میری چھٹی باقی ہے-"

"یہ اور بھی اچھا ہے- چھٹی ایکسٹینڈ کرا لو- فون کرنا ہوگا یا کسی کے ہاتھ ایپلی کیشن بھجوانا ہو گی؟"

"میں فون پر کہہ دوں گی- کل پرسوں تک نیا ایم سی بھجوا دوں گی کسی کے ہاتھ-"

"تو ٹھیک ہے- اب بولو' میں ساتھ چلوں یا سکندر سے کہہ دوں-"

"آپ آفس جائیے- سکندر میرے ساتھ گاڑی میں چلا جائے گا-"

اور جعفری نے سر ہلا کر سیٹ چھوڑ دی- کونے میں سٹینڈ پر پڑے انٹر کام پر سکندر سے رابطہ کیا- وہ شاید آفس کے لئے نکل ہی رہا تھا-

"سکندر- ذرا ادھر چلے آؤ میرے پاس-" جعفری نے اس سے ہیلو ہیلو کے بعد کہا---

"ہاں ہاں- کام ہی ہے اور خیریت کا ہے- بس آ جاؤ-" اس نے رابطہ کاٹ دیا اور واپس صبا کے پاس ڈائننگ ٹیبل پر آ بیٹھا-

تقریباً تین منٹ بعد بالکل نیلی اور پینٹ میں ملبوس' موبائل ہاتھ میں لئے سکندر کمرے میں داخل ہوا-

"السلام علیکم!" اس نے بڑے اخلاق سے کہا- صبا نے ایک نظر اسے دیکھا- پھر دھیرے سے جواب دیا- جعفری نے مسکرا کر کرسی کی جانب اشارہ کیا- "بیٹھو سکندر- ناشتہ کر چکے؟"

"جی سر- میں تو اب آفس کے لئے نکل رہا تھا-" وہ بڑے احترام سے بولا-

"آفس کچھ دیر سے چلے آنا- پہلے صبا کے ساتھ ان کے گھر تک چلے جاؤ- انہیں وہاں سے کچھ سامان لانا ہے- واپس ان کو یہیں چھوڑ کر تم آفس آ جانا-"

"جی سر- تو چلیں-" وہ اٹھ کھڑا ہوا- اس نے تفصیل جاننے کی کوشش ہی نہ کی-

"جاؤ صبا اور بالکل پریشان نہ ہو- سب ٹھیک ہو جائے گا- ہاں' دن میں کسی وقت ایسا ویسا کوئی فون آ جائے تو مجھے آفس میں رنگ کر دینا-"

"کیا بات ہے سر-" سکندر چونکا- "کوئی پریشانی کی بات ہے کیا؟"

"بس بھئی- کوئی حرامزادہ صبا کو رات سے فون پر تنگ کر رہا ہے-" جعفری نے تلخی سے کہا- "میں نے کہا عابدی کے آنے تک یہیں آ جاؤ- اگر پہلے ایسی حرکت کا علم ہوتا تو میں اسے کل

ہی یہاں سے نہ جانے دیتا۔

''اوہ---'' سکندر کے ہونٹ سیٹی کے انداز میں سکڑ گئے۔ اس نے بڑی گہری نظروں سے صبا کی جانب دیکھا جو اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ ''یہ تو بڑی نامناسب بات ہے لیکن کیا اس بات کا پتہ نہیں چلا کہ وہ ہے کون؟''

''یہ پتہ چل جاتا تو میں اسے اب تک گولی نہ مار چکا ہوتا۔'' جعفری طیش سے بولا۔ ''بہرحال چھوڑو اس قصے کو تم لوگ جاؤ۔''

''جی سر---آیئے میڈم۔'' سکندر نے دروازے کی طرف اشارہ کیا اور صبا پرس تھام کر کھڑی ہوگئی۔

پھر جعفری ان کے ساتھ ہی باہر نکلا۔

صبا نے ڈرائیونگ سیٹ پر آنا چاہا تو سکندر نے اسے روک دیا۔

''میڈم۔ آپ مناسب سمجھیں تو ڈرائیو میں کروں۔''

صبا نے اس کے سوال پر ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالی اور کی رنگ اس کی طرف بڑھا دیا۔

سکندر نے کی رنگ تھام کر کار کا پچھلا دروازہ کھولا اور اسے بیٹھنے کے لئے کہا۔ صبا نے بیٹھ کر دروازہ بند کرلیا۔ سکندر ڈرائیونگ سیٹ پر آ گیا۔ پھر صبا اور جعفری کی گاڑی آگے پیچھے ہی گیٹ سے نکلی اور مختلف سمتوں میں روانہ ہوگئیں۔



صبا سکندر کو راستہ بتاتی رہی اور وہ دس منٹ میں صبا کے گھر پہنچ گئے۔ چوکیدار نے گیٹ کھولا۔ سکندر نے گاڑی پورچ میں روکی۔

''تم بیٹھو۔ میں چند منٹ میں واپس آ رہی ہوں۔'' صبا کار سے نکلی اور چوکیدار کی طرف متوجہ ہوئی۔

''زیب خان۔ گیٹ کھلا رکھو۔ میں واپس جا رہی ہوں۔ کوئی بھی کام ہو یا کوئی ضروری فون آجائے تو میں جعفری بھائی کے ہاں ملوں گی۔ چند روز ادھر ہی رہوں گی۔''

''جی بیگم صاحب۔'' زیب خان نے مستعدی سے کہا اور ڈرائیونگ سیٹ پر موجود سکندر کو دیکھ کر دانت نکال دیئے۔ جواب میں سکندر بھی مسکرا کر رہ گیا۔

صبا دس منٹ بعد لوٹی تو ایک چھوٹا سا اٹیچی اس کے بائیں ہاتھ میں لٹک رہا تھا۔ سکندر نے جلدی سے اس کے ہاتھ سے اٹیچی لے لیا اور ڈگی میں رکھ کر لوٹ آیا۔ صبا اندر بیٹھی اور گاڑی واپسی کے لئے روانہ ہوگئی۔

''ویسے میڈم۔ آپ اپنے اردگرد نظر دوڑایئے۔ کوئی قریبی آدمی ہی ایسی بے باک حرکت کر سکتا ہے۔'' سکندر نے بیک مرر میں اس کے ستے ہوئے چہرے پر نظریں ڈالیں۔ صبا اس حال میں بھی ہزاروں میں ایک لگ رہی تھی۔ اس کا سوگوار حسن ایک اپنی ہی کشش رکھتا تھا۔

''میں نے بہت کوشش کی۔ بہت غور کیا مگر ناکام رہی۔'' صبا نے باہر سڑک پر دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ ''میرا ایسا کوئی جاننے والا ہے ہی نہیں جو ایسی رکیک حرکت کر سکے۔''

''اس وقت عابدی صاحب کا یہاں ہونا بے حد ضروری تھا۔'' سکندر نے جیسے اس کی دکھتی دل پہ ہاتھ رکھ دیا۔

جواب میں صبا ہونٹ دانتوں میں داب کر رہ گئی۔ ایک دم اس کی آنکھیں نم ہوگئیں اور چہرہ رنگ بدل کر رہ گیا۔ سکندر نے بڑے غور سے اس کا جائزہ لیا اور نظریں سڑک پر جما دیں۔

''میں آپ کے ذاتی معاملات میں دخل دینے کا حق تو نہیں رکھتا میڈم۔'' سکندر نے بڑی نپی تلی اور گھمبیر آواز میں کہا۔ ''مگر اتنا بے غیرت نہیں ہو سکتا کہ---'' وہ اچانک خاموش ہوگیا۔

صبا چونکہ بائیں طرف کھڑکی سے لگی بیٹھی تھی اس لئے وہ سکندر کو سائیڈ پوز سے بڑی اچھی طرح دیکھ سکتی تھی۔ اس نے سکندر کی بات پر آنکھیں خشک کیں اور اس کی طرف متوجہ ہوگئی۔

''کہو کہو۔ تم خاموش کیوں ہو گئے۔ شاید تمہاری کسی بات سے کوئی راہ سوجھ جائے۔'' صبا نے اسے حوصلہ دیا۔

''میں یہ کہنا چاہتا ہوں میڈم کہ آپ جیسی گریس فل عورت کے لئے اگر کوئی بے ہودگی پر اتر آئے تو یہ کوئی عجیب بات نہیں۔'' سکندر بیک مرر میں رک رک کر اس کا جائزہ لیتا ہوا کہہ گیا۔

''میں ایک شادی شدہ عورت ہوں مسٹر۔'' صبا نے اس کی بات کا جیسے برا مان لیا۔

''مگر رہ تو اکیلی رہی ہیں میڈم۔'' سکندر نے ایک دم پینترا بدلا۔ ''اور یہ بات کسی کو بھی اکسا سکتی ہے۔''

''کیا پورے شہر میں ایک میں ہی اکیلی رہ رہی ہوں۔'' وہ ہتھے سے اکھڑ گئی۔

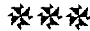
''نہیں۔'' سکندر نے اطمینان سے جواب دیا۔ ''یہ بات نہیں میڈم۔ میں صرف یہ بات آپ تک پہنچانا چاہتا ہوں کہ وہ جو کوئی بھی ہے اسے آپ کے اکیلے پن کے ساتھ ساتھ خوبصورتی نے بھی متاثر کیا ہے۔ یہ میرا اپنا اندازہ ہے جو غلط بھی ہو سکتا ہے۔''

''وہ جو بھی ہے ایک بار میرے سامنے آ جائے تو میں اسے بتاؤں کہ کسی شریف عورت سے بدتہذیبی کیسے کی جاتی ہے۔'' صبا کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

سکندر نے اس کے چہرے پر پھیلتی شفق کو دیکھا اور اس کا سارا بدن کانپ کر رہ گیا۔ ایک دم اس کے ذہن پر دھند سی چھائی اور اس کے ہاتھ سٹیئرنگ پر سختی سے جکڑے گئے۔ پھر سارا بدن اکڑ جانے کا احساس اس کے حواس پر سوار ہو جانے سے قبل ہی اسے جعفری کی کوٹھی کا گیٹ دکھائی دے گیا اور ایک طویل سانس لے کر اس نے بدن ڈھیلا چھوڑ دیا۔

صبا کو گاڑی سمیت کوٹھی میں چھوڑ کر وہ باہر نکل آیا۔ جاتی ہوئی ایک ٹیکسی کو روکا اور آفس کا پتہ بتا کر پچھلی سیٹ پر گر سا پڑا۔ اس نے سارے جسم میں رینگتی چیونٹیوں کی اذیت سے بچنے کے لئے آنکھیں بند کر لیں اور ماتھے پر ہاتھ رکھ کر نیم دراز ہو گیا۔ اس کے حلق میں کانٹے سے اگ آئے اور جلتی ہوئی پیشانی عرق آلود ہو رہی تھی۔

صبا نے جعفری کے ہاں آ کر اس کے سارے منصوبے پر پانی پھیر دیا تھا مگر اس کے خیالوں میں پورے قد سے کھڑے جذبات کے جراثیم اس کے کانوں میں مسلسل سرگوشیاں کر رہے تھے۔ اب اسے فون کے بجائے صبا کو کس طرح پریشان کرنا تھا' وہ یہی سوچ سوچ کر ایک کے بعد ایک خیال کو رد کرتا رہا۔ عابدی کے آنے سے پہلے اسے بہر صورت صبا کا شکار کرنا تھا مگر اس وقت اسے کچھ سوجھ نہ رہا تھا۔ تنگ آ کر اس نے آنکھیں کھول دیں اور سیٹ پر سیدھا ہو بیٹھا۔ اسے آفس میں جانے سے پہلے اپنی حالت کو سنبھالنا تھا اور خود کو فریش بھی ظاہر کرنا تھا۔ چند ہی لمحوں میں وہ حیرت انگیز طور پر پرسکون ہوتا چلا گیا۔ اسی وقت ٹیکسی اس کے آفس والی بلڈنگ کے سامنے رک گئی۔ اس نے کرایہ ادا کیا اور باہر نکل کر تیزی سے بلڈنگ کی طرف بڑھتا چلا گیا۔



سکندر لنچ کر کے لوٹا تو ثمین نے انٹرکام پر اس سے رابطہ کیا۔

''یس۔'' وہ ثمین کی آواز سن کر ہشاش بشاش ہو گیا۔

''سکندر۔ ایک خبر دینا تھی تمہیں؟'' وہ اداسی سے بولی۔

''کیا؟'' وہ سنجیدہ ہو گیا۔

''میں تین دن کے لئے چھٹی پر جا رہی ہوں۔''

''خیریت؟'' وہ چونکا۔

''ایک عزیز کی شادی میں مجھے پاپا اور ممی کے ساتھ لاہور جانا ہے۔''

''بہت ضروری ہے کیا؟''

''ہاں۔۔۔ ورنہ میں ہرگز نہ جاتی جان!''

''یہ تین دن ہیں ثمین۔ تین گھنٹے نہیں کہ میں آرام سے گزار لوں۔'' وہ واقعی پریشان ہو گیا۔ وہ تو آج شام ثمین کو ہوٹل وی ڈائمنڈ لے جانا چاہتا تھا۔ صبا کی پیدا کردہ بیقراری کا علاج یہی تھا۔

''میں سمجھتی ہوں سکندر۔ اسی لئے تو خود بھی پریشان ہوں۔''

''رکنے کی کوئی صورت نہیں؟''

''نہیں۔۔۔ میں اپنی سی کوشش کر چکی ہوں۔''

''پھر تو مجبوری ہے۔'' وہ بجھ سا گیا۔

''ایسے لہجے میں بات مت کرو ورنہ میرا جانا مشکل ہو جائے گا۔'' ثمین جذباتی ہو گئی۔

''تین دن۔۔۔ تین راتیں۔۔۔'' وہ دھیرے سے بولا۔ ''اس سے زیادہ دیر کا پروگرام تو نہیں ہے؟''

''ہوا بھی تو میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر لوٹ آؤں گی۔'' وہ پختہ عزم سے بولی۔

''او کے۔'' اس نے یاسیت سے کہا۔ ''کیا کیا جا سکتا ہے۔''

''سکندر۔۔۔ پلیز!'' ثمین نے منت سے کہا۔ ''میں یہ نہیں کہوں گی کہ صرف تین دن ہی کی تو بات ہے۔ میں جانتی ہوں ہم دونوں کا ایک دوسرے کے بغیر کیا حال ہو گا مگر پلیز خود کو سنبھالے رکھنا۔''

''ہوں۔۔۔'' وہ بمشکل بولا۔ ثمین سے دوری کا احساس اسے کچوکے لگا رہا تھا۔ ''تم جلد لوٹ آنا۔''

''ہاں ہاں' تم فکر مت کرو۔''

''جانے سے پہلے ملو گی نہیں؟'' وہ تڑپ لئے ہوئے لہجے میں بولا۔

''تم سے ملنے کے بعد میرا جانا محال ہو جائے گا سکندر۔'' ثمین نے سسک کر کہا۔ ''مجھے معاف کرنا۔''

''نہیں جان۔ میں سمجھتا ہوں۔'' سکندر نے ماؤتھ پیس چوم لیا۔ ''ٹھیک ہے میں بند کر رہا ہوں۔ تم تین دن بعد۔۔۔''

''میں لوٹ آؤں گی سکندر۔۔۔ چوتھا دن میں تمہاری باہوں میں گزاروں گی۔'' ثمین نے

جذبات سے چھلکتی آواز میں اس کی بات کاٹ دی-
''آنے سے پہلے فون کرنا- بھولنا مت-''
''ہاں---ضرور-''
اور سکندر نے ایک دم انٹر کام آف کر دیا- سر پکڑ کر اس نے ریوالونگ چیئر کو گھمایا اور رخ دیوار کی طرف کر کے جیسے ساری دنیا سے روٹھ گیا- اس کی جلتی بجھتی آنکھوں میں سرخی چھا گئی-
اسی وقت فون کی گھنٹی نے اسے چونکا دیا- گھور کر اس نے فون کی جانب دیکھا' پھر جھٹکے سے ریسیور اٹھایا اور کان سے لگا لیا-
''ہیلو'' اس کی آواز میں تندی سی تھی-
''ہیلو مسٹر سکندر-'' دوسری جانب سے ابھرنے والی آواز نے اسے الرٹ کر دیا- ''میں ارشاد ہوں---ہیلو-''
''ہیلو ارشاد-'' سکندر نے ایک دم موڈ بدل لیا- وہ گرگٹ کی طرح رنگ تبدیل کرنے پر حیرت انگیز حد تک قدرت رکھتا تھا-
''ارے سکندر صاحب- آپ کہاں ہیں- میں صبح سے تیسری مرتبہ فون کر رہا ہوں-'' ارشاد نے بے تابی سے کہا-
''خیریت- ایسی کیا ایمرجنسی آن پڑی؟'' وہ ہنسا-
''ایمرجنسی سی ایمرجنسی---'' ارشاد نے مزہ لیتے ہوئے کہا- ''آج رات ہمارے ہاں کیبرے ڈانس کا پروگرام ہے سکندر صاحب- میں نے یہی اطلاع دینا تھی کہ آج رات آٹھ بجے تک پہنچ جائیے گا-''
''میں ایسے فنکشنز کا شوقین نہیں ہوں ارشاد-'' سکندر نے معذرت کرنا چاہی-
''نہ نہ نہ---کوئی عذر نہیں چلے گا-'' ارشاد نے تیزی سے اس کی بات کاٹی- ''اس فنکشن میں صرف کپل Allow ہیں- میں نے آپ کے لئے اس کا بھی انتظام کر رکھا ہے-''
''یعنی؟''
''ایک شعلہ جوالہ کو آپ کے لئے بک کر لیا ہے-''
''ارشاد---'' اس نے پھر کہنا چاہا-
''سکندر صاحب- اگر پسند نہ آئے تو مجھے گولی مار دیجئے گا مگر پلیز انکار نہ کیجئے- میں آپ کا منتظر رہوں گا- ٹھیک آٹھ بجے---او کے- گڈ بائی-''
پھر سکندر ہیلو ہیلو ہی کرتا رہ گیا مگر ارشاد فون کاٹ چکا تھا- ایک طویل سانس لے کر اس

نے ریسیور کریڈل پر ڈالا اور سوچ میں ڈوب گیا- پھر اگلے ہی لمحے جیسے اس کے من میں گدگدی سی ہوئی- ''چلو---آج رات ارشاد ہی کے لئے سہی- شاید چیز اچھی ہی ہو-'' وہ دل ہی دل میں مسکرایا اور رخ پھیر کر سامنے رکھی فائل کا کور الٹ دیا-



وہ پونے آٹھ بجے ہوٹل دی ڈائمنڈ پہنچ گیا- ارشاد ڈانسنگ ہال ہی میں مل گیا- وہ انتظامات کو فائنل ٹچ دے رہا تھا- ہال کی ترتیب بدل دی گئی تھی- دائیں بائیں نیم دائرے میں میزیں لگا کر سامنے کا سارا حصہ رنگ برنگ سرچ لائٹوں کے حصار میں دے دیا گیا تھا جہاں کیبرے ڈانسر فیروزہ کو اپنے فن کا مظاہرہ کرنا تھا- ارشاد اس سے لپٹ ہی گیا-
''ارے واہ سکندر صاحب- آپ ہزاروں سال جیو- آپ نے آ کر میری عزت رکھ لی-''
''ایسی کوئی بات نہیں ارشاد خان-'' سکندر پیار سے بولا- ''تم نے اصرار ہی اس طرح کیا کہ میں رک نہ سکا- ویسے بھی تمہاری دوستی مجھے بہت عزیز ہے-''
''وہ تو آپ نے ثابت کر دیا-'' ارشاد اس کے لگائے مکھن پر سے پھسل گیا- ''آئیے میں نیلم سے آپ کا تعارف کراؤں-''
''کون نیلم!'' وہ جان بوجھ کر انجان بن گیا-
''آپ کی ٹیبل پارٹنر-'' ارشاد نے اس کا ہاتھ تھاما اور اس کی میز پر لے آیا جہاں ایک بے حد خوبصورت چوبیس پچیس سالہ عورت بیٹھی کولڈ ڈرنک سے شغل کر رہی تھی-
''لو بھئی نیلم---تمہارے پارٹنر آ گئے- مسٹر سکندر-'' ارشاد نے قریب جا کر کہا تو نیلم نے رخ بدل کر ان دونوں کی طرف دیکھا- پھر سکندر پر نظر پڑتے ہی وہ جیسے مبہوت ہو گئی- سکندر سفید بے داغ سوٹ اور سیاہ شرٹ میں غضب ڈھا رہا تھا جبکہ سکندر کے دماغ میں نیلم کے حسن نے آگ سی لگا دی تھی-
''ہیلو-'' بالآخر سکندر نے خاموشی کا طلسم توڑا-
''ہیلو-'' نیلم نے اس کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیا- اس کا گداز پن سکندر کے مضبوط ہاتھ میں آتے ہی تیز آنچ میں ڈھل گیا- اس کی تحسین آمیز نگاہوں نے سکندر کو سر سے پاؤں تک چوم لیا-
''بیٹھئے-'' وہ سرشاری سے بولی-
''لو بھئی- اب تم جانو اور تمہارا کام-'' ارشاد نے جانے کے لئے رخ بدلا اور سکندر کے

کان کے پاس ہولے سے سرگوشی کی۔ ''ڈانس کے بعد اگر آپ اسے کمرے میں لے جانا چاہیں تو جھجکئے گا مت۔''

اور سکندر کا جواب سنے بغیر وہ آرکسٹرا کی طرف بڑھ گیا۔

سکندر نیلم کے سامنے بیٹھ گیا۔ اسی وقت بیرا اس کے لئے بھی کولڈ ڈرنک لے آیا۔ سردی کے موسم میں گرم گرم ہال میں کولڈ ڈرنک عجب مزا دے رہا تھا۔ ارشاد کی چوائس کی داد نہ دینا زیادتی تھی جو کیبرے ڈانس شروع کرنے کے لئے اناؤنسمنٹ کر رہا تھا۔

ہال کی بتیاں ایک دم بجھ گئیں۔ چھت پر سے روشنی کا دائرہ فرش پر اترا اور ایک سمٹے سمٹائے گدرائے ہوئے نیم عریاں بدن پر جم گیا۔ آرکسٹرا نے جھنکار پیدا کی اور دھیرے دھیرے حسن و شباب کے اس مجسمے کے پرت کھلنے لگے۔ پھر جب چند سیکنڈ بعد وہ دلربا پل پل رنگ بدلتی روشنیوں میں اپنے لوچدار بدن کے ساتھ اٹھکیلیاں کرتی ہوئی ہال میں ادھر سے ادھر چکرانے لگی تو لوگوں کے ہوش و حواس پر برق گرنے کا مطلب سمجھ میں آنے لگا۔ فیروزہ کا بے ہڈی کا بدن ربڑ کی گڑیا کی طرح بل کھاتا رہا اور جوڑے کبھی مبہوت اور کبھی بے قابو ہو کر اس کی اشتعال انگیز حرکتوں سے محظوظ ہوتے رہے۔

رہا سکندر۔۔۔ تو اس کے دل و دماغ میں جو طوفان برپا تھا اس سے کوئی بھی دوسرا واقف نہ ہو سکتا تھا اس لئے کہ فیروزہ کے سیکس اپیل سے لبریز بدن پر چیتے کی سیاہ و سفید کھال کے لباس نما چیتھڑے نے اسے اودیہ کے پہاڑی ذخیرے میں پہنچا دیا تھا۔ وہ کسی پتھر کے بت کی طرح ایک ٹک فیروزہ کو گھورے جا رہا تھا۔ جذبات سے بے حال اس کے ساتھ بیٹھی نیلم جب بھی کوئی سسکاری بھرتی، سکندر کے حلق میں ابلتی غراہٹیں ضبط کی زنجیروں کو کھنکھنا کر رکھ دیتیں۔

آدھ گھنٹے کے ڈانس کے بعد جب آرکسٹرا نے ایک چھناکے کے ساتھ دم توڑا۔ بتیاں روشن ہوئیں تو سارا ہال دیوانوں کی طرح تالیاں پیٹ اٹھا۔ فیروزہ نے کمر تک خمیدہ ہو کر دائیں بائیں سب کا شکریہ ادا کیا اور پلٹ کر بائیں طرف کے دروازے میں غائب ہو گئی۔

نیلم کی آنکھوں میں سرخ ڈورے تیر رہے تھے اور سکندر۔۔۔ اسے نیلم، فیروزہ کے سامنے صفر لگ رہی تھی۔ کسی جنگلی ہرنی جیسی لچکیلی چیتے کی کھال میں نیم عریاں اور ریشمی فیروزہ اس کے حواس پر تھپکیاں دے رہی تھی۔

''میں ابھی آیا۔'' سکندر نے اچانک سیٹ چھوڑ دی۔

نیلم نے اسے روکنے کے لئے ہونٹ وا کئے مگر وہ اس کے بولنے سے پہلے ہی لپکتا ہوا ہال سے باہر نکل گیا۔ پھر کچھ سوچ کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ شاید سکندر کمرے کا انتظام

کرنے گیا تھا۔ آنے والے لمحات کے خیال ہی سے اس کا بدن دوبارہ ٹوٹنے لگا۔

کاریڈور میں آ کر سکندر نے ادھر ادھر دیکھا۔ ہال میں سے اٹھ کر بہت سے جوڑوں نے کمروں کا رخ کر لیا تھا۔ وہ متلاشی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتا ہوا کاریڈور میں آگے بڑھا۔ اختتام پر دائیں بائیں دونوں طرف رستہ مڑتا تھا۔ اس نے دائیں طرف نگاہ دوڑائی۔ ایک دو جوڑے کمروں کے دروازے کھول کر اندر جا رہے تھے۔ کچھ آگے کو رواں تھے۔ بائیں طرف دیکھا تو ارشاد ایک دروازے سے باہر نکلتا ہوا نظر آیا۔ سکندر نے فوراً خود کو آڑ میں کر لیا۔ ارشاد کے ساتھ ایک بیرا تھا جو اس کی بات بڑے غور سے سن رہا تھا۔

''مس فیروزہ کو ٹھیک ایک گھنٹے بعد ڈنر سرو کرنا ہو گا۔ ہاشم صاحب آئیں گے تو مس فیروزہ ان کے ساتھ ہی ڈنر کریں گی۔ اس دوران کسی کو یہ علم نہیں ہونا چاہیے کہ وہ اس کمرے میں ہیں۔ اس بات کا علم اب تک صرف تمہیں اور مجھے ہے۔ ورنہ لوگ آٹوگراف اور ملاقات کے لئے اس کا سانس لینا دوبھر کر دیں گے۔''

''یس سر۔'' بیرے نے مستعدی سے کہا اور دونوں سکندر کی طرف توجہ دیئے بغیر گزر گئے۔ ایک تو وہ آڑ میں تھا اور دوسرے وہ اس کی طرف مڑنے کے بجائے سیدھے چلے گئے تھے۔

ان کے کاریڈور پار کر جانے کے بعد وہ آڑ سے نکلا اور ادھر ادھر دیکھتا ہوا اس کمرے کے دروازے پر آ رکا جس میں ارشاد نے فیروزہ کے ہونے کی گواہی دی تھی۔

ادھر ادھر دیکھ کر اس نے اطمینان کیا۔ دونوں طرف کاریڈور اتفاق سے بالکل خالی تھا۔ آہستہ سے اس نے دروازے پر دستک دی۔

''یس۔۔۔ ہو از دیئر۔'' اندر سے فیروزہ کی کھنک دار آواز ابھری۔

''ہاشم۔'' سکندر نے ذرا سی آواز بھاری کر کے جواب دیا۔

ایک لمحے کے بعد دروازہ کھلا۔ پھر اس سے پہلے کہ فیروزہ پوری طرح باہر دیکھ پاتی، سکندر نے ایک دم دھکیل کر دروازہ کھولا اور کراہ کر پیچھے کو گرتی فیروزہ کے سنبھلنے سے پہلے کھٹاک سے دروازہ بند کر کے چٹخنی چڑھا دی۔ دوسرے ہی لمحے چیخنے کے لئے کھلتے فیروزہ کے ہونٹوں پر اس کا مضبوط ہاتھ آ جما۔ دوسرے ہاتھ سے اس نے فیروزہ کو قابو کیا اور گھسیٹ کر بستر پر لے آیا۔

فیروزہ مچلی۔ خوف سے اس کی بڑی بڑی آنکھیں پھیل گئیں۔ سکندر نے اسکے دونوں بازو کمر کے پیچھے دبا کر اسے بستر پر گرایا اور خود اس پر اپنا پورا بوجھ ڈال دیا۔ اس کا ایک ہاتھ اب بھی اسی سختی سے فیروزہ کے منہ پر جما ہوا تھا۔ آہستہ سے اس کا ہاتھ اوپر کھسکا اور فیروزہ کی ناک اس کے نیچے دب گئی۔ چند لمحے وہ مچلتی رہی، جدوجہد کرتی رہی، پھر دھیرے دھیرے اس کا بدن

ساکت ہو گیا' سانس کی آمد و رفت مدھم ہو گئی۔

اچھی طرح اطمینان کر لینے کے بعد سکندر نے اس کے لبوں اور ناک پر سے ہاتھ ہٹا لیا۔ فیروزہ بے ہوش ہو چکی تھی۔

ادھر ادھر دیکھ کر سکندر نے تپائی پر پڑے اس کے سکارف کو اٹھایا اور اس کے دونوں ہاتھ پیچھے باندھ دیئے۔ سکارف کا ایک ٹکڑا باریک پٹی کی صورت میں اس نے پہلے ہی الگ کر لیا تھا۔ اس کو اس نے فیروزہ کے منہ پر اس طرح باندھ دیا کہ وہ بالکل ہی آواز نکالنے سے معذور ہو گئی۔

فرش پر کھڑے ہو کر سکندر نے ادھر ادھر کا جائزہ لیا۔ پھر تیزی سے آگے بڑھا اور کمرے کی لائٹس آف کر دیں۔ اندھیرے میں اس کی چمکتی ہوئی درندوں جیسی آنکھوں میں وحشت نے جنم لیا اور دھیرے دھیرے جب وہ بستر کی طرف بڑھا تو جذبات غراہٹیں بن کر اس کے حلق سے ابل رہے تھے۔

بیس منٹ بعد۔۔۔۔

جب وہ کمرے کی لائٹس آن کر کے باتھ روم کی طرف بڑھا تو بستر پر فیروزہ کی کٹی پھٹی لاش اپنے ساتھ ہونے والی درندگی کا منہ بولتا اشتہار نظر آ رہی تھی۔ پانچ منٹ بعد جب وہ باتھ روم سے فریش ہو کر نکلا تو قطعاً نہ لگ رہا تھا کہ ابھی ابھی اس نے ایک بے گناہ کی آبروریزی کر کے جان لے لی ہے۔ آہستہ سے دروازہ کھول کر اس نے باہر جھانکا۔ کاریڈور تب بھی خالی تھا۔ وہ لپک کر باہر نکلا۔ دروازہ اپنے پیچھے بند کیا اور دو منٹ سے بھی کم وقفے میں نیلم کے پاس جا دھمکا۔

''کہاں چلے گئے تھے آپ؟'' وہ بے تابی سے بولی۔

''خیریت؟'' وہ مسکرا کر اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''ارشاد کا بھی کچھ پتہ نہیں۔ میں اکیلی بور ہو کر اب اٹھنے کو تھی۔'' وہ اسے مخمور نگاہوں سے دیکھ کر بولی۔

''آیئے ارشاد کے کمرے میں چلیں۔'' وہ اٹھ گیا۔

''وہاں کیوں؟'' وہ اٹھلائی۔

''ابھی اس سے مل کر پھر کہیں اور چلیں گے' آیئے۔'' وہ اس کی حالت سمجھ کر دلاسہ دیتے ہوئے بولا۔ نیلم سمجھ گئی کہ اس کا اندازہ درست تھا۔ سکندر اسے ساتھ لے کر ارشاد کے کمرے تک آیا۔ چپراسی نے دروازہ کھول دیا۔

''ارشاد صاحب کمرے میں نہیں ہیں سر۔ آپ بیٹھئے۔ میں پتہ کرتا ہوں وہ کہاں ہیں؟''

''ہاں ہاں' اسے بلاؤ یار۔ ہمیں جانا بھی ہے۔'' سکندر نے نیلم کی طرف معنی خیز نظروں سے

دیکھا۔ وہ مسکرا کر اس کے ساتھ کمرے میں داخل ہو گئی۔

تقریباً پانچ منٹ بعد ارشاد کمرے میں آیا اور ان دونوں کو بیٹھا دیکھ کر بے ساختہ ہنس پڑا۔

''ارے آپ دونوں یہاں کیا کر رہے ہیں۔ آپ کو تو۔۔۔'' ایک دم وہ کہتے کہتے رک گیا۔

''مجھے تو Peon نے بتایا کہ آپ یہاں میرے منتظر ہیں۔''

''بھائی۔ ایک مشکل آن پڑی ہے۔'' سکندر نے اس کی طرف دیکھا۔

''کیا کیا۔ بولئے۔'' ارشاد نے جلدی سے پوچھا۔

''ہوٹل میں کچھ ایسے معزز مہمان بھی آئے بیٹھے ہیں جن کے سامنے میں کمرے تو دیکھ سکتا ہوں ان کو لے کر اپنے کمرے تک نہیں جا سکتا۔'' اس کا اشارہ نیلم کی طرف تھا۔

''تو پھر۔۔۔'' ارشاد نے روا روی میں کہا پھر جیسے بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ ''اوہو ہو۔۔۔'' وہ لوٹ پوٹ ہو گیا۔ ''تو یہ بات ہے۔ یہ کیا مشکل ہے سکندر صاحب۔ نیلم کا اپارٹمنٹ ہے۔ کیوں نیلم!''

''جی ہاں۔ آپ مجھ سے کہتے سکندر صاحب۔'' وہ بے باکی سے بولی۔ ''ارشاد کو بتانے کی کیا ضرورت تھی؟''

''ضرورت تھی۔ میں اسے بتائے بغیر چل دیتا تو کیا اچھا لگتا؟'' سکندر نے اپنائیت سے ارشاد کی طرف دیکھا۔

''شکریہ۔ شکریہ سکندر صاحب۔ اس محبت کے لئے شکریہ۔۔۔ اور اب اگر آپ مجھے معاف کریں تو میں اجازت چاہوں گا۔ ہوٹل کے مالک مسٹر ہاشم آنے والے ہیں۔ مس فیروزہ کے ساتھ ان کا ڈنر ہے۔ میں ان کے لئے انتظامات کرنے میں الجھا ہوا ہوں۔ نیلم۔۔۔ تم سکندر صاحب کو لے جاؤ۔ گاڑی ہے ناں تمہارے پاس۔''

''ہاں ہاں۔ آیئے سکندر صاحب۔'' وہ اٹھ گئی۔

''او کے ارشاد۔ تھینک یو۔'' سکندر نے اس سے مصافحہ کیا۔

''مینشن ناٹ۔ گڈ لک۔'' اس نے حسب عادت بائیں آنکھ دبائی اور دونوں کے ساتھ ہی باہر نکل آیا۔

پھر ارشاد تو اپنے ملازموں کو ہدایات دینے لگا اور نیلم سکندر کو ساتھ لئے باہر آ گئی۔ اس کی سفید ہنڈا اکارڈ چند لمحوں بعد سکندر کو اپارٹمنٹ کی طرف اڑائے لئے جا رہی تھی۔

سر کے پیچھے گدی پر دونوں ہاتھ باندھے سکندر بند آنکھوں میں فیروزہ کے گداز بدن کی لذتوں اور لطافتوں کو منظر منظر کر کے چکھ رہا تھا جبکہ آنے والے وقت کے تصور سے نیلم کا بدن مہک

پندرہ منٹ بعد وہ دونوں بیم کے اپارٹمنٹ میں داخل ہوئے جو تین کمروں پر مشتمل تھا۔ نیلم اسے ڈرائنگ روم میں بٹھا کر لباس بدلنے کے لئے دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

وہ اس کی شاہانہ آرائش سے محظوظ ہونے لگا۔ نیلم ایک کال گرل تھی اور اس کا رہن سہن ایسے ہی کروفر کا متقاضی تھا۔

تقریباً پانچ منٹ بعد جب سفید نائٹی میں قیامتیں چھلکاتی نیلم کمرے میں لوٹی تو سکندر کے لئے خود کو سنبھالنا مشکل ہو گیا مگر اس وقت نیلم کے ساتھ کسی بھی قسم کی انوالومنٹ اس کے لئے مشکل پیدا کر سکتی تھی۔ وہ تھوڑا وقت گزارنا چاہتا تھا اس لئے اس کو بھوکی نظروں سے دیکھنے کے باوجود کہہ اٹھا۔

''ایک غلطی ہو گئی مس نیلم۔''

''وہ کیا؟'' وہ اس کے قریب آتے آتے رک گئی۔

''بھوک کا کوئی انتظام نہیں کیا ہم نے اور میرے پیٹ میں کھلبلی مچی ہوئی ہے۔''

''اوہ---'' وہ ہونٹ سکوڑ کر رہ گئی۔ ''یہ تو واقعی برا ہوا۔''

''اگر تم کچھ دیر انتظار کر سکو تو میں کھانے کے لئے کچھ لے آؤں؟''

''سوری سکندر صاحب۔ دراصل آج بالکل ذہن میں رہا ہی نہیں ورنہ گھر میں کچھ نہ کچھ ضرور نکل آتا۔''

''معذرت کی ضرورت نہیں۔ میں ابھی گیا اور ابھی آیا۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''گاڑی لے جائیے۔'' نیلم نے چابیاں تپائی سے اٹھا کر اس کی طرف اچھالیں۔

اس نے ''تھینکس'' کہہ کر کی رنگ لپک لیا اور دروازے سے نکل گیا۔ جان بوجھ کر وہ تقریباً آدھ گھنٹے بعد کھانے پینے کا سامان لے کر لوٹا تو کمرے کا ماحول ہی بدلا ہوا پایا۔

نیلم ٹی وی کے سامنے ریموٹ تھامے خوفزدہ سی بیٹھی نیوز بلیٹن سن رہی تھی۔

''سکندر صاحب۔'' وہ اسے آتا دیکھ کر ایک دم بول اٹھی۔ ''یہ دیکھئے ہمارے پیچھے ارشاد کے ہوٹل میں کیا ہو گیا؟''

''کیا ہوا؟'' اس نے شاپر میز پر رکھتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

''مس فیروزہ کو کسی نے بڑی بے رحمی سے قتل کر دیا۔ اسی طرح سے جس طرح پچھلے دنوں ایک سٹوڈنٹ گرل کو مجرمانہ حملے کے دوران ہلاک کر دیا گیا تھا۔''

''کیا---؟'' وہ اچھل پڑا۔

''جی ہاں--- یہ دیکھئے۔'' اس نے ٹی وی سکرین کی طرف اشارہ کیا جہاں ہوٹل دی ڈائمنڈ کے باہر پولیس کی بے شمار نفری کے ساتھ عام لوگوں میں گھرا کھڑا ٹی وی کا نمائندہ بتا رہا تھا کہ:

''مس فیروزہ کا یہ بہیمانہ قتل بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی لگتا ہے جس کے تحت گذشتہ دنوں ایک طالبہ نسرین کا خون کیا گیا تھا۔ مس فیروزہ کی موت بھی دوران تشدد واقع ہو گئی۔ پولیس کی بھاری نفری یہاں موجود ہے۔ ایس پی سٹی نے ذاتی طور پر دلچسپی لیتے ہوئے جائے واردات کا خود معائنہ کیا ہے۔ ابھی تک کوئی کلیو سامنے نہیں آیا۔ ہوٹل کے منیجر مسٹر ارشاد کے مطابق کیبرے ڈانس کے بعد وہ خود مس فیروزہ کو ان کے کمرے تک چھوڑ کر آئے تھے اور مس فیروزہ جس کمرے میں ٹھہری ہوئی ہیں اس کا علم ان کے اور ہوٹل کے ہیڈ ویٹر کے سوا کسی کو نہ تھا۔ ڈانس پروگرام کے پون گھنٹے بعد ہوٹل کے مالک مسٹر ہاشم کی آمد پر جب مس فیروزہ کو ان کے ساتھ ڈنر کے لئے بلانے ہیڈ ویٹر ان کے کمرے میں پہنچا تو دروازہ کھلا تھا اور مس فیروزہ کی لاش بستر پر ادھڑی پڑی تھی--- دیگر تفصیلات کے لئے ہمارے اگلے خصوصی بلیٹن کا انتظار کیجئے۔''

نیلم نے ریموٹ سے ٹی وی آف کر دیا۔

''یہ کیا ہو گیا میرے خدا۔'' وہ کراہ کر بولی۔

''مس نیلم۔'' سکندر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ ''خود کو سنبھالئے۔ یہ وقت پریشان ہونے کا نہیں۔ ارشاد اس وقت بے حد مشکل میں گھر گیا ہے۔ اسے ہماری مدد درکار ہو گی۔''

''کیسی باتیں کر رہے ہیں سکندر صاحب۔'' وہ ایک دم گھبرا گئی۔ ''اس وقت کسی بھی طرح اس معاملے سے خود کو متعلق کرنا پھانسی کا پھندا گلے میں ڈالنے والی بات ہو گی۔ بھول جائیے کہ ہم آج وہاں موجود تھے۔ ارشاد بھی ہم لوگوں کا نام درمیان میں نہیں آنے دے گا۔ ہم برے لوگ ایک دوسرے کے لئے بہت محفوظ پناہ گاہ ہوتے ہیں سکندر صاحب۔'' اس کا لہجہ عجیب سا ہو گیا۔

''آپ شریف آدمی ہیں۔ پولیس کے چکروں میں نہیں پڑے کبھی۔ اگر ارشاد کو ہماری مدد کی ضرورت ہو گی تو اس کی مدد ضرور کی جائے گی مگر ایسے نہیں۔ سامنے آ کر نہیں--- اور ویسے بھی یہ بہت بچت ہو گئی کہ یہ حادثہ ہمارے آنے کے بعد ہوا--- اگر ہم وہاں موجود ہوتے تو نجانے اس وقت کس مشکل صورت حال میں گھر چکے ہوتے۔''

"ہاں --- یہ تو ہے-" سکندر نے اس سے اتفاق کیا- "بہرحال اس واقعے نے سارا موڈ ہی چوپٹ کر دیا-"

"شراب ایسے حالات میں بہترین ساتھی بن جایا کرتی ہے سکندر صاحب- اگر آپ پسند کریں تو؟" نیلم نے اسے گہری نظروں سے دیکھا-

"نہیں مس نیلم- میں نے کبھی نہیں چکھی- اگر آپ برا نہ مانیں تو آج کی یہ تقریب کینسل کر دی جائے- اب موڈ بحال ہونا ممکن نہیں لگتا-"

"کھانا تو اکٹھے کھایا جا سکتا ہے؟" نیلم پھیکے سے انداز میں مسکرائی-

"ضرور- اس میں با امر مجبوری ساتھ دیا جا سکتا ہے حالانکہ ایک دم بھوک ہی مر گئی ہے-"

"میں کھانا لگاتی ہوں- چند لقمے زہر مار کرنے میں کوئی حرج نہیں-" وہ اٹھ گئی- پھر سب سے پہلے اس نے شریفانہ لباس سے بدن کو چھپایا- اس کے بعد کھانا لگایا- دونوں نے تھوڑا بہت کھایا- نیلم نے کافی بنائی- کافی کا کپ پی کر سکندر نے ہاتھ دھوئے- پھر خاموشی سے نیلم کے بیڈ پر سرہانے کے نیچے ہزار ہزار کے تین نوٹ سرکائے اور وارڈ روب کی طرف بڑھتی نیلم سے اجازت چاہی-

"سوری سکندر صاحب- میں آپ کی کوئی خدمت نہ کر سکی-" وہ اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولی- "اب تک میرے اعصاب جھنجھنا رہے ہیں-"

"پھر کبھی سہی مس نیلم --- یار زندہ صحبت باقی-" وہ مسکرایا اور ہاتھ الوداعی انداز میں ہلاتے ہوئے باہر نکل آیا- نیلم نے دروازہ اندر سے لاک کر لیا-

وارڈ روب سے شراب کی بوتل اور گلاس نکال کر نیلم بیڈ پر آ بیٹھی- سرہانہ اٹھا کر گود میں رکھا تو نیچے سے تین نیلے نوٹ اچھل پڑے- اس نے ایک پل سوچا پھر سکندر کا خیال کر کے مسکرا دی-

"گریٹ مین ---" اس نے بڑبڑا کر کہا اور نوٹ اٹھا کر تپائی پر رکھے پرس میں ڈال لئے-

اب اسے کیا معلوم کہ سکندر نے اسے صرف تین ہزار روپے ہی نہیں، اس کی زندگی بھی بخش دی تھی- اگر اسے ارشاد اور اس کے ہوٹل والوں کی گواہی کا اندیشہ نہ ہوتا تو شاید اب یہاں شراب سے دل بہلاتی زندہ و سلامت نیلم کی جگہ اس کی ادھڑی ہوئی لاش پڑی ہوتی-

O

صبا، شاہینہ اور جعفری مائرہ کے کمرے میں بیٹھے گفتگو میں مشغول تھے- صبا نے مائرہ سے قطعاً کچھ نہ چھپایا- شاہینہ ویسے ہی گھر کے ایک فرد کی طرح تھی اور جعفری کے لئے وہ سب ایک کنبہ تھے-

رات کہ آدھی سے زیادہ جا چکی تھی مگر یوں لگتا تھا ان میں سے کوئی بھی سونے کے لئے تیار نہ ہو- بہت مہینوں کے بعد گھر میں ایک ایسی چھوٹی سی محفل سجی تھی جس نے جعفری کو اس کی روٹین سے ہٹا کر بچوں میں بچہ بنا دیا ورنہ وہ دس بجے کے بعد بستر سے باہر رہنے کا عادی نہ تھا- عابدی یہاں ہوتا تو اور بات تھی- وہ اس کے سارے اصولوں اور قاعدوں کا تیا پانچہ کرنا جانتا تھا- اس کی غیر حاضری ان سب کو بری طرح کھل رہی تھی-

"بھائی --- ان کا دوبارہ فون آیا کیا؟" صبا نے جعفری سے پوچھا تو وہ ہنس کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا-

"دو تین دن کی بات ہے صبا- وہ خود آنے والا ہے-"

"ویسے آنٹی- اگر آپ برا بھی مانیں تو میں ایک بات کہے بغیر نہ رہوں گی-" مائرہ نے اسے شوخی سے دیکھا-

"کیا؟" صبا اس کو گھور کر بولی- وہ جانتی تھی بیماری سے تازہ تازہ اٹھنے والی مائرہ اگلی پچھلی کسر نکال رہی ہے-

"انکل کے آتے ہی آپ دونوں کی ایک بار پھر شادی نہ کر دی جائے-"

"ہٹ ---" وہ بے طرح شرما گئی-

"واہ-" جعفری نے قہقہہ بلند کیا- "بھئی مائرہ یہ تو تم نے بہت انوکھی مگر بے حد مزیدار بات کہہ دی- میرا خیال ہے میں اس کی تیاری شروع کر دوں- ادھر عابدی آئے- ادھر اسے دولہا بنا کر صبا کے ساتھ بٹھا دوں اور خود نکاح پڑھانے لگوں-"

"بھائی ---" صبا نے احتجاج بھرے لہجے میں اسے دیکھا- "آپ بھی-"

"ویسے صبا ---" جعفری سنجیدہ ہو گیا- "اس میں حرج بھی کیا ہے- یقین مانو اگلے پچھلے

سارے جنموں کے گلے شکوے دھل جائیں گے- ایک نئے دن' ایک نئے سفر کے آغاز پر پچھلی ساری کلفتیں دم توڑ دیں گی بلکہ دم دبا کر بھاگ جائیں گی- یوں بھی اس گھر میں مدتوں بعد رونق لگ جائے گی-''

''بھائی--- آپ تو سنجیدہ ہی ہو گئے-'' صبا نے حیرت سے آنکھیں پٹ پٹائیں-

''اچھا چلو- ہم دونوں باپ بیٹی تو پارٹی ہیں- شاہینہ سے فیصلہ کروا لیتے ہیں- وہ تو نیوٹرل ہے- تم بولو شاہینہ-'' جعفری نے شاہینہ کو مخاطب کیا جو بڑی دلچسپی سے یہ ساری صورتحال انجوائے کر رہی تھی- ''صبا اور عابدی کے لئے اس گھر میں ایک انوکھا ہلا گلا ہونا چاہیے یا نہیں؟''

''بالکل ہونا چاہیے انکل-'' وہ تڑ سے بولی اور صبا نے سر پکڑ لیا-

''جو کچھ ماضی میں ہو چکا ہے اس کی تلافی بے شک نہ ہو مگر اس پر مٹی ڈالنے کا یہ بہترین طریقہ اور موقع ہے-''

''ارے واہ---'' صبا اس پر الٹ پڑی- ''بی جمالو تم بھی ان کے ساتھ مل گئیں-''

''آنٹی---'' شاہینہ نے اس کے دونوں ہاتھ بے حد محبت سے تھام لئے- ''آپ ہم سب کے لئے اتنی ہی بلکہ شاید اس سے بھی زیادہ محترم اور پیاری ہیں جتنے انکل عابدی- آپ کو خوش دیکھ کر ہم بچوں کے دن بھی رنگوں اور خوشبوؤں سے بھر جائیں گے- اور ایک بات اور--- آپ ہاں کریں یا نہ--- یہ کام تو بہرحال ہو کر رہے گا--- کیوں انکل؟''

''بالکل---'' جعفری نے بچوں کی طرح بڑی شدت سے سر ہلایا تو صبا کی ہنسی نکل گئی- ''بھائی آپ تو ان بچیوں سے بھی بڑھ گئے-''

''بوڑھا بچہ ایک برابر ہوتا ہے بی بی-'' جعفری بڑی بوڑھیوں کے انداز میں بولا- ''میں بے شک بوڑھا نہیں ہوا تاہم بچہ بننے میں دیر نہیں لگاتا اور یاد رکھو' اپنی مرضی سے جو بندہ بچہ بن جانے پر قادر ہو وہ اصلی بوڑھے سے زیادہ ضدی ہوتا ہے- تم ہاں کرو یا نہ' شاہینہ کی بات پکی ہے کہ اب یہ تقریب نکاح مکرر تو ہو کر رہے گی-''

''بھائی---'' صبا کہتی ہی رہ گئی مگر وہاں کون اس کی سنتا- سب لوگ تالیاں پیٹ رہے تھے- شور مچا رہے تھے- وہ شرما شرما کر بے حال ہو گئی- آخر اسے خاموش ہوتے ہی بنی- پھر اس نے ایک ایسی بات کہہ دی جس نے جعفری کے تن بدن میں چنگاریاں سی بھر دیں-

''بھائی--- آپ مجھ پر تو حکم لگا بیٹھے- اپنے اس دوست سے بھی پوچھ لیا ہوتا؟'' اس کے لہجے میں طنز بھی تھا اور اداسی بھی-

''کیا پوچھوں اس سے-'' ایک دم جعفری بھڑک اٹھا- ''یہ پوچھوں کہ بھلے مانس اور کتنی دیر

تو میری پھولوں جیسی بہن کو اپنے نام نہاد تجربے کی صلیب پر انتظار کی میخیں ٹھونک کر لٹکائے رکھے گا- یہ پوچھوں کہ اس نے اب تک تم سے الگ رہ کر کتنی راتیں جاگ کر گزاریں اور آگے کتنے رت جگوں کا زہر پینے کی تیاری کر رہا ہے- یا یہ پوچھوں کہ اگر وہ تم سے الگ رہ کر خوش ہے تو کبھی کبھی تمہارا ذکر آنے پر بچوں کی طرح سسک کیوں اٹھتا ہے- سگریٹ کے دھوئیں کے بہانے آنکھوں میں اترنے والی نمی کو فراق کے کڑوے گھونٹوں کی طرح رک رک کر کیوں نگلتا ہے--- اور یا اس سے یہ پوچھوں کہ اس مرتبہ جاتے ہوئے وہ تم سے مل کر کیوں نہیں گیا؟ فون پر بھی اطلاع کیوں نہ دے سکا- اور مجھ سے یہ کہہ کر کیوں گیا کہ جعفری یہ میرا آخری داؤ ہے- ہاروں یا جیتوں' مگر واپس آ کر میں اپنی صبا کے پاس لوٹ جاؤں گا- اب اس کے بغیر میری زندگی کا چمن مردہ ہوتا جا رہا ہے- میں اس کو اب مزید دکھ نہیں دے سکتا' مزید رلا نہیں سکتا' مزید توڑ پھوڑ نہیں سکتا- صرف اتنے دنوں کی مہلت لے کر گیا ہے وہ مجھ سے جتنے دنوں کا یہ سیمینار ہے صبا--- اور سنو--- ایک اور بھید تمہیں بتاؤں حالانکہ اس نالائق نے مجھے اس کے بتانے سے منع کر رکھا ہے مگر آج میں مجبور ہو رہا ہوں تمہیں یہ بتانے کے لئے کہ اس کا ہر دوسرے دن فون آتا ہے' صرف یہ جاننے کے لئے کہ اس کی صبا کیسی ہے؟ اس پر بھی تم کہتی ہو کہ میں اس سے پوچھ لوں-''

شاہینہ اور مائرہ کی حالت تو خیر' صبا کا یہ حال تھا کہ وہ بے یقینی کے عالم میں حیرت سے منہ کھولے جعفری کو دیوانوں کی طرح یوں تک رہی تھی جیسے خواب دیکھ رہی ہو- اس کی آنکھوں میں بڑے بڑے آنسو یوں چھلکنے کو بے تاب تھے جیسے وہ اس کے پلک جھپکنے کے منتظر ہوں-

''بھائی---'' پلک جھپک گئی- آنسو چھلک گئے- آواز لرز گئی- یقین آ گیا-

''ہاں صبا---'' جعفری نے بڑے فخر سے اس کی طرف دیکھا- ''تم ہی نہیں وہ بھی تم سے دیوانوں کی طرح پیار کرتا ہے- بس اس نے ایک فضول سے کام کو انا کا مسئلہ بنا لیا اور اسے میں انا بھی نہیں کہہ سکتا- یہ اس کا شوق تھا جو اسے عارضی طور پر تم سے پرے لے گیا- مسافر بھی کبھی پانی کی تلاش میں اپنے کارواں سے بچھڑ بھی تو جاتے ہیں- پھر پانی ملے نہ ملے واپس کارواں ہی کی طرف لوٹتے ہیں--- تم اس کا وہ کارواں ہو صبا' جس کی طرف وہ پانی لے کر نہ سہی' خود دیوانہ وار لوٹ آئے گا-''

''بھائی---'' صبا بے قابو ہو کر ہچکیوں سے رو پڑی- ''بس کیجئے--- بھائی آپ کو کیا معلوم--- میں عابدی کی محبت کو پہلے دن سے جانتی ہوں مگر اس کا رویہ مجھے اس گواہی کی تلاش میں اس سے دور لے گیا جو آج آپ نے دے دی- میں جانتی ہوں بھائی--- وہ مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں مگر--- مگر---''

"بس آنٹی---بس-" مائرہ نے آگے کھسک کر اسے باہوں میں بھر لیا- وہ بچوں کی طرح مائرہ کے سینے میں چھپ کر سسکتی رہی- جعفری نے آنکھیں زور سے بھینچ لیں- ایسے جذباتی لمحوں میں پتھر بھی بھر بھرے ہو جاتے ہیں- جعفری تو انسان تھا- شاہینہ نے صبا کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور دوسرا بازو اس کے گرد حمائل کر لیا- دو ننھی بچیاں اپنی آنٹی کو یوں پروں میں چھپا رہی تھیں جیسے اس کا ٹوٹتا ہوا حوصلہ ان کو بے اماں کرنے جا رہا ہو-

کچھ دیر بعد جب دل کا غبار نکل گیا' گلے شکوے ڈھل گئے' بینائی نکھر گئی تو وہ سب تازہ دم ہو بیٹھے-

جعفری نے سگار سلگایا اور اس کے کش لیتے ہوئے شاہینہ کی جانب دیکھا جو کسی سوچ میں گم تھی-

"شاہینہ-"

"جی انکل-" وہ جعفری کی آواز پر چونکی-

"مہمان نوازی کرو بھئی- ہم دو بھائی بہن تم لوگوں کی چائے کے حق دار بھی نہیں ہیں کیا؟"

"ابھی لائی انکل-" وہ بستر سے اتر آئی-

"صرف چائے لانا- کہیں ساتھ مٹھائی بھی لے آؤ- وہ ہم نکاح کے موقع پر ہی کھائیں گے!" مائرہ نے شرارت سے صبا کی طرف دیکھا-

صبا نے اسے گھور کر دیکھا- منہ سے کچھ نہ بولی-

"نیم خاموشی نیم رضامندی-" شاہینہ نے بھی شوخی سے صبا کی طرف دیکھ کر کہا- "کیوں انکل-"

"مجھے تو مکمل ہی رضامندی لگتی ہے-" وہ بھی ان کے ساتھ مل گیا-

"میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں-" صبا نے مسکراہٹ دباتے ہوئے قدم بستر سے اتارے-

"چائے نہیں پئیں گی آنٹی؟"

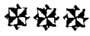
"تم لوگ ٹھونسو- میری چائے میرے کمرے میں بھجوا دینا-" وہ کہہ کر اٹھی اور چپل پہن کر کمرے سے نکل گئی-

مائرہ اور جعفری کا مشترکہ قہقہہ دور تک اس کا پیچھا کرتا رہا اور یہ قہقہہ تو اس کے اندر بھی اب گدگدی جگا رہا تھا جس کی لہریں اس کی روح تک میں فرحت پیدا کر رہی تھیں-

تقریباً دس منٹ بعد شاہینہ اس کے لئے چائے لے کر آئی تو وہ بستر پر کمبل میں دبکی میگزین دیکھ رہی تھی-

"کوئی بکواس نہیں-" صبا نے اسے چائے کا کپ تپائی پر رکھنے کا اشارہ کیا اور تنبیہہ کے انداز میں اسے گھور کر بولی- "چلو بھاگ جاؤ-"

شاہینہ کھلکھلا کر ہنسی اور لوٹ گئی- جاتے ہوئے اس نے دروازہ بند کر دیا- مسکراتے ہوئے صبا نے کپ اٹھا کر ہونٹوں سے لگایا تو گزشتہ رات کا خوف اس کے قلب و ذہن کے کسی گوشے میں بھی موجود نہیں تھا- آنے والے وقت کی نوید نے اسے یوں جکڑ لیا کہ وہ ہر اندیشے سے بے نیاز ہو گئی-



رات خیریت سے گزر گئی-

صبا صبح سویرے اپنے گھاس بھرے لان میں چہل قدمی کی عادی تھی- آج بھی وہ منہ اندھیرے ہی اٹھ گئی- سارا گھر ابھی تک محو خواب تھا- وہ خنکی کی پرواہ کئے بغیر سلیپنگ سوٹ پر گاؤن پہن کر کمرے سے نکلی اور نیچے ہال میں چلی آئی-

ہال سے باہر برآمدے میں نکلی اور لان کی گھاس پر ننگے پاؤں چہل قدمی کرنے لگی- سردی ابھی تک ٹھیک ٹھاک تھی- اوس میں بھیگی گھاس نے بدن میں کپکپی اور گدگدی کا عجیب سا ملا جلا احساس بھر دیا- وہ گہرے گہرے سانس لیتی ہوئی ادھر سے ادھر پھرتی رہی- پھر اسے احساس ہوا کہ لان کے اس حصے میں جو سکندر کے کمرے کے عقب تک پھیلا ہوا ہے' کوئی اور بھی موجود ہے- اس کا خیال تھا کہ جعفری ہو گا جو یقیناً صبح کی ورزش میں مصروف ہو گا- دھیرے دھیرے سے چلتی ہوئی وہ اس طرف نکل آئی- صبح کاذب کی نیلاہٹ میں پورچ میں جلتے بلب کی روشنی دور تک پھیل رہی تھی- گیٹ پر موجود چوکیدار نے کھنکار کر اسے اپنی مستعدی سے آگاہ کیا- اس پر ایک اچٹتی نظر ڈال کر صبا نے لان کے اس عقبی حصے میں قدم رکھ دیا اور ٹھٹک گئی- سامنے سکندر اس کی طرف پشت کئے پاؤں ممکنہ حد تک پھیلائے دونوں ہاتھ کولہوں پر رکھے گہرے گہرے سانس لے رہا تھا- اس کا سر سینے پر جھکا ہوا تھا- وہ اپنی جگہ پر رک گئی-

اسی وقت سکندر نے اس کے قدموں کی معمولی سی سرسراہٹ بھی محسوس کر لی- اس نے آہستہ سے پاؤں اکٹھے کئے- رخ بدلا اور صبا کی طرف دیکھا-

صبا کے سارے بدن کو ایک جھٹکا سا لگا- نیم اندھیرے میں بلی جیسی بلکہ اس سے بھی زیادہ انگاروں جیسی دہکتی آنکھوں سے سکندر اسے یوں گھور رہا تھا جیسے کوئی درندہ اپنے شکار کو- پھر ایک دم وہ جلتے ہوئے الاؤ سرد ہو گئے-

سکندر کا تیز تیز چلتا ہوا سانس جو ہلکی ہلکی غراہٹ خارج کر رہا تھا' اچانک نارمل ہو گیا- اس کے ہونٹوں پر ایک دوستانہ مسکراہٹ ابھری-

''میڈم---آپ---اس وقت اور یہاں؟''

''ہاں---وہ---وہ---'' وہ ہکلائی پھر سنبھل گئی-''میں صبح کی تازہ ہوا میں تھوڑی دیر گزارنے کی عادی ہوں- یونہی ادھر نکل آئی-''

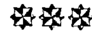
''یہ تو صحت کے لئے بہت اچھی عادت ہے-'' وہ اپنی جگہ سے ایک انچ بھی آگے نہ بڑھا- بس دونوں ہاتھ کولہوں پر رکھے باتیں کرتا رہا-

''تم ورزش کرو- میں چلتی ہوں-'' صبا نے مزید وہاں رکنا مناسب خیال نہ کیا-

''یس میڈم---'' وہ سر کو خم کر کے خادمانہ انداز میں بولا اور دوبارہ رخ پھیر لیا- صبا یہ دیکھے بغیر وہاں سے لوٹ آئی کہ رخ بدلتے ہی سکندر کی آنکھوں میں پھر سرخ سرخ آگ کے شعلے دہک اٹھے تھے- اس کا چہرہ خشونت سے بھر گیا اور گلے کی رگیں ابھر کر تن گئی تھیں- اس نے سر جھکا کر ٹھوڑی سینے پر ٹکائی اور اپنے پیروں کو گھورتے ہوئے پھر گہرے گہرے سانس لینے لگا-

صبا زیادہ دیر لان میں رک نہ سکی- اسے عجیب سی وحشت کا احساس ہو رہا تھا- سکندر کی آنکھیں بار بار اس کے تصور میں ابھرتیں اور وہ لرز سی جاتی- جھرجھری لے کر وہ ان آنکھوں کی دہشت سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کرتی مگر خاصی دیر تک وہ ان کی تپش سے دور نہ جا سکی- بالآخر وہ اپنے کمرے میں آئی اور سیدھی باتھ روم میں گھس گئی- گرم پانی کی پھوار نے اسے نارمل ہونے میں بے حد مدد دی-

پھر اس نے سکندر کا خیال ذہن سے جھٹک دیا- اس کی آنکھوں کی چمک یا تپش کا اس سے کیا تعلق؟ کوئی بھی شخص کسی بھی انوکھی یا غیر معمولی صلاحیت کا حامل ہو سکتا ہے- شاید وہ سانس روکنے کی مشق کر رہا ہوگا- اس مشق کے دوران چہرہ اور آنکھیں بے اختیار سرخ ہو کر رہ جاتی ہیں- اس نے سوچا اور اس کا دماغ اور دل مطمئن سے ہو گئے-



آفس پہنچتے ہی سب سے پہلے سکندر نے ہوٹل دی ڈائمنڈ کا نمبر ملایا- اسے یقین تو نہیں تھا تاہم ایک مبہم امید ضرور تھی کہ شاید ارشاد وہیں موجود ہو- اس کا اندازہ درست نکلا- ارشاد اس وقت اپنے فون کے پاس ہی موجود ملا-

''ہیلو ارشاد-'' سکندر نے سامنے رکھے اخبار کے فرنٹ پیج پر نمایاں سرخیوں کے ساتھ شائع شدہ فیروزہ کے قتل کی خبر اور تصویروں پر نظریں دوڑاتے ہوئے کہا-

''ارے سکندر صاحب' آپ---'' وہ گلہ کرنے کے انداز میں بولا-''اچھے دوست ہیں آپ ہمارے- اب جا کر فون کر رہے ہیں-''

''میں رات ہی پہنچ جاتا ارشاد-'' سکندر نے جلدی سے کہا-''مجھے نیلم نے روک دیا- وہ نہیں چاہتی تھی کہ تمہاری پریشانی میں اضافہ ہو-''

''پریشانی تو انتہا کی ہے سکندر صاحب-'' ارشاد فکرمندی سے بولا-''میں رات سے یہیں موجود ہوں- ہیڈ ویٹر کو پولیس والے ساتھ لے گئے تھے- اس پر تھرڈ ڈگری کے بے پناہ استعمال نے بھی کوئی نتیجہ نہیں دیا- وہ یہی کہتا ہے کہ دوبارہ وہ کمرے کی طرف گیا ہی نہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ میرے اور اس کے علاوہ کسی کو یہ معلوم نہیں تھا کہ مس فیروزہ کس کمرے میں ٹھہرائی گئی ہے-''

''تو پھر تمہاری جان کیسے چھوٹی؟'' سکندر نے پوچھا-

''پورا اسٹاف گواہ ہے کہ میں ڈانس شو کے بعد ان کے ساتھ رہا- ہال کی ترتیب بدلوانے اور ہاشم صاحب کے لئے ڈنر کا انتظام کرنے میں گھنٹہ بھر گزر گیا- اس عرصے میں ایک پل کے لئے بھی میں وہاں سے دائیں بائیں نہیں ہوا-''

''چلو---یہ بھی بچت ہو گئی-''

''جی ہاں سکندر صاحب مگر ابھی تک اس درندے کا کوئی کلیو نہیں مل سکا- حیرت انگیز طور پر وہ اپنے پیچھے کوئی نشان نہیں چھوڑتا-''

''بس---یہ جنونی ایسے ہی محتاط ہوتے ہیں ارشاد- بہرحال اگر میری طرف سے کسی مدد کی ضرورت ہو تو---''

''ارے نہیں سکندر صاحب- آپ کے بھائی کے ہاتھ بہت لمبے ہیں- پھر ہاشم صاحب بھی کوئی معمولی آدمی نہیں ہیں- خیریت ہے؟! خیریت ہے- بس ذرا ہوٹل کی ریپوٹیشن کا معاملہ فکرمند کر رہا ہے- بہرحال سکیورٹی بڑھا بھی دی گئی ہے اور سخت بھی کر دی گئی ہے- آپ کہئے نیلم کے ساتھ وقت کیسا گزرا؟'' اس کا لہجہ معنی خیز ہو گیا-

''تم مصیبت میں تھے اور میں عیش کرتا---یہ کیا دوستی ہوئی ارشاد؟'' سکندر نے مکھن کی

ڈھلوان پر ارشاد کولا کھڑا کیا۔

''یعنی؟'' وہ حیرت سے بولا۔

''بھائی میرے' نیلم کا موڈ بھی میرے ساتھ ساتھ آف ہو گیا۔ ہم دونوں نہا لے
ہی الگ ہو گئے۔ میں گھر لوٹ گیا تھا۔''

''ارے---'' ارشاد نے بڑی تیزی سے کہا۔ ''آپ نے تو مجھے نہال کر دیا
صاحب۔ کون ایسے کرتا ہے۔ پھر نیلم جیسی لڑکی کے ساتھ رہ کر۔''

''ارشاد--- دوستی اتنی کم معیار نہیں ہونی چاہیے۔ جیسے لوگوں سے اب تک تمہارا
رہا ہے میں ان سے بہت مختلف ہوں۔''

''وہ تو میں نے دیکھ لیا سکندر صاحب۔'' ممنونیت ارشاد کے ہر ہر لفظ سے ٹپک رہا

''بہر حال--- آپ کا یہ رویہ عمر بھر میرے دل پر نقش رہے گا۔ ہاں۔ آپ کے لئے ایک
مشورہ ہے۔''

''ہاں ہاں' کہو۔''

''ابھی چند روز ادھر مت آیئے گا۔ ذرا پولیس کا ظاہری جوش ٹھنڈا ہو لے۔ ویسے م
کنگز وے میں فون کر کے آپ کے لئے وہاں کمرے کا کہہ دیتا ہوں۔ جب تک ادھر موسم
ہے آپ وہاں چلے جایئے گا۔''

''ایسی بھی کیا مصیبت میں جان آئی ہوئی ہے یار۔''

''ارے نہیں سکندر صاحب' وہاں کا منیجر میرا دوست ہے۔ اس کے ذاتی استعما
ہوٹل کے تین کمرے رہتے ہیں جن میں سے ایک میرے نام پر لاک رہتا ہے۔ آپ وہا
صرف میرا نام لے دیجئے گا۔ کمرے کی چابی آپ کو مل جائے گی۔ چابی واپس نہ کیجئے گا
تک چاہیں اپنے پاس رکھئے گا۔''

''شکریہ ارشاد۔'' سکندر نے ممنونیت سے کہا۔

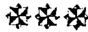
''شرمندہ نہ کیجئے سکندر صاحب۔ میں نے آپ کو آج سے بالکل ہی اپنے کسٹمرز
سے نکال دیا ہے۔''

''اور کس شمار و قطار میں رکھ لیا ہے؟'' سکندر ہنسا۔

''دوستوں کی فہرست میں جو بے حد مختصر ہے!''

''ایک بار پھر شکریہ ارشاد--- گڈ ڈے۔''

سکندر نے رابطہ منقطع کر دیا۔ موبائل میز پر ڈالا اور کام کی طرف متوجہ ہو گیا۔



مائرہ' شاہینہ کے ساتھ کچن میں تھی۔ بہت دنوں بعد اس کا موڈ بنا اور وہ شاہینہ کا ہاتھ بٹانے
وہاں چلی آئی۔

صبا ڈرائنگ روم میں بیٹھی ٹی وی پر انگلش فلم سے محظوظ ہو رہی تھی کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

صبا نے آواز ہلکی کی۔ ریموٹ ایک طرف ڈالا اور قالین سے اٹھ کر فون کی طرف بڑھی۔

''ہیلو---'' اس نے ریسیور اٹھایا اور پاس ہی صوفے پر بیٹھ گئی۔

''ہیلو جان۔'' ایک تیز سرگوشی نے اس کی سماعت کو چیر کر رکھ دیا۔

ایک جھٹکے سے صبا کا سارا جسم تن گیا۔

''تم---'' وہ بے اختیار بولی۔

''ہاں--- تم کیا سمجھتی تھیں' میں تمہیں تلاش نہ کر سکوں گا۔'' وہ تمسخر سے ہنسا۔

''تم--- تم---'' صبا ہکلا کر رہ گئی۔

''فون بند مت کرنا۔'' اچانک اس سرگوشی میں خوفناک لہجے نے کروٹ لی۔ ''ورنہ میں
تک چلا آؤں گا۔ دھیان سے میری بات سنو۔''

یوں لگا لرزتی ہوئی صبا پر کسی نے سحر کر دیا ہے۔ وہ ریسیور کان سے لگائے سن ہوتی چلی

''آج کا اخبار دیکھا؟''

جواب میں صبا کے حلق سے آواز تو کیا نکلتی' محض اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی۔

''ضرور دیکھا ہو گا۔ ٹی وی بلیٹن بھی سنتی رہو۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہارا بھی یہی حال کروں۔
لئے ایک بار--- صرف ایک بار مجھ سے مل لو۔''

''نہیں--- نہیں۔'' صبا نے شدت سے نفی میں سر ہلایا۔

''تو پھر تیار رہو۔ میں چاہتا تھا تمہیں زندہ چھوڑ دوں۔ صرف پیار کروں۔ مگر تم چاہتی ہو
ہی سہی۔ یہ یقین رکھو کہ میں جب چاہوں گا تمہیں دبوچ لوں گا۔ میں تمہارے اتنا قریب
تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔ خوب غور کر لو۔ جلد بازی مت کرو۔ میں آج رات تمہیں پھر فون

کروں گا- تمہارا جواب ہاں میں ہونا چاہیے- اپنے کمرے میں فون فری رکھنا- میں ٹھیک دس بجے
فون پر تمہارا جواب سننا چاہوں گا اور یہ خیال رکھنا' اگر تمہارا جواب نفی میں ہوا تو کل کی رات
تمہاری زندگی کی بھیانک ترین رات ہوگی- میں اب زیادہ صبر نہیں کر سکتا- تمہارا گدرایا ہوا بدن
میرے لئے امتحان بنتا جا رہا ہے اور میں فیل ہونے کا عادی نہیں ہوں- سمجھیں-''

کھٹاک سے فون بند کر دیا گیا-

صبا کے ہاتھ سے ریسیور لڑھک گیا- خوف کے مارے اس کا رنگ سرسوں کی طرح زرد
پڑ چکا تھا- وہ بے جان سی ہو کر صوفے کی پشت سے ٹک گئی-

''لیجئے آنٹی گرما گرم پکوڑے اور چائے تیار ہے-'' مائرہ پلیٹ اٹھائے داخل ہوئی تو چونک
اٹھی- اس کے پیچھے پیچھے شاہینہ ہاتھوں پر چائے کا ٹرے لئے آ رہی تھی- ان دونوں نے صوفے پر
بے سدھ حالت میں پڑی صبا کی طرف دیکھ کر پلیٹ اور ٹرے میز پر رکھی اور اس کی طرف لپکیں-

''آنٹی--- آنٹی---'' مائرہ نے اس کو باہوں میں بھر لیا- شاہینہ جلدی سے اس کے
ہاتھ ملنے لگی-

''وہ--- وہ--- اس کا فون---'' صبا بے ربط سے انداز میں بولی-

''ارے---'' مائرہ چونکی- ''کیا اسی خانہ خراب کا فون پھر آیا تھا؟''

اور جواب میں صبا سر ہلا کر رہ گئی-

''تو آپ نے اٹھایا ہی کیوں؟'' مائرہ جھلا گئی- ''پاپا نے سختی سے منع کر رکھا ہے کہ آپ فون
اٹنڈ نہیں کریں گی-''

''میں نے سوچا--- میں نے سوچا---'' صبا ہکلا کر رہ گئی-

''اچھا بس- فون ہی تھا ناں- کونسا وہ ریسیور سے خود باہر نکل آیا- آپ تو آنٹی بس
ہی ہاتھ پاؤں چھوڑ بیٹھیں-''

''اس نے خود آنے کے لئے کہا ہے-'' صبا نے بے چارگی سے بتایا-

''تو آ جائے-'' اچانک مائرہ کا دماغ جیسے الٹ گیا- ''آ جائے وہ حرامزادہ--- اگر
نہ مار دوں تو جعفری کی بیٹی نہیں- میں نے بڑے بڑے درندوں کو ادھیڑا ہے آنٹی---
پاؤں پر چلنے والا جانور ہے-''

''اس کی آواز میں نجانے کیا ہے مائرہ- میری جان ہوا ہو جاتی ہے-'' صبا بے حد خوفزدہ
تھی-

''اچھا بس--- ابھی پاپا آتے ہوں گے- آپ بالکل مطمئن رہیں- ان کو بتاتے ہیں

پھر فون آیا تھا-'' مائرہ نے سی ایل آئی کو چیک کیا- وہاں جو نمبر نظر آیا وہ ابھی پانچ منٹ پہلے کا تھا-
اس نے انکوائری کا نمبر ملایا-

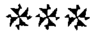
''ہیلو-'' دوسری جانب سے ایک نسوانی آواز ابھری تو مائرہ نے کہا- ''دیکھئے ابھی ابھی
ہمارے فون پر کسی نے رابطہ کیا ہے- ذرا چیک کر کے بتائیے کہ یہ فون کہاں سے کیا گیا؟'' پھر اس
نے اپنا فون نمبر دہرایا-

''یہ کال کشمیر روڈ کے پبلک فون بوتھ سے کی گئی ہے-'' آپریٹر نے بتایا اور مائرہ نے شکریہ
کہہ کر فون بند کر دیا-

''میرا اندازہ درست تھا- فون پبلک بوتھ سے کیا گیا ہے-'' مائرہ نے صبا کی سوالیہ نظروں
کے جواب میں بتایا- صبا مزید نڈھال سی ہو گئی-

شاہینہ نے اسے سہارا دے کر اٹھایا اور واپس قالین پر لا بٹھایا- پھر تھوڑی دیر کی تسلی تشفی
سے صبا کو اس قدر ضرور بہلا لیا کہ وہ چائے کا کپ پی سکے-

اسی وقت باہر جعفری کی گاڑی رکنے کی آواز آئی اور ایکدم وہ تینوں یوں باحوصلہ ہو گئیں
جیسے ملٹی وٹامن ٹانک نے ان کے اندر ہمت و طاقت بھر دی ہو-



''میں نے مجبور ہو کر آپ کو فون کیا ہے باقی صاحب-'' جعفری نے بڑے ٹھہرے ہوئے
لہجے میں کہا- ''بات اگر صرف اتنی ہی ہوتی کہ فون آ رہے ہیں تو میں ٹیلی فون والوں سے رابطہ کرتا
مگر یہاں سیدھی سیدھی جان سے مار دینے کی دھمکی ہے اور یہ بھی عیاں ہو گیا ہے کہ فون کرنے
والا وہی شخص ہے جو اس سے پہلے دو بہیمانہ قتل کر چکا ہے-''

''میں آپ کی بات سمجھ رہا ہوں جعفری صاحب-'' ایس پی عبدالباقی نے سنجیدگی اور
متانت سے جواب دیا- ''میں فوری طور پر آپ کی کوٹھی پر دو سیکیورٹی گارڈ متعین کر رہا ہوں- آپ کو
ملنے والے فون نے تفتیش میں جان ڈال دی ہے- آپ سے فون پر بھی رابطہ رہے گا اور میں کوشش
کروں گا کہ اب جس طرح بھی ہو سکے اس قاتل کو ٹریس کر لیا جائے- حالانکہ فون کرنے کے لئے
وہ پبلک بوتھ استعمال کرتا ہے اور اس راستے سے اس تک پہنچنا بہت مشکل ہے مگر ہم اپنی سی کوشش
کر کے رہیں گے- آپ بے فکر رہئے' میں آپ کی طرف سے قطعاً غافل نہیں رہوں گا- ہاں---
میرے ایمرجنسی اور موبائل نمبر تو آپ کے پاس ہیں ناں؟''

"جی ہاں۔نسرین کیس کے دوران مجھے آپ نے دیئے تھے۔"

"تو بس۔دن ہو یا رات۔آپ کسی بھی وقت میری ضرورت محسوس کریں تو گریز نہ کیجئے گا۔میں ہر طرح سے حاضر ہوں۔"

"شکریہ باقی صاحب۔میں بے حد ممنون ہوں۔"

"یہ تو ہمارا فرض ہے جعفری صاحب۔اور ہاں' آپ کے متعلقہ تھانے میں فون کر کے میں ابھی آپ کی طرف سے رپٹ درج کرا دیتا ہوں۔وہیں سے آپ کو گارڈ بھی مہیا کر دیئے جائیں گے۔"

"بہت شکریہ باقی صاحب۔اللہ حافظ۔" جعفری نے فون بند کر دیا۔

صبا کی حالت اب کافی بہتر تھی۔شاہینہ اور مائرہ اس کے پاس ہی قالین پر بیٹھی تھیں۔جعفری اٹھ کر ان کے قریب چلا آیا اور سنگل سیٹ صوفے پر براجمان ہو گیا۔

"بھائی۔پولیس کی مدد لے کر ہم نے غلطی تو نہیں کی؟" صبا نے پریشان لہجے میں پوچھا۔

"کوئی غلطی نہیں کی۔" جعفری نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔"ہم لوگ پولیس کو بے خبر رکھ کر اس کے ہاتھوں بلیک میل ہوتے تو غلط تھا۔اب وہ جو بھی کرے گا آسانی سے نہ کر سکے گا۔اور ایک بات تم دل سے نکال دو کہ وہ یہاں آ کر تمہیں کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے۔یہ گھر ہے جعفری کا۔قلعہ ہے یہ۔میں موجود نہ بھی ہوں تو اس کی دیواریں تمہاری حفاظت کی ضامن ہیں صبا۔"

"بھائی۔میں تو آپ کے لئے پریشانی کا باعث ہی بن گئی۔" صبا کی آواز بھرا گئی۔

"میں اب مار بیٹھوں گا۔" جعفری نے خفگی سے کہا۔"ایسی غیریت کے لئے سارا جہان پڑا ہے۔بھائی بھی کہتی ہو اور۔۔۔" وہ خاموش ہو گیا۔فون کی گھنٹی نے اس کی بات میں رکاوٹ ڈال دی۔وہ اٹھ کر خود فون تک گیا۔

"ہیلو۔۔۔" اس نے ریسیور اٹھایا۔

"خاموشی سے میری بات سنو۔۔۔جواب اس طرح دینا کہ یہ پتہ نہ چلے تم کس سے بات کر رہے ہو؟" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ہاں ہاں' سن رہا ہوں۔" جعفری کا سارا جسم تن گیا۔ماتھے پر ہلکی سی شکن ابھری جو اپنی جگہ پر ٹھہری گئی۔"بولو۔"

"اخبارات میں کیبرے ڈانسر فیروزہ کے بارے میں پڑھا تم نے؟"

"ہاں۔۔۔"

"کوئی خاص بات نوٹ کی؟"

"نہیں۔" جعفری نے صاف گوئی سے کہا۔

"اگر تم فون پر لمبی بات کرنے سننے کے بجائے مجھ سے آ کر مل لو تو کیا مضائقہ ہے؟"

"کہاں؟" جعفری نے آواز دبالی۔

"میں اس وقت نیشنل پارک میں موجود ہوں اور اپنے موبائل سے بات کر رہا ہوں۔تم اگر آسکو تو میں تمہیں گیٹ پر ہی ملوں گا۔"

"گھر میں کسی کو علم نہ ہونے پائے۔"

"تم بے فکر رہو۔میں بس پندرہ منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔" جعفری نے فون بند کر دیا۔

"کون تھا پاپا؟" مائرہ نے اسے لوٹتے دیکھ کر جلدی سے پوچھا۔

"ایک ڈیلی گیشن آنے والا تھا بیرون ملک سے۔اسی کے بارے میں دفتر سے فون تھا۔میں ان کو ہوٹل میں ٹھہرانے جا رہا ہوں۔ثمین چھٹی پر ہے۔وہ ہوتی تو سارے انتظامات آرام سے ہو جاتے۔بہر حال تم لوگ گھبرانا مت۔میں چوکیدار کو الرٹ کر جاؤں گا اور پوری احتیاط کرنا کہ فون کسی کا بھی آئے تم میں سے کوئی اٹنڈ نہیں کرے گا۔مائرہ! میں نے بات کرنا ہو گی تو تمہارے موبائل پر کروں گا۔اور ضرورت پڑے تو مجھے موبائل پر ہی کال کر لینا۔"

"جی پاپا۔"

"صاحب۔پولیس والے باہر آئے کھڑے ہیں۔" چوکیدار نے دروازے پر نمودار ہو کر کہا تو جعفری اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"چلو' یہ بھی اچھا ہوا۔اب تم لوگ بے فکری سے بیٹھو۔ان کو ڈیوٹی سمجھا کر ہی بھیجا گیا ہو گا۔ان گارڈز کی موجودگی میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔" وہ ان کو تسلی دے کر چوکیدار کے پیچھے باہر نکلا۔

گیٹ کے پاس اندر کی طرف دو پولیس والے اپنی جھکی ہوئی رائفلیں تھامے اس کے منتظر تھے۔جعفری نے ان سے علیک سلیک کی۔وہ اس سے ضروری موقع سمجھ کر کوٹھی کے باہر اور اندر دو مقامات پر جا کر ڈھیلے ڈھالے کھڑے ہو گئے۔بیزاری ان کے چہروں پر نحوست کی طرح چھائی ہوئی تھی۔

"ان کو وقفے وقفے سے چائے پانی دیتے رہنا ورنہ کھڑے کھڑے سو جائیں گے۔" جعفری نے چوکیدار کو تاکید کی۔

"جی صاحب۔" وہ مونچھوں میں مسکرایا اور جعفری اپنی گاڑی میں کوٹھی سے نکل گیا۔

ممکنہ حد تک تیزی سے وہ پندرہ کے بجائے بارہ منٹ ہی میں نیشنل پارک کے گیٹ پر پہنچا

اور ذرا سی گردن جھکا کر کھڑکی سے باہر دیکھا۔ چھوٹا سا سفری بیگ ہاتھ میں تھامے تیزی سے کوئی آگے آیا اور فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔

"چلو۔۔۔ جلدی۔" اس نے بیٹھتے ہی کہا۔ "کسی ایسی جگہ جہاں ہم اپنے جاننے والوں سے بچ کر کچھ دیر گفتگو کر سکیں۔"

"یہ تم ریسرچ کرتے کرتے جاسوسی کب سے کرنے لگے۔" جعفری نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے طنز سے کہا۔ "بڑے جیمز بانڈ ہو رہے ہو۔"

"ابھی تھوڑی دیر بعد تمہارا بھی یہی حال ہوگا۔" وہ پی کیپ کو چہرے پر جھکائے سیٹ پر نیم دراز ہو گیا۔ "یہ بولو کس طرف جا رہے ہو؟"

"وائلڈ پارک۔ وہ زیر تعمیر جگہ ہے۔ وہاں کم سے کم لوگ ہو سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے مختصراً کہا اور خاموشی چھا گئی۔

جعفری ابھی تک نہ سمجھ پایا تھا کہ عابدی نے اسے اس طرح کیوں بلوایا ہے؟ یہ تو اس کے علم میں تھا کہ عابدی آج رات تک آنے والا ہے مگر وہ دوپہر ہی کو آدھمکا تھا اور اب ایسی حرکتیں کر رہا تھا جو اسے بہت کچھ سوچنے پر آمادہ کر رہی تھیں مگر عابدی کو وقت سے پہلے بلوا لینا بہت مشکل تھا اس لئے وہ خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا۔



سکندر نے جونہی آفس میں قدم رکھا فون نے شور مچا دیا۔ وہ موبائل میز پر رکھ کر اپنی سیٹ پر آ بیٹھا اور ریسیور اٹھا لیا۔

"یس۔۔۔ سکندر راز ہیئر۔"

"غلط۔۔۔ میرا خیال ہے تم میرے دل میں رہتے ہو۔" دوسری جانب ثمین تھی۔

"ارے تم۔۔۔" ایک دم سکندر کا موڈ جوشیلا ہو گیا۔ "کہاں سے بول رہی ہو؟"

"گھر سے۔ ابھی ابھی لوٹی ہوں۔ ٹائم دیکھا تو اندازہ لگایا کہ تم لنچ کر کے لوٹ آئے ہو گے۔ میرا اندازہ غلط تو نہیں تھا۔"

"نہیں جاناں۔" وہ آواز دبا کر بولا۔ "میں نے ابھی آفس میں قدم رکھا ہی ہے۔"

"اوہ۔۔۔" ثمین نے سیٹی سی بجائی۔ "اب کیا آفس ہی میں ہو؟"

"ہاں۔ مگر تم ایک دن پہلے کیسے لوٹ آئیں؟" وہ بے حد خوش نظر آ رہا تھا۔

"تم سے دور رہ کر یہ دو دن بھی میں نے جس مصیبت سے کاٹے وہ میں ہی جانتی ہوں۔"

"میں بھی جانتا ہوں۔" وہ جذباتی سا ہو گیا۔ "میرا حال بھی کچھ اچھا نہیں ہے۔"

"پھر ابھی آفس آ جاؤں؟"

"آ جاؤ۔" وہ جلدی سے بولا۔

"ارے ارے۔ آفس کے لوگ کیا کہیں گے۔ میں ابھی کل تک چھٹی پر ہوں۔"

"تم آفس میں آؤ تو۔ یہاں سے اکٹھے نکل چلیں گے۔"

"کیا ہو گیا ہے تمہیں سکندر، باؤلے ہو رہے ہو کیا؟ آفس سے آج تک کیا ہم اکٹھے نکلے ہیں جو آج نکلیں گے۔"

"تو پھر۔۔۔؟"

"کل صبح ملاقات ہوگی۔"

"جب آ ہی چکی ہو تو کل کیوں؟"

"آ بھی گئی تو فائدہ کوئی نہیں ہوگا۔" وہ اسے سمجھانے کے انداز میں بولی۔ "کچھ زنانہ مجبوری ہے۔"

"اوہ۔۔۔" سکندر سمجھ گیا۔ اس کے چہرے پر مایوسی سی چھا گئی۔

"اور کل؟"

"کل تو پکا ہے۔ آج آخری دن ہے۔"

"تو ٹھیک ہے۔۔۔ صبح جلدی آ جانا۔"

"آؤں گی تو اپنے وقت پر۔ اب تم اسے جلدی سمجھ لو تو تمہاری مہربانی ہے۔" وہ اسے چھیڑ رہی تھی۔

"ثمین!" وہ جھلا سا گیا۔

"اچھا بابا اچھا۔ میں اگر ایک تجویز دوں تو کیسا ہے؟"

"کیا؟"

"کل کی چھٹی کرو۔ میں تو پہلے ہی چھٹی پر ہوں۔ میں صبح دی ڈائمنڈ پہنچ جاؤں گی، تم بھی وہیں چلے آؤ۔"

"نہیں نہیں۔" وہ تیزی سے بولا۔ "اس طرف نہیں جانا۔"

"کیوں؟" ثمین نے حیرت سے پوچھا۔

"تم نے اخبارات نہیں دیکھے کیا؟"

"اچھا--- وہ فیروزہ کیس-مگر اس کا ہمارے وہاں جانے نہ جانے سے کیا واسطہ؟" وہ جرح کرنے لگی-

"ارشاد نے منع کر رکھا ہے-اس نے اپنے ایک دوست کے ہوٹل میں میرا انتظام کر دیا ہے-ہم وہاں چلیں گے-"

"کونسے ہوٹل میں؟"

"ہوٹل کنگز وے میں-"

"ویسے سکندر-یہ کون درندہ ہے جو اس بے رحمی سے لڑکیوں کی جان لے رہا ہے-کچھ اندازہ ہوتا ہے یا نہیں-"

"کیا پتہ ثمین-کوئی جنونی ہے جو اس قدر بے باکی سے وارداتیں کر رہا ہے-" وہ سپاٹ لہجے میں بولا-

"وہاں لاہور میں بھی ان وارداتوں نے دہشت پھیلا رکھی ہے-اخبار والوں کو تو بہانہ چاہیے-ایسی ایسی سرخیاں جماتے ہیں کہ بس--- لاہور والے بے چارے خواہ مخواہ خوفزدہ ہو رہے ہیں کہ ایسے درندے کا کیا ہے وہاں بھی جا دھمکے-"

"ہاں---" اچانک سکندر کے دماغ میں پھلجھڑی سی چھوٹی---اس کی آنکھیں ایک بار تیزی سے روشن ہو کر بجھ گئیں-"ایسا ہونے میں کیا قباحت ہے-"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ وہ درندہ کبھی بھی کسی بھی شہر میں ایسا کر سکتا ہے-اب یہاں ہمارے شہر میں اگر اس نے خوف و ہراس کی فضا پیدا کر دی ہے تو ظاہر ہے لوگوں اور قانون سے بچنے کے لئے وہ یا تو کچھ عرصہ خاموش رہے گا یا کسی دوسرے شہر کا رخ کرے گا--- یہ ایک اندازہ ہے-آگے اپنے من کی تو وہ جانے جو یہ سب کر رہا ہے-" آہستہ سے کہہ کر وہ بے اختیار مسکرایا-

"ہاں---ہم تو صرف اندازے ہی لگا سکتے ہیں اور اندازے کا کیا ہے کبھی درست بھی ہو جایا کرتا ہے-" ثمین نے غیر جذباتی انداز میں کہا-

"چھوڑو-اس پھڈے میں ٹانگ اڑانے سے ہمیں کیا حاصل ہوگا-"

"یہ بھی ٹھیک ہے-تو پھر صبح تک کے لئے گڈبائی-"

"اکیلی ہی آئی ہو یا گھر والے بھی لوٹ آئے ہیں؟"

"ممی پاپا تو وہیں ہیں-میرے ساتھ کامران واپس آیا ہے-اس کی اکیڈمی والوں نے زیادہ چھٹیاں نہیں دیں-"

"اوہ---"

"کیوں، خیریت؟"

"میں نے سوچا تھا اگر اکیلی ہو تو میں رات کو ادھر ہی آ جاؤں-تمہیں دیکھ دیکھ کر رات کاٹ لوں گا-" وہ شرارت سے بولا-

"ایک رات کی بات ہے جان-کل چھو چھو کر گزارا کر لینا-اوکے اینڈ گڈ بائی-" ثمین نے فون کاٹ دیا اور سکندر نے بڑے انداز سے ریسیور کو کریڈل پر ڈالا-

اس کے سارے بدن میں ثمین کی واپسی نے پھریریاں دوڑا دی تھیں-اب کل صبح--- اور---"کل صبح" کا خیال آتے ہی وہ چونکا-ثمین سے یہ تو طے ہی نہیں ہو سکا تھا کہ کل صبح آفس آنا ہے یا ہوٹل جانا ہے-وہ دفتر سے چھٹی لے کر اس کے ساتھ دن میں ہوٹل جانے کا رسک نہیں لے سکتا تھا-سہ پہر چار پانچ سے رات نو دس بلکہ بارہ بجے تک تو اسے آزادی تھی کہ وہ جہاں چاہے گھوم پھر لیتا مگر آفس سے چھٹی وہ کس بہانے سے لیتا-اگر گاؤں جانے کا کہتا اور بعد میں کبھی کھل جاتا کہ اس نے غلط بیانی کی تھی تو اس کا سارا کھیل بگڑ جاتا-اس کی پوزیشن جعفری کی نظروں میں خراب ہو جاتی-اس نے دو تین منٹ تک سوچا پھر ثمین کے گھر کا نمبر ملانے لگا-وہ اسے کل آفس کے بعد ہوٹل کنگز وے میں آنے کا کہنا چاہتا تھا-

O

جعفری نے گاڑی وائلڈ پارک سے بہت پرے ایک ویران جگہ پر پارک کر لی۔ یہ پارک چڑیا گھر کی طرز پر بنایا جا رہا تھا جہاں جانوروں کو پنجروں کے بجائے کھلی آب و فضا میں رکھا جانا تھا۔ ابھی اس کا کام ابتدائی مراحل میں تھا اور اتنے بڑے پراجیکٹ پر وہ دیکھ رہے تھے کہ بمشکل چار پانچ مزدور اور ایک مستری ٹھک ٹھک کر رہے تھے۔ کام کے لئے اتنا کم عملہ متعین تھا کہ شاید یہ کام کئی برسوں میں مکمل ہوتا۔ سرکاری ٹھیکوں میں یہی کچھ ہوتا ہے۔ جعفری نے سوچا اور سر جھٹک کر عابدی کی طرف توجہ دی جو اس کی طرف رخ کر کے بیٹھ چکا تھا۔

''اب بولو---کیا بات تھی؟''

''پہلے تم بتاؤ یہاں سب خیریت ہے ناں؟'' عابدی نے اسے غور سے دیکھا۔

''ہاں۔'' جعفری نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔'' ہے بھی اور نہیں بھی۔''

''میں سمجھا نہیں۔'' عابدی الجھ کر بولا۔''اس کا کیا مطلب ہوا؟''

''تم نے مجھ سے پوچھا تھا کہ میں نے اخبارات میں فیروزہ کیس کے حوالے سے کوئی خاص بات نوٹ کی یا نہیں---کیا پوچھنا چاہتے تھے تم؟''

''یہ سب بعد میں---'' عابدی اڑ گیا۔''پہلے تم اپنی بات کی وضاحت کرو۔''

''یار تم تو بچوں کی طرح اڑ جاتے ہو۔'' جعفری نے ہولے سے کہا۔ پھر اس نے مختصر الفاظ میں صبا سے پیش آنے والے اب تک کے واقعے کا اس سے ذکر کر دیا۔

''اور تم اسے معمولی بات سمجھ کر مجھ سے ذکر نہ کرنا چاہ رہے تھے۔'' عابدی نے اسے تڑپ کر دیکھا۔

''میں تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔'' جعفری نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔''وہ میرے پاس ہے' میرے گھر میں ہے' محفوظ ہے۔ کیا تمہیں اس کا یقین نہیں؟''

''پورا یقین ہے۔'' عابدی نے مستحکم لہجے میں کہا۔''مگر وہ میرے بارے میں کیا سوچتی ہو گی۔ یہ بات مجھے ہلکان کر رہی ہے۔''

اور جب جعفری نے اسے بتایا کہ وہ اس بارے میں کیا سوچتی ہے۔ کیا محسوس کرتی ہے اور

وہ ان دونوں کے لئے کیا پروگرام بنائے بیٹھے ہیں تو عابدی کی آنکھوں میں نمی تیر گئی۔

''میں زندگی بھر تمہاری محبتوں کا قرض اتارتا رہوں جعفری' تب بھی نہ اتار پاؤں گا۔''

''پگلے ہو---'' جعفری نے اس کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں بھینچ لیا۔''ہم دوست ہیں۔ قرض اتارنے لگے تو کھاتہ بند ہو جائے گا دوستی کا۔ یہ حق ہے ہمارا ایک دوسرے پر' جو ہمیں ادا کرتے رہنا چاہیے۔''

''ٹھیک کہتے ہو'' عابدی نے آنکھیں خشک کیں۔

''اچھا چھوڑو' بات ترتیب سے کرتے ہیں۔ پہلے یہ بتاؤ تمہارا سیمینار کیسا رہا؟''

''بہت شاندار۔ مجھے میرے لیکچر کے حوالے سے ڈاکٹر آف دی ایئر قرار دیا گیا۔''

''ارے---'' جعفری اچھل پڑا۔''اور سوکھے منہ سے بتا رہے ہو ظالم۔ یہ تمہارے لئے چھوٹی سی خوشی ہے کیا؟''

''نہیں جعفری۔ بہت بڑی خوشی ہے اور جو کچھ وہاں دوسرے مندوبین سے مل کر میں نے تبادلہ خیالات کے دوران حاصل کیا ہے اس نے جہاں میرے خیالات کو یکسر بدل دیا ہے وہاں نئی نئی راہیں بھی سجھائی ہیں۔''

''او بھائی اب بس کر---اب مزید راہیں نہ دیکھ ورنہ اب تیری میری لڑائی ہو جائے گی' سچ مچ۔''

''ایسی کوئی بات نہیں یار۔'' عابدی مسکرایا۔''اب کوئی رکاوٹ مجھے تمہارے اور صبا کے سامنے شرمندہ نہیں کرا سکے گی۔ عنقریب میری ساری ریسرچ اپنے اختتام کو پہنچ جائے گی۔'' اس کا لہجہ عجیب سا ہو گیا۔

''اچھا---وہ کیسے؟'' جعفری نے اشتیاق سے پوچھا۔

''بس ایک دو دن کی بات ہے' ذرا صبر کر لو۔ سب کچھ سامنے آ جائے گا۔'' عابدی نے اسے ٹالا۔''تم جانتے ہو جعفری جس روز تم نے مجھے فون پر نسرین کیس کا بتایا تھا اسی دن میرے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بج اٹھی تھی---میں جانتا تھا کہ اب ایک کے بعد دوسرا قتل بھی ہو گا۔''

''تم کیسے جانتے تھے؟'' جعفری پھر بول پڑا۔

''ریسرچ مائی ڈیئر ریسرچ---اب تک میں ریسرچ کرتا رہا ہوں تم نہیں۔ اور میں نے کہا ناں کہ ایک دو دن میں سارا عرق کشید کر کے سامنے رکھ دوں گا۔ بس مجھ سے بار بار سوال نہ کرو۔''

''اچھا۔ نہیں کرتا۔'' جعفری نے ضد نہ کی۔''مگر یہ تم اس قدر شرلاک ہومز کیوں ہو رہے

ہو؟ سیدھے گھر کیوں نہیں آتے- باہر کیوں ملنا چاہا؟"

"ضروری ہے-" عابدی نے ناصحانہ انداز میں کہا- "اور اب بھی میں گھر نہیں جاؤں گا کسی ہوٹل میں ٹھہروں گا- میرے آنے کی ابھی کسی کو خبر نہیں ہونی چاہیے-"

"یار--- یہ تم کیا پہیلیاں بجھوا رہے ہو-" جعفری بے صبرا ہو گیا- "بھائی! میں اس قدر ضبط کا مالک نہیں ہوں- مجھے صاف صاف بتاؤ معاملہ کیا ہے- اس طرح میں تمہاری کھل کر مدد کر سکوں گا-"

"میں صاف بتا دوں جعفری-" عابدی نے ٹھوس لہجے میں کہا- "تم گھر میں سے بھی کسی کو میری آمد کا نہیں بتاؤ گے اور میں بھی ابھی تمہیں کچھ نہیں بتاؤں گا- مجھے صرف دو دن کی مہلت دے دو- میں تیسرا قتل ہونے نہیں دوں گا-"

"پاگل ہوئے ہو--- مذاق ہے کیا؟" جعفری جھٹکے سے اکھڑ گیا- "صبا کی طرف کوئی آنکھ اٹھائے تو میں اسے چیتھڑوں میں نہ بدل دوں-"

"میں صبا کی طرف سے فکرمند نہیں ہوں- وہ تمہاری حفاظت میں ہے- میں شہر میں کسی اور بے گناہ کے قتل کی بات کر رہا ہوں-"

"ہوں---" جعفری نے سر ہلایا- "یہ خدشہ تو ہے!"

"مگر تم کیا کرو گے اور کیسے کرو گے کہ یہ معاملہ انجام کو پہنچ جائے گا-"

"گھما پھرا کر ناک نہ پکڑو بچے-" عابدی بڑے پراسرار انداز میں مسکرایا- "تم میری عادت جانتے ہو- نہ اب نہ تب- وقت آنے پر ہی بات کھلے گی-"

"جانتا ہوں میرے لکڑ بگڑ-" جعفری جل بھن کر رہ گیا- "اب کچھ نہیں پوچھوں گا مگر یہ تو بتاؤ کچھ کھایا پیا' یا ویسے ہی میری طرح پیٹ پر پتھر باندھے باتیں بنا رہا ہے-"

"ایئرپورٹ سے سیدھا نیشنل پارک آیا اور یہاں سے تمہارے ساتھ- اب چلتے ہیں کسی ایسے ہوٹل میں جہاں لنچ بھی کر لیں اور وہیں میں کمرہ بھی لے لوں گا-"

اور جعفری نے گاڑی سٹارٹ کر دی-

"کسی اچھے سے ہوٹل میں چلنا- تھرڈ کلاس ہوٹل اب مجھے خواب میں بھی ڈراتے ہیں- جن ہوٹلوں میں رہ کر آ رہا ہوں جعفری' کاش تم ان کو صرف دیکھ ہی سکتے-"

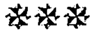
"بکومت-" جعفری نے اسے جھڑک دیا- "ساری زندگی میں کاروباری سلسلوں میں ہوٹلنگ ہی کرتا رہا ہوں- تم نے آج ایک ہوٹل چکھ لیا تو بدہضمی ہو رہی ہے-"

اور ایک جاندار قہقہہ لگا کر عابدی نے بات بدل دی- "میں جب بھی بات کروں گا اب

موبائل پر کروں گا- ابھی کچھ دیر پہلے بھی میں نے موبائل پر ٹرائی کی تھی تم نے بند کر رکھا تھا-"

"ہاں- مگر اب مسلسل کھلا رہے گا- تم فکر مت کرو-"

اور--- عابدی نے سیٹ پر پھیل کر آنکھیں موند لیں-



ہوٹل کنگز وے کے منیجر نے سکندر اور ثمین کی بے حد شاندار طریقے سے پذیرائی کی- ارشاد کا حوالہ ہی کافی ثابت ہوا تھا- اس نے ان دونوں کو تھرڈ فلور پر اپنے زیر استعمال تین میں سے ایک کمرے میں پہنچا دیا- چابی سکندر کے حوالے کی اور مسکراتا ہوا بولا-

"سکندر صاحب- ارشاد ہی سمجھ کر مجھے قبول کیجئے گا- اس فلور پر عام کسٹمر نہیں ٹھہرائے جاتے اور یہ کمرہ میرے ذاتی کمروں میں سے ہے- کسی بھی چیز کی ضرورت ہو بیل دیجئے- خود بخود آپ کو کوئی ویٹر ڈسٹرب نہیں کرے گا- کمرے کی چابی آپ اپنے پاس رکھئے- جب ارشاد کا حکم ہو گا مجھ تک پہنچ جائے گی-"

"بہت شکریہ رشید صاحب-" سکندر اس کے اخلاق سے بہت متاثر ہوا-

"وش یو گڈ لک- اٹس مائی پلیژر-" وہ ثمین کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور سکندر سے ہاتھ ملا کر رخصت ہو گیا-

اب ان کو کمرے میں تین گھنٹے گزر چکے تھے- ثمین نے سکندر کو یوں سیراب کیا تھا کہ خود جل تھل ہو گئی-

رات کے نو بج رہے تھے جب سکندر نے انٹرکام پر کھانے کا آرڈر دیا-

"میں کھانا آنے تک فریش ہو لوں-" وہ اس کے بالوں کو بوسہ دے کر بستر سے نکل گیا-

ثمین نے ایک بھرپور انگڑائی لے کر بدن ڈھیلا چھوڑ دیا- سکندر باتھ روم میں چلا گیا تو اس نے سائڈ ٹیبل پر پڑے اس کے موبائل کی طرف دیکھا- ایک نظر باتھ روم کی جانب ڈالی- شاور چلنے کی آواز باہر تک آ رہی تھی- اس نے آہستہ سے ہاتھ بڑھایا اور موبائل اٹھا لیا-

فون انڈیکس چیک کرنے کے لئے اس نے بٹن دبایا اور نظریں چھوٹی سی سکرین پر جما دیں- وہ دفتر میں بھی موقع ملنے پر یہ حرکت کرتی رہتی تھی تاکہ اسے پتہ چلتا رہے کہ سکندر کے حلقہ احباب میں کوئی سوتن تو نہیں آ دھمکی-

اچانک اس کے جسم کو ایک جھٹکا سا لگا- وہ گھبرا کر سیدھی ہو بیٹھی- کمبل کھسک کر اس کے

کندھوں سے نیچے پھسل گیا مگر اسے اپنی عریانی کا احساس کہاں تھا؟ اس کا انگوٹھا تیزی سے فون انڈیکس کی تفصیل چیک کرنے کے لئے بار بار بٹن دبائے جا رہا تھا اور آنکھیں کبھی حیرت اور کبھی خوف سے پھیل اور سکڑ رہی تھیں- پھر جب اس نے موبائل آف کیا تو اس کا سارا بدن دہک رہا تھا- آنکھوں میں آگ سی جل رہی تھی- سینے میں دل کا دم گھٹ رہا تھا اور وہ خود کو بھرے چوک میں سنگسار ہوتا ہوا محسوس کر رہی تھی-

غازی بدر الدین سے شروع ہو کر صبا انصاری تک کے نام پتے اور فون نمبر سکندر کے موبائل میں کیا گل کھلا چکے تھے' کھلا رہے تھے' کھلانے والے تھے- اس کا دماغ اسی ادھیڑ بن میں ہانپ رہا تھا-

پھر اس کی نظریں باتھ روم کے بند دروازے پر ایک ٹک جم گئیں- شاور کی آواز تھم چکی تھی- اس نے بڑی مشکل سے خود پر قابو پایا-

اس کے دماغ میں ایک فلم سی چل رہی تھی- وہ جس حیوانی جبلت پر جی رہی تھی اس کے لئے واقعات کی کڑیاں ملا لینا کچھ مشکل نہ تھا- غازی بدر الدین اور نسرین کا معاملہ کھل کر اس کے سامنے آ گیا- پھر فیروزہ کا قتل ہوٹل دی ڈائمنڈ میں ہونے کے بعد سکندر کا وہاں جانے سے گریز اور مائرہ کے ساتھ کچھ اور لڑکیوں کے علاوہ صبا انصاری کا نام اور فون نمبر موبائل میں فیڈ ہونے کا مطلب اس کے علاوہ کیا تھا کہ سکندر کی ہٹ لسٹ پر ایک کے بعد ایک شکار موجود ہے-

تو پھر وہ خود کہاں تھی؟

اس کا ذہن سلگ اٹھا' دل تھرا اٹھا-

کیا وہ صرف کھلونا تھی جس سے سکندر اس لئے کھیل رہا تھا کہ دراصل وہ اسی کے جیسی حیوانی جبلت کی مالک تھی- وہ جانوروں کی طرح ایک دوسرے کو نوچتے کھسوٹتے تھے- جذبات کی عجیب عجیب ندیوں کے پار اترتے تھے اور یہ وہ خوشی تھی جو بقول سکندر کے اسے کوئی اور نہ دے سکتا تھا--- مگر سکندر ایک بات بھول گیا تھا--- وہ حیوانی جبلت کے اس انداز اور تقاضے کو فراموش کر بیٹھا تھا جس کے تحت کوئی مادہ اپنے نر کو کسی اور کے ساتھ برداشت نہیں کرتی-

ثمین سکندر کی مادہ تھی- وہ اس کا نر تھا-

اب ثمین کے لئے یہ فیصلہ کرنا باقی تھا کہ اس جفا کی سزا سکندر کو دے یا اس کے بستر پر آنے والی ہر لڑکی کو فنا کر دے؟

پھر اس سے پہلے کہ اس کے جذبات میں طلاطم خیزی بڑھتی' سکندر باتھ روم سے نکل آیا- ٹھیک اسی وقت دروازے پر باہر سے کسی نے دستک دی- سکندر تولئے سے سر کے بال خشک کرتا

ہوا اس کی جانب متوجہ ہوا-

"تم فریش ہو جاؤ--- میں کھانا لگواتا ہوں-"

چونک کر وہ بستر سے نکلی اور کپڑے سنبھالتی ہوئی باتھ روم میں چلی گئی- اس وقت اسے تنہائی اور نرم و گرم شاور نے جو سکون دیا وہ شاید اور کوئی شے نہ دے سکتی-

خاصی دیر کے بعد جب وہ باہر آئی تو خود پر پوری طرح قابو پا چکی تھی- شاید اس نے کوئی فیصلہ بھی کر لیا تھا مگر اس کے ذہن و دل میں کیا تھا' کوئی نہ جانتا تھا- ہاں اس کے نکھرے ہوئے شباب کو دیکھ کر سکندر ضرور بے قابو ہو گیا مگر اس نے بڑی نرمی سے اسے روک دیا-

"اب بس--- مجھے گھر بھی جانا ہے-"

"ایک تو یہ جانے والی بات بڑی اذیت دیتی ہے-" سکندر نے اسے ہاتھ تھام کر کھانے کی میز کے پاس کرسی پر لا بٹھایا جہاں کھانا لگا کر ویٹر جا چکا تھا-

"کبھی وقت آئے گا تو یہ اذیت بھی ختم ہو جائے گی-" اس نے کہہ کر کھانے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا- سکندر نے بھرپور انداز میں کھانا کھایا جبکہ ثمین نے محض رسم ہی پوری کی-

"کیا بات ہے جان--- تم اچھی طرح نہیں کھا رہیں؟" وہ روسٹ ادھیڑتے ہوئے بولا-

"بھوک کھل کر نہیں لگی ابھی-" اس نے نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا-

کچھ دیر بعد جب ویٹر برتن لے گیا تو سکندر نے ہاتھ دھو کر تولئے سے منہ پونچھتے ہوئے اس کی جانب دیکھا-

"صبح تو آفس آ رہی ہو ناں؟"

"ظاہر ہے-" وہ پرس کندھے پر ڈالتے ہوئے بولی- "اب چلیں-"

اور وہ اس کی کمر میں بازو حمائل کر کے اسے ساتھ لگائے ہوئے باہر نکل آیا- جب اس نے موبائل اٹھا کر جیب میں ڈالا تھا تو اس وقت نجانے کیوں ثمین کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا-

"کمرے کو لاک کر کے وہ کاریڈور میں آگے کو چل دیئے- پھر اس وقت جب کاریڈور کا موڑ مڑے' دائیں ہاتھ کے کمرے کا دروازہ کھلا اور جو شخص باہر نکلا' وہ کوئی اور نہیں' عابدی تھا--- جو حیرت اور اچانک پہنچنے والے جھٹکے سے گنگ ہو کر ان دونوں کو وہاں اس وقت تک کھڑا دیکھتا رہا جب تک وہ لفٹ میں داخل نہ ہو گئے- ان کو لفٹ کے اندر جاتے دیکھ کر وہ ایک دم پلٹا اور کمرے

میں داخل ہوکر دروازہ بند کرلیا۔



بند دروازے سے ٹیک لگائے وہ چند لمحوں تک کھڑا آنکھیں موندے نجانے کیا سوچتا رہا۔ اس کے ماتھے پر اس سردی میں بھی پسینے کے قطرے نمودار ہوگئے تھے۔ یہ کیسا عجیب اتفاق تھا کہ دوپہر کو اسی ہوٹل میں اس نے جعفری کے ساتھ کھانا کھایا پھر وی آئی پی رومز میں اپنے لئے ایک کمرہ بک کرایا اور آرام کرنے کے لئے کمرے میں بند ہوگیا۔ اب وہ جاگا تو منہ ہاتھ دھوکر ڈنر کے لئے ڈائننگ روم میں جانے کے ارادے سے باہر نکلا مگر جو کچھ اس نے دیکھا' اس نے اس کی بھوک پیاس کو ختم کر کے رکھ دیا۔

وہ یہ تو نہ جان سکا کہ سکندر اور ثمین کس کمرے سے نکلے تھے مگر اس کے لئے یہ جاننا بہت ضروری تھا کہ سکندر وہاں کب سے ٹھہرا ہوا ہے؟ اور ابھی اس کا وہاں مزید ٹھہرنے کا پروگرام ہے یا نہیں؟ اسے ثمین کی فکر ہو رہی تھی کہ وہ سکندر کے ساتھ کیوں ہے؟ معصوم اور بھولے بھالے سکندر کا یہ روپ دیکھ کر اسے ذہنی اذیت ہو رہی تھی۔

کچھ سوچ کر اس نے دروازہ چھوڑ دیا۔ بستر پر آبیٹھا۔ موبائل پر جعفری سے رابطہ کیا اور اس کی' ہیلو' سنتے ہی بولا۔

''ہیلو جعفری---اس وقت تمہارے آس پاس کون ہے؟''

''میں اکیلا ہوں ڈرائنگ روم میں' شاہینہ اور صبا مائرہ کے کمرے میں ہیں۔ کیوں' خیریت؟''

''تمہارے دفتر میں جو لڑکی ثمین تمہاری سیکرٹری کے طور پر کام کرتی ہے۔''

''ہاں ہاں۔ کیا ہوا اسے۔ وہ تو تین دن کی چھٹی پر ہے۔ کل آئے گی ڈیوٹی پر۔'' جعفری نے کسی اندیشے کے تحت بتایا۔

''اس کے گھر کا ایڈریس جانتے ہو؟''

''ہاں۔ مگر بات کیا ہے؟'' وہ جھنجلا سا گیا۔

''سب خیریت ہے۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ تم صرف یہ بتاؤ کہ لڑکی کیسی ہے؟''

''بہت اچھی اور بہت ذمہ دار ہے۔''

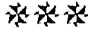
''ہوں۔'' عابدی نے سوچ بھرے لہجے میں کہا۔ ''بہرحال۔ مجھے اس کے گھر کا ایڈریس بتاؤ۔''

''وہ کل دفتر آجائے گی یار۔ ایڈریس کیوں چاہئے تمہیں؟''

''جعفری۔ اس کو میں نے ابھی ابھی ایک ایسے شخص کے ساتھ دیکھا ہے جس کے ساتھ سے دکھائی نہیں دینا چاہیے تھا۔ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں اور بس۔''

''تم مجھے کچھ نہیں بتاؤ گے یہ سب سے بڑی خرابی ہے۔ بہرحال لکھو۔'' جعفری نے اسے ثمین کے گھر کا ایڈریس لکھوایا۔ فون نمبر دیا اور عابدی نے موبائل آف کردیا۔

اس نے ڈائننگ ہال میں جانے کا خیال ترک کر دیا۔ ہوسکتا تھا وہ دونوں وہاں موجود ہوں۔ اس نے انٹرکام پر کھانے کا آرڈر دیا اور بستر پر نیم دراز ہوکر سوچ میں ڈوب گیا۔



ٹیکسی کو فارغ کر کے عابدی نے سڑک کراس کی اور وسیع وفراخ گلی میں داخل ہوگیا۔ کوٹھی نما مکانوں کے نمبر دیکھتا ہوا وہ مطلوبہ مکان کے سامنے جارکا۔ بہترین تعمیر کا منہ بولتا شاہکار تھا وہ مکان جس کا پتہ جعفری نے اسے ثمین کے حوالے سے دیا تھا۔ اس قدر عالی شان رہائش گاہ کی اہل لڑکی نوکری کیوں کرتی تھی؟ ایک لمحے کے لئے عابدی نے سوچا' پھر سر جھٹک کر رسٹ واچ پر نظر ڈالی۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ سردی کا موسم اور رات کے اس پہر وہ اردگرد سے بالکل تنہا وہاں کھڑا تھا۔ جیکٹ کی جیب سے دوسرا ہاتھ نکال کر اس نے دونوں ہتھیلیوں کو آپس میں رگڑا' پھر ہاتھوں پر پھونک مار کر گرمی پہنچائی' آخر میں ہاتھ بڑھایا اور کال بیل پر انگلی رکھ دی۔ دور اندر کہیں بیل کی آواز گونجی۔

تقریباً بیس سیکنڈ بعد اندر سے کسی کے قدموں کی آہٹ دروازے کے قریب آتی ہوئی محسوس ہوئی۔ لوہے کے بڑے گیٹ میں موجود چھوٹے دروازے کے پار سے کسی نے پوچھا۔

''کون ہے؟'' آواز وہ پہچان گیا۔

''مس ثمین---میں ہوں عابدی۔'' وہ خوش اخلاقی سے بولا۔

دوسرے ہی پل دروازہ کھل گیا۔ سامنے ثمین سلیپنگ سوٹ پر گرم چادر لپیٹے کھڑی اسے حیرت سے تک رہی تھی۔

''سر---آپ؟'' وہ بس اتنا ہی کہہ سکی۔

"اندر آنے کے لئے نہ کہیں گی مس ثمین؟" عابدی نے اسے چونکا دیا۔

"ارے ارے---" وہ خجل سی ہوگئی۔ "آئیے سر--- دراصل آپ کی آمد ایسی غیر متوقع ہے کہ میں حیران رہ گئی۔ آئیے۔" اس نے دروازہ پورا کھول کر راستہ دے دیا۔

عابدی اندر داخل ہوا۔ وہ دروازہ بند کر کے اسے سجے سجائے ڈرائنگ روم میں لے آئی۔

عابدی' جعفری کے پورے سٹاف کو جانتا تھا۔ ثمین سے تو اس کی اکثر جعفری کے آفس میں ہیلو ہیلو ہوتی رہتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ جعفری اور عابدی میں کیسی گہری اور اٹوٹ دوستی ہے۔ وہ عابدی کی ویسے بھی بہت عزت کرتی تھی۔

"سر پہلے یہ بتائیے کہ کافی یا چائے؟"

"کافی---" عابدی نے بے تکلفی سے کہا اور صوفے میں دھنس گیا۔

"میں بنا کر لاتی ہوں۔ ممی اور پاپا تو لاہور شادی میں ہیں' میں کل لوٹ آئی تھی۔ چھوٹا بھائی ہے گھر میں اور سو چکا ہے۔ میں ابھی دس منٹ میں آئی۔ تب تک آپ ٹی وی سے دل بہلائیے۔"

وہ ٹی وی آن کر کے ریموٹ عابدی کے ہاتھ میں دے کر باہر نکل گئی۔ عابدی گھر کی سجاوٹ اور آرائش سے خاصا امپریس ہو رہا تھا۔ ایک بار پھر اسے ثمین کے نوکری کرنے کی وجہ کا کیڑا سرسرایا مگر اس نے سر جھٹک کر خود کو ٹی وی کی طرف متوجہ کر لیا جہاں کوئی انڈین فلم چل رہی تھی۔

ثمین دس بارہ منٹ میں لوٹ آئی۔ وہ کافی کے ساتھ خشک میوہ جات بھی لائی تھی۔ اس نے منی ٹیبل برتن سجا کر عابدی کے آگے رکھ دی۔ خود اس نے کافی کا کپ تھاما اور نزدیکی صوفے پر جم گئی۔

"لیجئے سر۔ سردی کا موسم ہے زیادہ دیر گرم نہ رہے گی۔" اس نے کپ کی جانب اشارہ کیا۔

عابدی نے ٹی وی آف کر دیا اور کافی کا سپ لیا۔ کافی بے حد مزیدار تھی۔

"شاندار۔" اس نے تعریف کی۔

"شکریہ سر۔ یہ ساتھ بھی کچھ لیجئے ناں۔" ثمین نے مسکرا کر کہا۔

"ضرور لوں گا۔" اس نے بوائل انڈے کا پیس اٹھاتے ہوئے کہا۔

کافی ختم ہوگئی۔ ثمین نے برتن اٹھا کر ایک طرف کر دیئے اور اس کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"اب بتائیے سر۔ اس وقت اور بالکل غیر متوقع طور پر آپ یہاں۔"

"ثمین---" عابدی نے سنبھل کر کہنا شروع کیا۔ "دیکھو--- میں روایتی الفاظ کا سہارا لئے بغیر کہوں تو میں جو بات تم سے کرنے آیا ہوں' اس کو غلط رنگ مت دینا۔ بات بہت نازک اور پرسنل سی ہے۔"

"آپ مجھے ٹینس کر رہے ہیں سر۔" وہ پھیکے سے انداز میں ہنسی۔ نجانے کیوں اس کا دل دھڑک اٹھا تھا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں--- میں تمہید نہیں باندھوں گا مگر الفاظ کا مناسب انتخاب مجھے ڈسٹرب کر رہا ہے۔"

"آپ بے تکلفی سے کہئے سر۔ میں کوشش کروں گی کہ آپ کی کسی بات کا وہ مطلب نہ لوں جو نہیں لینا چاہیے۔"

"شکریہ ثمین۔" عابدی کو کچھ آسانی ہوئی۔ "یہ کہو--- تم سکندر کو کب سے جانتی ہو؟" وہ رک رک کر آخر کار کہہ گیا۔

"سکندر---" ثمین اچھل پڑی۔ اس کے چہرے کا رنگ ایک دم پھیکا پڑا' پھر اس کی نروس آنکھوں میں گھبراہٹ پھیلتی چلی گئی۔

"ہاں---سکندر۔" عابدی بڑی گہری نظروں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ "ایک بات ذہن میں رکھنا ثمین۔ غلط بیانی کرو گی تو اس میں میرا نہیں تمہارا نقصان ہوگا۔ میں تو جس کام کے لئے آیا ہوں بہر حال وہ کام کر کے جاؤں گا اور وہ کام ہے تمہیں آگاہ کرنا' ایسی صورتحال سے جو کل کو تمہارے لئے ناخوشگوار ہو سکتی ہے۔"

"میں سکندر کو دفتر میں اس کے آنے کے بعد سے ہی جانتی ہوں سر---" ثمین نے سر جھکا کر آہستہ سے کہا اور ہاتھوں کے ناخنوں کو گھورنے لگی۔

"نہ نہ---" عابدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "یہ جاننا نہیں۔ اس طرح تو تم آفس میں کام کرنے والے درجنوں لڑکوں اور مردوں کو جانتی ہو۔ میں اس آشنائی کی بات کر رہا ہوں جو تمہیں اس کے ساتھ کسی ہوٹل کے کمرے میں لے گئی۔"

"سر---" وہ ایک بار پھر اچھلی۔ اس کی حالت جال میں پھنسی ہرنی جیسی ہو رہی تھی۔ "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" وہ بے طرح گھبرا گئی۔

"آج رات' اب سے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ پہلے تم اس کے ساتھ ہوٹل کنگز وے کے ایک کمرے میں موجود تھیں ثمین۔"

"سر---" وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور رخ پھیر لیا۔

"بیٹھ جاؤ ثمین---تم ایک شریف خاندان کی بیٹی ہو اور مجھے یقین ہے کہ تم نے اپنی شرافت کا بھرم تار تار نہ ہونے دیا ہوگا- ایک ایسے نوجوان کے ساتھ جسے تم پسند کرتی ہو اور وہ تمہیں' باہر ملنا جلنا کوئی بڑا عیب نہیں ہے- تمہیں اپنی زندگی کا ساتھی منتخب کرنے کا پورا حق اور آزادی ہے مگر ثمین---ہوٹل کے بند کمرے میں ملاقات---بڑی معیوب بات نہیں ہے کیا؟"

دھڑام سے ثمین صوفے پر گری اور اس نے چادر کے پلو میں منہ چھپالیا-

"میں تمہیں پریشان کرنے آیا ہوں نہ تمہارے عیب اچھالنے- کیونکہ مجھے یقین ہی نہیں کہ تم کوئی غلط قدم اٹھا چکی ہوگی- میں تو صرف تم سے سکندر سے تمہارے تعلق کی نوعیت جاننا چاہتا ہوں-" عابدی بڑا سنبھل سنبھل کر بول رہا تھا-

"سر-" ثمین کی آواز لرز رہی تھی- "میں---میں---" اس کا گلا جیسے خشک ہوگیا-

"اچھا---اسے بھی چھوڑو- اگر میں تم سے ایک درخواست کروں تو کیا تم مانو گی؟" عابدی نے اس کی حالت دیکھی تو بے اختیار اسے اس پر رحم آگیا-

"آپ کہیے سر-" وہ اس سے نظریں نہ ملا پا رہی تھی- اس کی آواز اب بھی کانپ رہی تھی-

"میں چاہتا ہوں تم آئندہ تین چار دن تک سکندر سے نہ ملو- دفتر سے اور چھٹی لے لو- میں جعفری سے کہہ دوں گا مگر---یہ وعدہ کرو کہ کسی بھی قیمت پر تم اس سے نہیں ملوگی-"

"اس سے کیا ہوگا سر؟" اس نے اپنی نم آنکھیں اوپر اٹھائیں تو عابدی لرز کر رہ گیا-

"جو ہوگا تم اس پر خدا کا شکر کروگی ثمین---مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ تم اس سے نہ فون پر بات کرو نہ خود ملو---بولو---ایسا کرسکوگی؟"

"کوشش کروں گی-"

"نہ---نہ---" عابدی نے شہادت کی انگلی کھڑی کردی- "کوشش میں تو ففٹی ففٹی کے چانس ہوتے ہیں اور مجھے ہنڈرڈ پرسنٹ وعدہ چاہیے- بولو---وعدہ کرسکتی ہو اور وعدہ وہ کرنا بن جسے ایفا کرسکو- مجھے دلاسہ دے کر نہ ٹرخانا ورنہ بہت بڑا نقصان ہوجائے گا-"

"میں سمجھ رہی ہوں سر-" ثمین کے ہونٹوں سے نکل گیا-

"کیا؟" عابدی نے بے اختیار پوچھا-

"یہی کہ کوئی بڑی اہم بات ہوگی جس کے لئے آپ اس وقت آئے ہیں اور اب مجھے اس بات کے لئے آمادہ بھی کررہے ہیں-" ثمین نے فوراً بات سنبھال لی- ورنہ اس کا جی تو چاہ رہا تھا کہ چیخ چیخ کر کہے کہ عابدی صاحب میں جانتی ہوں کیا بڑا نقصان ہوگا---ایک اور بے گناہ لڑکی اس درندے کی بھینٹ چڑھ جائے گی جس نے پہلے دو قتل کئے ہیں- وہ جفا کار میرا محبوب ہے- جس

سے بچانے کے لئے آپ مجھے اس سے دور رکھنا چاہتے ہیں- آپ نہیں جانتے کہ وہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا- میں اس کی مادہ ہوں عابدی صاحب- وہ میرا نر ہے اور مجھ سے بے وفائی کررہا ہے- میں جسمانی نقصان تو سہہ سکتی تھی مگر یہ اندر کا زخم مجھے مار ڈالے گا- میں اس کے بستر پر کسی دوسرے بدن کو برداشت ہی نہیں کرسکتی---

مگر---

وہ یہ سب کچھ نہ کہہ سکی- بھولے بھالے' معصوم عابدی کو نہ بتا سکی کہ آج ہوٹل سے واپس آکر وہ کس اذیت سے دوچار رہی ہے- اس نے کیا فیصلہ کیا اور اس پر عمل کے لئے وہ پہلے ہی اس سے دوری کا ارادہ کرچکی ہے-

"میں تمہیں آمادہ نہیں کررہا ثمین' درخواست کررہا ہوں-" عابدی نے اسے خیالات کے بھنور سے باہر کھینچ لیا-

"آپ درخواست نہ کریں سر- میں اس بات سے شرمندگی محسوس کرتی ہوں-" وہ اب کافی حد تک سنبھل چکی تھی- "آپ فرمائیے کہ میں کب تک آفس نہ جاؤں-"

"تین چار دن تک---میں جعفری سے کہہ دوں گا اور فون پر بھی---"

"میں اس سے قطعاً بات نہیں کروں گی سر---لیکن کیا آپ مجھے بتائیں گے کہ اصل بات کیا ہے؟"

"ابھی نہیں ثمین-" عابدی اٹھ گیا- "وقت آنے دو- میں تمہیں سب کچھ بتاؤں گا- ابھی تو میں خود اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مار رہا ہوں-"

ایک بار پھر ثمین کا جی چاہا کہ عابدی کو حقیقت سے آگاہ کردے مگر پھر وہ اس خیال پر عمل نہ کرسکی-

"وہ تمہارے گھر پر تو کبھی نہیں آیا؟" عابدی نے ثمین کی طرف دیکھا جو صوفے سے اٹھ چکی تھی-

"نہیں سر---اور میں کل سے گھر پر رہوں گی بھی نہیں---میں اپنی ایک دوست کے ہاں چلی جاؤں گی دو چار دن کے لئے-"

"تمہارا موبائل نمبر مجھے عابدی نے دے دیا ہے- تم میرا موبائل نمبر لے لو-" عابدی نے موبائل جیب سے نکالا-

اس نے ثمین کو اپنا نمبر بتایا جو اس نے فیڈ کرلیا-

"موبائل ہر وقت اپنے پاس اور آن رکھنا- میں کسی وقت بھی تمہیں کال کرسکتا ہوں-" وہ

اس کے ساتھ چلتا ہوا باہر آ گیا۔ثمین نے محض سر ہلا دیا۔گیٹ کے قریب آ کر دونوں رک گئے۔

''ثمین---اپنی بات پر قائم رہنا۔'' عابدی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔''اگر میری کوئی بیٹی ہوتی تو تم جیسی ہی ہوتی۔'' اس کا لہجہ بھیگ گیا۔''اپنے باپ کو شرمندہ مت ہونے دینا بیٹی۔'' عابدی نے کہا اور جھک کر دروازے سے نکل گیا۔

سر جھکائے خاموش کھڑی ثمین کے بدن سے جیسے جان نکل گئی۔وہ دروازہ بند کر کے عابدی کے دور جاتے قدموں کی آہٹ سنتی رہی۔یہ آہٹ اس کی دھڑکنوں سے زیادہ بلند تھی جو اس کے دل پر وزن بڑھا رہی تھی۔

پھر---درد اس کی برداشت سے باہر ہو گیا تو وہ پلٹی اور بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں آ کر بستر پر اوندھے منہ گر پڑی۔ہچکیاں تھیں کہ اس کے لبوں سے لڑتی جھگڑتی باہر چلی آ رہی تھیں۔آنسو تھے کہ اس کی نس نس سے کھنچ کھنچ کر ابل رہے تھے---اور اپنے انسان ''بھی'' ہونے کا احساس تھا کہ اس کے دل پر نشتر چلا رہا تھا۔

O

سکندر باؤلا سا ہو گیا۔

آج تیسرا دن تھا کہ ثمین سے اس کا کوئی رابطہ نہ ہو پایا تھا۔آفس سے اس نے مزید ایک ہفتے کی چھٹی لے لی تھی۔یہ اس نے کنفرم کر لیا کہ ثمین اپنے گھر پر نہیں تھی۔کہاں تھی؟ یہ اسے پتہ نہیں چل رہا تھا۔اگر لاہور واپس جا چکی تھی تو کیوں؟ اور اسے بتا کر یا مل کر کیوں نہیں گئی؟ یہ ایک دوسرا پہاڑ سا سوال تھا جو اس کے سامنے سر اٹھائے کھڑا تھا۔موبائل پر جب بھی وہ اس سے بات کرنے کی کوشش کرتا' رابطہ ہی نہ ہوتا' کال مس ہو جاتی یا وہ جان بوجھ کر بات کرنے سے گریز کرتی تھی۔ثمین کی ایک دم سے جنم لینے والی بے رخی نے اسے پاگل کر دیا۔اسے اگر وجہ معلوم ہوتی تو شاید وہ اس قدر بے کل نہ ہوتا مگر یہاں تو اسے سبب کا سرے سے علم ہی نہ تھا۔دفتر کے کام میں بھی وہ خود کو لئے دیئے محسوس کر رہا تھا۔اس کا جی ہی نہ چاہتا تھا کہ کام کو ہاتھ لگائے۔پہلی بار اس کے کام کا انداز اکھڑا تو شاہ صاحب نے اسے پوچھا کہ وہ کچھ پریشان تو نہیں' اس نے معذرت کی اور کام میں من لگانا چاہا مگر دل تھا کہ اس طرف آتا ہی نہ تھا۔

دوسری پریشانی اسے یہ لاحق تھی کہ گھر پر پولیس کا مسلسل پہرہ لگ گیا تھا۔وہ رات کو کوٹھی سے باہر جاتا تو لازماً اس حرکت کا گھر والوں کو علم ہو جاتا۔اس سے پہلے تو وہ عقبی دیوار پھاند کر رات کو باہر چلا جایا کرتا' کسی سرکاری پی سی او سے صبا کو فون کرتا اور اسی راستے سے لوٹ آتا مگر اب کوٹھی کے اندر باہر آگے پیچھے پولیس کے دونوں سپاہیوں کا گشت چلتا رہتا جس کے باعث وہ کوٹھی میں آنے کے بعد رات کو باہر جانے سے معذور ہو گیا۔

تین دن اور تین راتوں سے صبا بھی پرسکون تھی۔عابدی کی واپسی کا اسے علم نہ تھا بلکہ آج صبح جب اس نے جعفری سے پوچھا۔

''بھائی---عابدی کو کل آ جانا چاہیے تھا۔''

''ہاں صبا---'' جعفری نے چونک کر کہا۔''میں تمہیں بتانا بھول گیا' سیمینار کے خاتمے پر اسے ڈاکٹر آف دی ایئر کا ایوارڈ دینے کے لئے ایک تقریب رکھی گئی ہے۔رات اس کا فون آیا تھا۔چند دن اور ٹھہرے گا وہاں۔''

"اوہ---" عابدی پر اسے فخر سا ہوا مگر اس کے مزید چند دن دور رہنے کا خیال اسے اداس کر گیا-

"اداس مت ہو---بس چند دن ہی کی تو بات ہے-" جعفری نے پیار سے اس کے سر پر چپت لگائی-

وہ مسکرا کر رہ گئی- جواب کچھ نہ دیا-

پولیس کے سپاہی وہاں بے حد خوش تھے- کھانے پینے کو کھلا مل رہا تھا- ایک دن پہلے جعفری نے پانچ پانچ سو روپے بھی خاموشی سے ان کی جیبوں میں ڈال دیئے تھے کہ بال بچوں کو مٹھائی کے لئے رکھ لیں- اب ان کا انداز بیزاری نہیں' بلکہ ممنونیت لئے ہوئے تھا اور وہ رات میں بھی خاصی مستعدی کا مظاہرہ کرتے تھے- ان کی یہ ہوشیاری جعفری کے لئے اطمینان اور سکندر کے لئے مصیبت بن گئی-

عابدی کا موبائل پر ثمین سے متواتر رابطہ قائم تھا- وہ شہر ہی میں تھی اور مرغزار کالونی کے عقب میں واقع ایسٹ ٹاؤن میں اپنی ایک سہیلی کے پاس رہ رہی تھی- اس کے گھر والے ابھی تک لاہور سے نہ لوٹے تھے-

عابدی ایک موہوم سے مفروضے پر کام کر رہا تھا اور اس کے بارے میں ابھی تک اس نے کسی سے کوئی ذکر نہ کیا تھا- نہ جانے کیوں وہ اس یقین میں مبتلا تھا کہ اس کا مفروضہ سچ ہو کر رہے گا اور اس مفروضے کو یقین میں بدلنے کے لئے اس نے ثمین اور سکندر میں دراڑ پیدا کر دی تھی-

آج سکندر جب آفس سے نکلا تو عابدی کرائے کی کار میں اس کے پیچھے لگ گیا- وہ چاہتا تھا آج اس معاملے کو کسی طرف لگ جانا چاہیے- دیر کرنا اب زیادہ مناسب نہیں تھا' اس لئے وہ آج سکندر کے پیچھے ہو لیا تا کہ جہاں بھی کوئی کلیو ہاتھ آئے وہ کھل کھیلے-

سکندر آفس سے نکل کر ایک ٹیکسی میں بیٹھا اور ہوٹل کنگز وے کے سامنے جا اترا- اسے ہوٹل کے باہر اترتا دیکھ کر عابدی نے گاڑی دور ہی روک لی اور سوچ میں پڑ گیا- پچھلے دنوں میں اس نے ہوٹل کے ایک بیرے کو گانٹھ کر اس سے یہ تو معلوم کر لیا تھا کہ سکندر وہاں کا مستقل کسٹمر نہیں ہے- منیجر رشید نے اسے عارضی طور پر اپنے ذاتی استعمال کے کمروں میں سے ایک کمرہ دے رکھا ہے- عابدی نے خود کو ہوٹل میں جانے کے لئے رات کے دوسرے پہر کا پابند کر لیا- وہ جانتا تھا کہ سکندر رات کو گیارہ بارہ بجے کے بعد گھر سے باہر نہیں رہتا یا نہیں رہ سکتا- اس لئے وہ اکثر رات کو بارہ بجے کے بعد ہی ہوٹل آتا- اس کا کمرہ سکندر کے کمرے سے پہلے والے کاریڈور کے بالکل سامنے تھا- سکندر دن میں چونکہ وہاں نہ آتا تھا اس لئے وہ بے فکری سے رہتا- تاہم آج اسے دن

ہی میں وہاں جاتا دیکھ کر اسے حیرت ہو رہی تھی-

سکندر کی حالت اس کی عمیق نگاہوں نے بڑی اچھی طرح دیکھی تھی- وہ پریشان اور اداس ہونے کے ساتھ ساتھ اکھڑا ہوا اور غصے میں بھی لگتا تھا- وہ جعفری کو الرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا اور نہ اس کے پل پل کی رپورٹ بھی اسے مل جاتی جو وہ دفتر میں گزارتا- اس کی فی الحال مجبوری یہ بھی تھی کہ وہ جعفری وغیرہ اور سکندر کے سامنے نہ آنا چاہتا تھا اور جس خیال پر وہ کام کر رہا تھا اس کے لئے یہ ضروری بھی تھا-

اس سے کوئی فیصلہ نہ ہو پا رہا تھا کہ سکندر کے پیچھے ہوٹل میں جائے یا وہیں رکے کہ قدرت نے اس کی مشکل آسان کر دی-

سکندر نہایا دھویا نکھرا ہوا ہوٹل سے باہر آ رہا تھا- اس نے سڑک پر پہنچ کر ایک ٹیکسی روکی اور عابدی نے اگنیشن میں چابی گھما دی-

تقریباً پندرہ منٹ بعد سکندر نے پوش ایریا کی ایک بلڈنگ کے نیچے ٹیکسی چھوڑ دی- عابدی اس سے تقریباً سو سوا سو گز دور ہی رک گیا اور سن گلاسز میں سے اس کا جائزہ لینے لگا-

سکندر نے ٹیکسی والے کو فارغ کیا اور ایک طرف کو چل دیا- کافی آگے جا کر وہ آہستہ سے پلٹا اور سڑک پار کر کے ایک ایسی بلڈنگ میں داخل ہو گیا جس میں فلیٹ سسٹم کے تحت لوگوں کی رہائش تھی- وہاں ایسے اپارٹمنٹ بھی تھے جن میں عام لوگ رہنے کا سوچ بھی نہ سکتے تھے-

عابدی نے کار اس بلڈنگ سے خاصی دور پارک کی اور پی کیپ کو آنکھوں پر جھکا کر بلڈنگ کی طرف چل پڑا- یہ تو اب مشکل ہی تھا کہ اسے پتہ چل سکتا کہ سکندر کس فلور پر کس کے ہاں گیا ہے مگر ایک موہوم سی امید پر وہ بلڈنگ میں داخل ہو گیا-

تقریباً آدھ گھنٹے تک بڑی احتیاط سے پوری بلڈنگ گھومنے کے باوجود اسے سکندر کا پتہ نہ چلا- مایوس ہو کر وہ باہر نکل آیا اور اپنی گاڑی میں آ بیٹھا-

یہ گاڑی اسے جعفری نے "رینٹ اے کار" کی سکیم کے تحت ایک ادارے سے لے کر دی تھی- ڈرائیونگ وہ خود کرتا تھا' باقی معاملات جعفری کے تھے- نہ اس نے بتائے نہ عابدی نے پوچھے-

کار میں وہ اس طرح بیٹھا کہ رخ بلڈنگ کے صدر دروازے کی طرف رہے- ریڈیو آن کر کے وہ موسیقی سننے لگا-

ایک گھنٹہ گزر گیا- بوریت کے مارے وہ اکڑ گیا-

"کہیں ایسا تو نہیں کہ جس دوران میں اسے بلڈنگ میں تلاش کر رہا تھا وہ نکل گیا ہو-"

ایک خیال اس کے ذہن میں آیا تو وہ بے تابی سے سیدھا ہو گیا-

اسے اپنی حماقت پر غصہ آیا کہ جب یہ رسک ہی تھا کہ سکندر اسے اندر ملتا یا نہ ملتا تو وہ اندر گیا ہی کیوں؟ اسی وقت سے گاڑی میں بیٹھا رہتا- آخر کو تو اسے باہر ہی آنا تھا' لیکن لگتا تھا کہ آج قدرت اس کی طرفدار تھی- اسی وقت اس نے سکندر کو تیز تیز قدموں سے باہر آتے دیکھا- وہ ادھر ادھر دیکھے بغیر سیدھا سڑک پر آیا- دور دور تک کوئی سواری نہ دکھائی دی تو وہ پیدل ہی ایک طرف چل پڑا-

یہ پوش ایریا تھا- ٹیکسی آنے کو تو آسانی سے مل جاتی تھی جانے کے لئے ذرا دقت سے ملتی تھی- یہاں لوگوں کے پاس اپنی گاڑیاں تھیں' کوئی ''بے کار'' ہی کرائے کی سواری پر آتا تھا- کافی آگے جا کر سکندر کو ایک ایسی ٹیکسی مل گئی جس سے ابھی ابھی وہاں کوئی فیملی آ کر اتری تھی-

عابدی نے گاڑی پھر اس کے تعاقب میں ڈال دی- سکندر وہاں سے سیدھا گھر آیا- عابدی دور کھڑا ونڈ سکرین سے اسے کوٹھی میں داخل ہوتے دیکھتا رہا- پھر سیٹ کو پیچھے کی جانب کھولا اور نیم دراز ہو کر کسی سوچ میں گم ہو گیا-

ریڈیو آن کر کے اس نے پھر موسیقی سے دل بہلانا شروع کر دیا- اسے سمجھ نہ آ رہی تھی کہ اب کیا کرے؟

ایک پل کو تو اسے اب تک کی اپنی ساری بھاگ دوڑ بے کار لگی- سکندر کے حوالے سے وہ اب تک کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا تھا- اچانک وہ چونک پڑا-

ریڈیو پر موسیقی کا پروگرام روک کر خصوصی نیوز بلیٹن کا اعلان کیا گیا- اس نے رسٹ واچ پر وقت دیکھا- اسے یہاں کھڑے ڈیڑھ گھنٹہ ہو چکا تھا- باہر رات گہری ہو چکی تھی- سردیوں میں رات کے آٹھ بجے خاصی رات جا چکی ہوتی ہے-

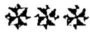
''ہمارے خصوصی نمائندے کے مطابق شہر میں اس جنونی قاتل نے آج شام تیسری واردات کر ڈالی- پیراڈائز اپارٹمنٹس میں رہائش پذیر ماڈل گرل نیلم کو تشدد و آبروریزی کے دوران موت کے گھاٹ اتار دیا گیا- یہ قتل بھی بالکل اسی انداز میں ہوا ہے جس کی نشاندہی پہلے دو قتل کرتے ہیں- شہر میں اس واردات نے کھلبلی مچا دی ہے- پولیس اب تک اس معاملے میں کچھ بھی نہیں کر سکی- اس سلسلے میں---''

اور--- عابدی نے ہاتھ بڑھا کر ریڈیو آف کر دیا-

اس کا سارا بدن تناؤ کا شکار ہو گیا- دماغ سائیں سائیں کرنے لگا- آنکھوں کے سامنے

پتنگے سے اڑ رہے تھے- اسے لگا جیسے کار کی چھت اس کے سر پر آ ٹکی ہو اور دھیرے دھیرے اپنا دباؤ بڑھا رہی ہو- اس کا جسم چند لمحوں کے بعد تڑخ کر رہ جائے گا-

اس نے جو سوچا تھا' اس کا جو مفروضہ تھا' سچ ہو چکا تھا- اس یقین نے اس کے سارے خیالوں' سارے نظریوں' ساری دلیلوں کو سیاہ بھوتوں کی شکل دے دی- یہ بھوت اسے ڈرا رہے تھے' خوفزدہ کر رہے تھے- سکندر جس جگہ تھا' وہیں اس کی جان' اس کی زندگی' اس کی وفا صبا بھی تھی- اس کی چڑھتی ہوئی آنکھوں میں تپش سی گھل گئی- کار کے اندر اندھیرے میں بیٹھے بیٹھے جیسے اس کا دم گھٹنے لگا- اس نے اپنی طرف کا شیشہ اتار دیا- تازہ سرد ہوا کے جھونکے نے اس کے اندر کا حبس چھین لیا- وہ گہرے گہرے سانس لینے لگا جیسے آکسیجن کی کمی نے اسے جکڑ لیا ہو-



''ہیلو---'' ثمین نے موبائل کی سکرین پر عابدی کا نام ابھرتے دیکھا تو یس کا بٹن دبا دیا اور فون کان سے لگا لیا-

''ثمین-'' عابدی کی بڑی گمبھیر آواز ابھری- ''میں عابدی بول رہا ہوں بیٹے-''

''جی انکل---'' وہ متانت سے بولی- ''میں سن رہی ہوں-''

''مجھ سے اس وقت مل سکتی ہو؟''

''کیوں نہیں انکل-'' اس نے رسٹ واچ میں وقت دیکھا ساڑھے آٹھ ہو رہے تھے رات کے-

''تو کشمیر پلازہ کے باہر چلی آؤ- میں وہاں گاڑی میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں- اور سنو ٹیکسی وغیرہ پر آنا-''

''جی انکل--- ویسے خیریت ہے ناں-'' اس نے دھڑکتے دل سے پوچھا-

''ہاں ہاں- تم آؤ' پھر بات کرتے ہیں---'' عابدی نے رابطہ کاٹ دیا-

ثمین نے موبائل آف کیا- اپنی دوست کو جلدی لوٹ آنے کا کہہ کر وہ باہر چلی آئی- سڑک پر جاتے ایک رکشہ کو روکا اور دس منٹ میں کشمیر پلازہ کے سامنے آن اتری- عابدی ایک سائڈ پر کھڑا ایک سٹال پر کتابیں دیکھ رہا تھا- ثمین کو آتے دیکھ کر وہ اس کے پاس چلا آیا- جہاں ثمین اتری وہاں قریب ہی اس نے گاڑی پارک کر رکھی تھی- وہ اسے ساتھ لئے گاڑی میں آ بیٹھا اور گاڑی بڑی ہلکی رفتار سے روانہ ہو گئی-

"ثمین---" عابدی نے ایک کم ٹریفک والی سڑک پر آتے ہوئے کہا- "بیٹے! میں تمہارے اب تک کے تعاون کے لئے بے حد ممنون ہوں-"

"آپ ایسا مت کہئے انکل-" ثمین نے گود میں رکھے ہاتھوں کو گھورتے ہوئے دھیرے سے جواب دیا- "آپ نے تو مجھے شاید بھٹکنے سے بچا لیا-"

"شاید نہیں' یقیناً بیٹی-" عابدی نے نظریں سامنے سیاہ سڑک پر ہی مرکوز رکھیں- "تم نے آج کی خبریں سنیں-"

"ضمیمہ دیکھا ہے انکل--- ماڈل گرل نیلم کے قتل کا-"

ایک پل کے لئے عابدی کا سارا بدن تن کر رہ گیا- سٹیئرنگ پر ہاتھوں کی گرفت سخت ہو گئی-

"کیا تم کوئی بری خبر سن سکو گی بیٹی--- ایسی خبر جو تمہیں بے قابو کر دے-"

"آپ کہئے- میں سن بھی لوں گی اور بے قابو بھی نہیں ہوں گی-"

"ثمین-" عابدی نے ہونٹوں پر زبان پھیری--- "وہ قتل--- سکندر نے کیا ہے-"

بے اختیار ثمین کا سر سینے پر جھک گیا- ایک ہلکی سی سسکی اس کے لبوں سے آزاد ہوئی اور اس نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا-

عابدی کو اس کے ردعمل پر حیرت ہوئی- ثمین کو خوف اور حیرانی سے اچھل پڑنا چاہیے تھا--- مگر وہ تو بلک رہی تھی' جیسے اسے اسی خبر کی توقع تھی-

"حوصلہ کرو بیٹی- ابھی تو مجھے تمہاری مدد کی مزید ضرورت ہے-" آخر اس نے زبان کھولی-

"میں ٹھیک ہوں انکل-" اس نے شال کے پلو سے آنکھیں خشک کیں- "آپ کہئے مجھے اب کیا کرنا ہے-"

"پہلے اپنے دل کو ٹٹولو بیٹی- کیا تم اس کے خلاف کسی بھی اقدام کی متحمل ہو سکو گی- پچھلے تین دنوں میں اس نے جس دیوانگی سے تمہیں تلاش کیا ہے وہ اس کی تمہارے ساتھ انوالومنٹ کی شاہد ہے-"

"سب کچھ اپنی جگہ انکل لیکن وہ اب تک تین قتل کر چکا ہے- تین بے گناہ انسانوں کو موت کے حوالے کر چکا ہے اور جس تشدد اور بے رحمی کا اس نے مظاہرہ کیا ہے اسے میں کس خانے میں فٹ کروں؟" ثمین نارمل ہوتی چلی گئی-

"پھر بھی---"

"آپ تردد نہ کریں انکل- صرف یہ بتائیے کہ کرنا کیا ہے؟" ثمین نے اس کی بات پوری نہ ہونے دی-

"ہوں---" عابدی نے گہرا سانس لیا- "تو سنو بیٹی- میں چاہتا ہوں آج رات یہ معاملہ ختم کر دیا جائے--- میں نہیں چاہتا کہ اب مزید کسی اور بے گناہ کی ایسی ہی خوفناک موت ہو-"

"میں سن رہی ہوں انکل-" عابدی رکا تو ثمین نے لقمہ دیا-

"اس کے لئے ضروری ہے کہ اسے اس کے بل سے' اس کے خول سے' اس کی پناہ گاہ سے باہر نکالا جائے اور یہ کام صرف تم کر سکتی ہو-"

"وہ کیسے؟" ثمین نے پوچھا-

"یہ میں تمہیں ابھی سمجھاتا ہوں" کہہ کر عابدی نے گاڑی سائڈ پر کر کے روک دی- موبائل نکالا اور کھڑکی کا شیشہ نیچے گرا کر نمبر ملانے لگا-

"ہیلو جعفری-" اس نے رابطہ ہوتے ہی کہا- ثمین چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی-

"یس--- سپیکنگ-" جعفری نے اس کی آواز پہچان کر کہا-

"سنو- اس وقت تم گھر کے کس حصے میں ہو؟"

"میں ڈرائنگ روم میں ہوں-"

"اکیلے ہو-"

"ہاں- صبا اوپر مائرہ کے کمرے میں ہے اور شاہینہ بھی ان کے ساتھ ہے-"

"ان کو اوپر جا کر تاکید کر دو کہ وہ دروازہ اندر سے بند کر کے بیٹھیں- جب تک ان سے کہا نہ جائے کمرے سے باہر یا نیچے نہ آئیں-"

"بات کیا ہے؟" جعفری متوحش ہو گیا-

"سب کچھ آ کر بتاتا ہوں- میں گھر آ رہا ہوں مگر میرے آنے سے پہلے تم یہ کر گزرو-"

"وہ تو ٹھیک ہے-"

"بحث نہ کرو' اور سنو- سکندر آ چکا ہے آفس سے-" عابدی نے یوں پوچھا جیسے اس بات کی کوئی خاص اہمیت نہ ہو-

"ہاں--- آ چکا ہے- ابھی انٹرکام پر میری اس سے بات ہوئی ہے- میں بور ہو رہا تھا- سوچا اسے بلا کر شطرنج کی ایک بازی ہی کھیل لوں-"

"یہ اچھا ہے- اسے بلا کر اپنے پاس ہی بٹھاؤ- اس کی بھی ضرورت پڑے گی-"

"ٹھیک ہے مگر---"

"جعفری---میں نے کہاناں میں آرہا ہوں---او کے---اللہ حافظ-" عابدی نے موبائل آف کر دیا-

"ہم کیا جعفری سر کے ہاں جا رہے ہیں انکل؟" ثمین نے پوچھا-

"ہاں-سکندر کا چوتھا شکار وہیں ہے-" عابدی نے عجیب سے لہجے میں کہا-

"کیا؟" ثمین اچھل پڑی- "سکندر بھی تو وہیں رہتا ہے---کیا مائرہ؟"

"نہیں---" عابدی نے اس کی بات کے جواب میں بڑی پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا-

"میری جان میری زندگی--- صبا!"

اور اس بار ثمین کے لئے حیرت کا جھٹکا پہلے سے بھی زیادہ شدید تھا-

"آپ کو اس بارے میں کیسے علم ہوا کہ اس کا اگلا شکار میڈم صبا ہیں؟"

"وہ پچھلی کئی راتوں سے فون پر اسے پریشان کر رہا ہے-"

"اللہ---" ثمین کراہ کر رہ گئی- اس نے دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا لیا اور نجانے کیا بڑبڑانے لگی-

عابدی نے ایکسیلیٹر پر پاؤں کا دباؤ بڑھا دیا- کار تیزی سے جعفری کی کوٹھی کی طرف اڑی جا رہی تھی- بیس منٹ میں وہ کوٹھی کے گیٹ پر آ رکے- عابدی نے ہارن دیا تو چوکیدار اٹھ کر قریب چلا آیا-

"ارے---عابدی صاحب آپ-" وہ عابدی کو دیکھ کر خوش ہو گیا- پھر جلدی سے اس نے گیٹ کھول دیا- عابدی گاڑی کو اندر لیتا چلا گیا- پورچ میں گاڑی روک کر وہ نیچے اترا- اتنے میں ثمین بھی باہر نکل آئی-

"خود کو سنبھال کر رکھنا بیٹی-" عابدی نے ہپ پاکٹ میں موجود ریوالور کو ٹٹول کر دیکھا- جواب میں ثمین سر ہلا کر رہ گئی-

"وہ پولیس والے کہاں گئے؟" عابدی نے چوکیدار سے پوچھا-

"کھانا کھانے گئے ہیں- گھنٹہ بھر بعد لوٹیں گے-" اس نے بتایا تو عابدی مطمئن سا ہو گیا-

"آؤ-" وہ ثمین کے شانے پر ہاتھ رکھے اسے ساتھ لے کر آگے بڑھ گیا-

"ہیلو فرینڈز---" عابدی نے ڈرائنگ روم کے دروازے پر رک کر ایک دم کہا تو جعفری اور سکندر دونوں ہی چونک پڑے-

پھر جعفری کا تو کوئی خاص ردعمل سامنے نہ آیا مگر ثمین کو عابدی کے ساتھ آتے دیکھ کر سکندر کے ہاتھ سے مہرہ چھوٹ کر شطرنج کی بساط پر گر پڑا- وہ حیرت اور اچنبھے سے ثمین کو آنکھیں پھاڑے دیکھتا ہوا یوں اچھل کر کھڑا ہو گیا جیسے اچانک اس کے پیٹ میں موجود کسی بچھو نے اسے ڈنک مار دیا ہو- اس کی وحشت اور چمک سے لبریز آنکھوں میں اچانک ہی روشنیوں کا شہر جگمگا اٹھا اور وہ ایک ٹک ثمین کو گھورتا رہ گیا-

O

''تم ---'' ایک سرگوشی سی اس کے لبوں پر لہرائی۔

''ارے ---'' عابدی نے آگے بڑھ کر سکندر سے خود ہی ہاتھ ملا لیا۔ ''ینگ مین۔ نہ سلام نہ دعا۔ بس لڑکی کو گھورنے لگے۔ خیریت؟''

اور سکندر چونک پڑا۔

''وہ --- وہ ---'' بے ربط سے دو الفاظ اس کے ہونٹوں سے نکلے اور اس نے گڑبڑا کر آنکھیں جھکا لیں مگر عابدی اور ثمین اس کی آنکھوں میں جلتے انگاروں کو خوب دیکھ چکے تھے۔

''اور بھئی جعفری، تم سناؤ۔'' عابدی نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔ دونوں گرمجوشی سے ملے پھر جعفری نے پوچھ ہی لیا۔

''یہ ثمین اور یہاں ---؟''

''ارے بھئی سب بتاتا ہوں۔ ذرا دم لو۔'' عابدی نے ثمین کو بازو سے تھام کر صوفے پر بٹھا دیا۔ اس نے دوسری بار سکندر سے نظریں نہ ملائی تھیں۔ خاموش بیٹھی فرش کو گھور رہی تھی۔ ''سکندر میاں، تم بھی بیٹھو۔ تم ثمین کی وجہ سے اس قدر پریشان کیوں ہو گئے؟''

''پریشان۔ نہیں تو ---'' سکندر نے خود پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا اور بیٹھنے کی بجائے باہر کو چل دیا۔ ''میں چلتا ہوں سر ---'' اس نے جعفری کی جانب نظر اٹھائی۔

''رک جاؤ سکندر ---'' عابدی کا لہجہ ایک دم بدل گیا۔ اس کے انداز میں ایسی کوئی بات تھی کہ سکندر کے اٹھتے ہوئے قدم رک گئے۔

''آرام سے بیٹھ جاؤ۔ تم سے کچھ بات کرنا ہے۔'' عابدی اٹھ کھڑا ہوا۔

''کیا بات کرنی ہے آپ کو مجھ سے؟'' سکندر نے پلٹے بغیر کہا۔ اس کا رخ دروازے کی طرف تھا اور اس نے خود کو یوں کس لیا تھا جیسے پتھر کا بت کھڑا ہو۔

''واپس آؤ اور بیٹھ جاؤ۔'' عابدی نے اسی لہجے میں کہا۔

جعفری نے زبان کھولنا چاہی مگر موقع کی نزاکت نے اسے چپ کرا دیا۔ بڑے غیر محسوس انداز میں وہ اٹھا۔ صوفے کے پیچھے دیوار کے ساتھ رکھی الماری کا دراز کھول کر اس نے ریوالور نکالا

اور گاؤن کی جیب میں ڈال لیا۔ نجانے کیوں اسے کسی انجانے خطرے کا احساس ہو رہا تھا۔ پھر وہ واپس آنے کے بجائے وہیں کھڑا ہو گیا۔ اب صرف ثمین بیٹھی تھی اور اس کا رخ ایسا تھا کہ اس سے چھ سات قدم دور اس کے دائیں ہاتھ سکندر دروازے کی جانب منہ کئے کھڑا تھا۔ عابدی اس کے بائیں ہاتھ چار قدم کے فاصلے پر اور جعفری اس کے پیچھے دیوار کے ساتھ لگا کھڑا تھا۔

عابدی کی بات سن کر چند لمحوں تک سکندر خاموش کھڑا رہا پھر دھیرے دھیرے اس نے رخ پھیرا اور سینے پر جھکا ہوا اس کا سر اوپر اٹھنے لگا۔ جب اس کی گردن اپنے مقام پر تن گئی تو عابدی کے ساتھ ساتھ جعفری بھی یہ دیکھ کر چونک اٹھا کہ سکندر کے چہرے پر عجیب سی خشونت اور کھردرا پن جھلک رہا تھا۔ اس کے چہرے کا رنگ اتنا سرخ ہو گیا کہ سیاہی مائل لگنے لگا۔ آنکھوں میں دو روشن چراغ اس کی وحشت کے ضامن تھے۔

''ایسی آنکھیں ----'' جعفری کے دماغ میں دھماکہ سا ہوا۔ ''درندوں کی ہوتی ہیں اور اندھیرے میں ایسے ہی چمکتی ہیں۔'' بے اختیار اس کا ہاتھ گاؤن کی جیب میں چلا گیا جہاں ریوالور موجود تھا۔

''کہئے ---'' سکندر کے لبوں سے یہ لفظ غراہٹ کے انداز میں نکلا۔ ثمین نے ایک جھٹکے سے سر اٹھایا اور سکندر کے چہرے کو دیکھ کر وہ دہل کر رہ گئی۔ وہ بے قابو ہو رہا تھا۔

''آج شام تم پیراڈائز اپارٹمنٹس میں کیا کرنے گئے تھے؟'' عابدی نے ایک ہاتھ ہپ پاکٹ پر رکھا اور دوسرا پہلو میں جما لیا۔

''خبریں نہیں سنتے آپ؟'' وہ اسی غراہٹ آمیز لہجے میں بولا۔ اس نے شاید محسوس کر لیا تھا کہ فریب دہی سے کام نہیں چلے گا یا شاید اس کی حیوانی جبلت اسے کھل کر سامنے آ جانے پر مجبور کر چکی تھی۔

''تو تم اقرار کرتے ہو کہ ---''

''سب اقرار ہے مجھے ---'' وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''اب تک جو بھی ہوا، وہ میں نے ہی کیا۔ پھر اب کیا چاہتے ہیں آپ سب؟''

جعفری اس کے انداز تخاطب سے زیادہ اس کی حالت اور بیان پر حیران تھا۔ سارا معاملہ روز روشن کی طرح عیاں ہو گیا۔ جعفری کے تن بدن میں ایک آگ سی دہکی اور اس کا لہجہ اس کی لپیٹ میں آ گیا۔

''تم ---- سکندر --- یہ سب اب تک تم کر رہے تھے؟'' جعفری نے طیش کے مارے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں---" وہ سر جھٹک کر بولا۔ "میں ہی کر رہا تھا--- آگے بھی کرنا ہے یہی کچھ مجھے۔" وہ جعفری کو کینہ توز نگاہوں سے گھورتے ہوئے بولا۔ "اس لئے کہ اس سب کے ذمے دار تم ہو---صرف تم!" اس کی آواز میں غراہٹ کے ساتھ ساتھ اب دیوانگی بھی جھلک رہی تھی۔

"میں---؟" جعفری نے حیرت سے کہا۔ "میں نے تمہارے ساتھ جو احسان کئے کیا وہ سب برائیاں تھیں جو تم اپنے گناہوں کا ذمے دار مجھے ٹھہرا رہے ہو؟"

"آہ---" سکندر نے منہ کھول کر ایک عجیب سی آواز نکالی۔ "احسان---تم نے سب سے پہلا اور آخری احسان مجھ پر یہ کیا کہ عین وصال کے لمحوں میں مجھے اپنی مادہ سے چھین لیا--- گولی مار کر اس کی جان لے لی---" وہ ناک چڑھا کر اس بار بولا تو اس کی غراہٹ غیر انسانی ہو گئی۔

"کیا؟" جعفری کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"ہاں جعفری--- یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔" عابدی نے پوری طرح اس پر نظر رکھتے ہوئے کہا۔ "اگر یقین نہ آئے تو غور سے اس کا سایہ دیکھو---تمہیں یقین آجائے گا کہ سکندر کے بدن میں کون حلول کئے ہوئے ہے۔"

بے اختیار جعفری اور ثمین کی نظریں سکندر کے قالین پر پڑتے سائے پر جا پڑیں اور جعفری کی حالت یہ دیکھ کر غیر ہو گئی کہ وہ سایہ کسی انسان کا نہ تھا۔ ایک چوپائے' ایک درندے' بلکہ ایک چیتے کا تھا جو منہ کھولے ہانپ رہا تھا۔

ایک دم جعفری نے ریوالور نکال لیا۔

"میں تجھے جان سے مار دوں گا حرامزادے۔" وہ گرج کر بولا اور صوفے کو پھلانگ کر سامنے آگیا۔

"نہیں جعفری---" عابدی نے اسے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔ "یہ غلطی تم پہلے بھی کر چکے ہو۔ دوبارہ ایسا مت کرنا۔"

"انکل ٹھیک کہہ رہے ہیں سر۔" ثمین نے اچانک اپنی جگہ چھوڑ دی۔

"تم---تم بھی ان کے ساتھ ہو؟" سکندر نے اپنی درندگی سے بھرپور آنکھیں ثمین کی طرف اٹھائیں۔

"میں کل بھی تمہارے ساتھ تھی' آج بھی تمہارے ساتھ ہوں سکندر۔" ثمین نے اس کی جانب دو قدم بڑھ کر کہا۔ عابدی یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا کہ بالکل سکندر کی آنکھوں جیسے دہکتے انگاروں جیسے چراغ ثمین کی آنکھوں میں بھی جل اٹھے تھے۔

"تو آؤ۔ ہم اس فریبی دنیا سے دور چلے چلیں۔" سکندر نے اس کی جانب ہاتھ بڑھایا۔

"ضرور چلیں گے۔" ثمین نے کہا۔

غرا کر سکندر نے ایک پھریری لی اور چاروں طرف سے خود کو گھرا ہوا دیکھ کر اس کی حالت اور خراب ہو گئی۔ دانت نکوستے ہوئے اس نے عابدی اور جعفری کے بعد ثمین کی جانب دیکھا۔

"کیا کہتی ہو تم؟ چلتی ہو میرے ساتھ؟" غراہٹ ایسی تھی کہ ثمین دہل گئی۔

"میں نے کہا ناں--- اکٹھے ہی چلیں گے--- مگر سکندر--- پہلے مجھے ایک بات کا جواب دو۔" ثمین اس سے چند ہی قدم دور رہ گئی۔

"یہ باتوں کا وقت نہیں ہے۔" وہ بے چینی سے پہلو بدل کر بولا۔

"یہی تو وقت ہے سکندر تم سے یہ پوچھنے کا کہ تم تو ایک حیوان تھے--- حیوانی جبلت پر قائم تھے۔ تم نے اپنی مادہ سے--- مجھ سے بے وفائی کیوں کی؟ اور پھر ایک کے بعد ایک---تم نے یہ فریب یہ جفا کس طرح اپنا لی؟ سکندر--- جنگل کے درندے اور انسان میں کچھ فرق تو تھا جسے تم نے مٹا دیا۔ کیا کوئی درندہ اپنی مادہ کے علاوہ کسی اور کے قریب جاتا ہے؟ اور اگر جاتا ہے تو جانتے ہو جنگل کے قانون میں اس کی سزا کیا ہے؟"

"بکومت ثمین--- یہ ایسی باتوں کا وقت نہیں ہے۔ چلو آؤ' نکلو یہاں سے۔" سکندر نے اپنا مضبوط ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔

"نہیں سکندر--- میرے نر! تم نے انسانی قالب میں آتے ہی سب سے پہلے بیوفائی کو پسند کر لیا۔ ارے یہ تو انسانوں کی خاصیت ہے۔ اسے ان ہی کے لئے چھوڑ دینا تھا۔ میں موجود تھی' خود کو تمہارے سپرد کر چکی تھی' کبھی انکار بھی نہیں کرتی تھی۔ پھر تم دوسروں کی طرف کیوں بڑھے؟ اور اگر یہ انسانی فطرت کا خاصا تھا تو انسان میں بھی ہوں سکندر۔ اپنی حیوانی جبلت کے باوجود میں ایک انسان تھی۔ انسان ہوں اور انسان ہی رہوں گی۔ میں تمہاری درندگی کا ساتھ دیتے ہوئے بھی اپنی فطرت سے باہر نہ جا سکی۔ تم ایک درندے ہو کر اپنی فطرت کو بھول کر بے وفا ہو گئے؟ تف ہے تم پر۔"

"مت نفرت کرو مجھ سے۔ تم میری بقا ہو ثمین۔" سکندر کی غراہٹ میں بے چارگی ابھری۔ "میں تمہارے بغیر ادھورا ہوں۔"

"میں نے تمہاری تکمیل کر دی تھی سکندر--- تم نے اس میں دوسری عورتوں کے بدن رنگ سجائے۔ یہ میں برداشت نہیں کر سکتی۔"

بے اختیار بری طرح غراتے ہوئے سکندر نے یوں پینترا بدلا جیسے کوئی درندہ شکاریوں

کے نرغے میں پھنس کر فرار کی راہ تلاش کر رہا ہو- اس کا چوپایہ سایہ اس کے ساتھ ساتھ ہانپتے ہوئے گھوم رہا تھا- سکندر کے ہونٹوں سے کف نکل کر باچھوں پر پھیلنے لگا تو ثمین کی بلور کی طرح جلتی آنکھوں میں اضطراب ناچ اٹھا-

''پینتھر-'' اچانک ثمین کے لبوں سے ایک سرگوشی آزاد ہوئی-

سکندر نے اسے چونک کر یوں دیکھا کہ عابدی اور جعفری کے دل لرز گئے- ان آنکھوں میں سوائے وحشت اور دیوانگی کے اور کچھ نہ تھا-

''میری ایک بات مانو گے پینتھر-'' دوبارہ ثمین نے کہا تو اس کی آواز میں مٹھاس چھلک رہی تھی- سکندر کی وحشت نمایاں طور پر کم ہو گئی-

''مجھے---'' وہ اپنے چہرے کے بگڑتے نقوش میں نرمی ابھرتے پا کر بے تابی سے بولا- ''مجھے اس وقت اس طرح نہ بلاؤ ثمین- تم جانتی ہو یہ 'لفظ' یہ انداز کس خاص وقت کے لئے ہے-''

''جانتی ہوں- اسی خاص وقت اور خاص لمحے کی قسم دے رہی ہوں تمہیں--- سکندر کو آزاد کر دو-''

''نہیں-'' وہ اس بری طرح غرایا کہ اس کے بل کھاتے بدن کے سائے نے بھی بغاوت کر دی-

''میری بات مان لو پینتھر- اس معصوم کو آزاد کر دو-''

''اور خود کیا کروں؟'' وہ چیخ پڑا-

''مجھ میں سما جاؤ-'' ثمین نے بازو پھیلا دیئے-

''پھر---''

''میں تمہیں لے کر کہیں دور چلی جاؤں گی- ان دنیا والوں سے بہت دور-''

''یہ ممکن نہیں ہے ثمین-'' اس نے صاف انکار کر دیا-

''ممکن ہے پینتھر---''

''بار بار مجھے اس نام سے مت پکارو-'' وہ پھر چیخا مگر اس بار اس کی آواز قدرے کمزور تھی-

''میں تمہیں کسی ایسے شخص کا بدن دوں گی جو تازہ تازہ دنیا سے رخصت ہوا ہو- تم اس میں سما کر دوبارہ ایک بدن حاصل کر سکتے ہو-''

''اس سے کیا ہو گا؟'' وہ براہ راست اسے اپنی جلتے انگاروں سی آنکھوں سے گھورنے لگا-

''سکندر آزاد ہو جائے گا پینتھر- اس کی زندگی بچ بھی جائے گی- محفوظ بھی ہو جائے گی-''

''پھر---؟'' وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بولا-

''پھر ہم اپنی ایک الگ دنیا بسائیں گے پینتھر--- شاید اوسیہ کے پہاڑوں میں---''

''اوسیہ میں---؟'' ایک دم سکندر کا لہجہ خوابناک ہو گیا- اس کی جلتی ہوئی آنکھیں کسی دور کے منظر میں کھو کر رہ گئیں-

''ہاں--- وہیں جہاں تم اپنی مادہ سے جدا ہوئے تھے- وہیں سے ہم دوبارہ ایک نیا سفر شروع کریں گے-''

''تم--- سچ کہہ رہی ہو ثمین!'' سکندر کا لہجہ مزید خمار آلود ہو گیا-

''ہاں پینتھر-'' ثمین نے دو قدم آگے بڑھائے اور اس کے بالکل سامنے جا کھڑی ہوئی-

عابدی اب بھی سکندر پر ریوالور تانے کھڑا تھا اور جعفری بھی بالکل الرٹ تھا مگر گولی چلانے کا کوئی موقع نہ مل رہا تھا- اسی وقت عابدی نے جعفری کو آنکھ کا اشارہ کیا کہ وہ سکندر پر ہرگز گولی نہ چلائے-

''سکندر کو آزاد کر دو پینتھر---'' ثمین کا لہجہ پھر سرگوشیانہ ہو گیا- وہ اب سکندر کے تیز تنفس کو اپنے چہرے اور سینے پر محسوس کر رہی تھی-

''مجھ سے دغا نہ کرنا ثمین---'' سکندر نے اسے کڑی مگر ملتجیانہ نظروں سے دیکھا-

''اور یہی میں تم سے کہنا چاہتی ہوں پینتھر--- آج کے بعد کسی اور کی طرف مت دیکھنا-'' ثمین نے اسے والہانہ نظروں سے دیکھا-

''نہیں دیکھوں گا-'' وہ بچوں کی طرح سر ہلا کر معصومیت سے بولا-

''تو آؤ--- مجھ میں سما جاؤ---'' ثمین نے بازو کھول دیئے-

''ثمین---'' اچانک عابدی نے اسے آواز دی- ''یہ کیا کر رہی ہو بیٹی-''

''وہی--- جو مجھے کرنا چاہیے انکل-'' وہ پلٹے بغیر بولی- ''اور پلیز- اب مجھے آواز نہ دیجئے گا- میں اپنے نر--- اپنے پینتھر کے ساتھ یہاں سے بہت دور جانا چاہتی ہوں- جہاں صرف وہ ہو اور میں--- میں ہوں اور وہ--- ویسے بھی میں اب اس ماحول اور کسی دوسرے مرد کے قابل نہیں رہی انکل--- میں پینتھر کے بغیر سانس بھی نہیں لے سکتی-''

''ثمین---'' جعفری نے اسے اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا-

''بس سر--- پلیز- اب اگر آپ لوگوں نے مجھے صدا دی تو میں پینتھر کو آزاد کر دوں گی-'' ثمین نے ایسے دھمکی آمیز لہجے میں کہا کہ وہ دونوں بے بس ہو کر رہ گئے-

''آؤ پینتھر آؤ--- دیر نہ کرو- ہمیں یہاں سے جلد نکل جانا چاہیے-''

ثمین نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑ دیں۔

سکندر کی آنکھوں میں دہکتے انگارے ایک دم اس قدر اور شدت سے روشن ہوئے کہ ثمین کو ان کی تپش اپنے پورے بدن میں پھیلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ کمرے میں دو تین مرتبہ ایک تیز غراہٹ نے پر پھیلائے اور عابدی کے ساتھ ساتھ جعفری نے بھی ایک ناقابل یقین منظر دیکھا۔

سکندر کا چوپایہ سایہ۔۔۔ ایک درندے۔۔۔ ایک چیتے کا سایہ۔۔۔ دھیرے دھیرے سمٹنے لگا۔۔۔ اس کی آنکھوں سے خارج ہونے والی سرخ اور زرد روشنی کی لہریں ثمین کی آنکھوں میں یوں اترتی چلی جا رہی تھیں جیسے کوئی سبک رفتار پرندہ دھیرے دھیرے فضا سے زمین کی جانب آ رہا ہو۔

پھر۔۔۔ وہ سایہ مکمل طور پر غائب ہو گیا۔

ایک دم اس کی جگہ ایک انسانی سایہ۔۔۔ سکندر کا اپنا سایہ نمودار ہوا اور وہ ایک ہلکی سی کراہ کے ساتھ فرش پر پیچھے کو الٹ گیا۔

''آ۔۔۔ ہ'' بے اختیار ثمین کے لبوں سے ایک زوردار آواز یوں نکلی جیسے اس کے سر میں کسی نے گولی اتار دی ہو۔

وہ پلٹی تو عابدی اور جعفری دونوں یہ دیکھ کر سن رہ گئے کہ اس کی آنکھوں میں جلتی مشعلیں مزید روشن ہو گئی تھیں۔ اس کا رنگ اس قدر سرخ ہو رہا تھا جیسے جلتے الاؤ کا عکس اس کے چہرے پر پڑ رہا ہو۔

''میں جا رہی ہوں انکل۔'' ثمین نے غیر انسانی آواز میں کہا۔ ''براہ کرم مجھ پر حملہ کرنے یا میرا پیچھا کرنے کی کوشش نہ کیجئے گا۔ سکندر تھوڑی دیر میں بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ غراتی ہوئی پیچھے ہٹی اور کمرے کے دروازے کی طرف لپکی۔

''ثمین۔۔۔'' جعفری نے آگے بڑھنا چاہا۔

''رکو جعفری۔۔۔ اسے جانے دو۔ اس وقت اسے روکنا بہت خطرناک ہو گا۔'' عابدی کی آواز بھرا کر رہ گئی۔ ''ایک بیٹی نے اپنے باپ کا بھرم رکھ لیا جعفری۔۔۔ ثمین۔۔۔ میری بیٹی۔'' وہ بے اختیار صوفے پر گر پڑا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ وہ ہچکیاں لے کر رو رہا تھا۔

جعفری کبھی اسے اور کبھی خالی دروازے کو دیکھ رہا تھا جس میں سے ثمین ایک درندے کا بھاری بھر کم سایہ اپنے آپ میں سمو کر نکل گئی تھی۔

چند لمحوں بعد وہ آگے بڑھا اور سکندر کے فرش پر پڑے جسم کو اٹھا کر صوفے پر ڈالنے لگا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ مائرہ، صبا اور شاہینہ میں سے کوئی سکندر کو فرش پر گرے یا بے ہوشی کی حالت میں دیکھے۔

O

ٹیکسی مکان کے سامنے رکی۔ ثمین دروازہ کھول کر باہر نکلی۔ اس کا چہرہ اب بھی ویسے ہی سرخ تھا۔ آنکھیں چڑھی ہوئی تھیں تاہم اب ان میں وہ انگارے نہ دکھائی دے رہے تھے جو تھوڑی دیر پہلے ان کا خاصا تھے۔

''رکو۔۔۔ میں کرایہ بھجواتی ہوں۔'' اس نے ڈرائیور سے کہا اور آگے بڑھ کر کال بیل پر انگلی رکھ دی۔ ذرا دیر بعد اس کے چھوٹے بھائی کامران نے دروازہ کھولا۔

''ٹیکسی والے کو فارغ کر دو کامی۔ میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔'' وہ اس سے نظریں ملائے بغیر اندر داخل ہوئی اور تیزی سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ کامران نے اسے حیرت سے دیکھا۔ پھر کندھے اچکا کر باہر نکل آیا۔ ٹیکسی والے کو کرایہ دے کر وہ پلٹا۔ دروازہ بند کیا اور ثمین کے کمرے کی طرف چل دیا۔ اسے ثمین کا رویہ کچھ عجیب سا لگا تھا۔

''کون؟'' اس کے دستک دینے پر اندر سے ثمین کی تلخ آواز ابھری۔

''سسٹر۔۔۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔'' کامران نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ آواز سے لگتا تھا ثمین غصے میں ہے اور وہ اس کے غصے سے بہت ڈرتا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں۔ تم جاؤ اپنے کمرے میں۔ مجھے ڈسٹرب مت کرو۔ میں آرام کرنا چاہتی ہوں۔'' ثمین نے اسی لہجے میں کہا۔

کامران نے کچھ کہنا چاہا پھر کچھ سوچ کر پلٹ گیا۔ ثمین کا یہ موڈ اسے کچھ اچھا نہ لگا تھا مگر وہ اسے مزید تلخ نہ بنانا چاہتا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں جا کر پھر سٹڈی کرنے لگا۔

کامران کے قدموں کی آہٹ جب دور جاتے جاتے ختم ہو گئی تو ثمین صوفے پر گر پڑی۔ اس کا دماغ پینتھر کا بوجھ برداشت نہ کر پا رہا تھا۔

''میں جانتا ہوں تمہاری حالت کو ثمین۔'' پینتھر نے اس کے دماغ میں سرگوشی کی۔ ''مگر اس کا ایک ہی علاج ہے۔ فوری طور پر کسی تازہ تازہ مرنے والے کا انتظام کرو۔''

''ہاں۔۔۔ یہی کرنا پڑا گا ورنہ میرے دماغ کی نسیں پھٹ جائیں گی۔'' ثمین نے کراہتے ہوئے جواب دیا۔

"تم نے اس ٹیکسی ڈرائیور کو ایسے ہی جانے دیا۔" پیلتھر نے اسے راہ سلجھائی۔ "میں عارضی طور پر اس کے دماغ میں چلا جاتا۔"

"نہیں۔۔۔ میں رسک نہیں لے سکتی تمہارے بار بار آنے جانے کا اور نہ تمہارے دوہری زندگی گزارنے کا۔" ثمین نے اٹھ کر وارڈروب کھولا۔ سیاہ چشمہ نکالا اور آنکھوں پر چڑھا لیا۔ پھر اس نے لباس تبدیل کیا۔ پرس میں اچھی خاصی رقم ڈالی اور کمرے سے نکل آئی۔ پیلتھر اس ساری کاروائی کے دوران اس کے دماغ میں خاموش دم سادھے پڑا رہا۔

"اب کدھر؟" پیلتھر نہ رہ سکا جب وہ کمرے کی دروازے کی طرف بڑھی۔

"تم خاموش بیٹھو۔ تمہارے بولنے سے میرے دماغ کی رگیں پھٹنے لگتی ہیں۔" وہ اذیت سے بولی۔

جواب میں پیلتھر جیسے کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

ثمین برآمدے میں آئی۔

"کامی۔۔۔ دروازہ بند کرلو۔ میں کچھ دیر کے لئے باہر جارہی ہوں۔" اس نے ایک طرف کھڑی کار کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

پرس سیٹ پر پھینکا۔ آگے بڑھ کر گیٹ کھولا اور گاڑی میں آبیٹھی۔ پھر جب اس کی کار سڑک پر نکلی تو کامی حیران حیران نظروں سے اس کی ٹیل لائٹ کو دیکھتے ہوئے گیٹ بند کرنے لگا۔



صبا' عابدی کے سینے سے لگی سسک رہی تھی۔ عابدی اس کے آنسو کم پونچھ رہا تھا اور خود زیادہ چھلک رہا تھا۔ اس کے ہونٹ تھے اور صبا کی آنکھیں۔

بہت دیر گزر گئی۔ تب وہ دونوں نکھرے نکھرے سے کمرے سے نکل آئے۔ زبان سے ایک لفظ نہ کہا گیا۔ آنسوؤں نے شکوؤں کی کتاب کا ہر لفظ دھوڈالا تھا۔

سکندر' مائرہ' شاہینہ اور جعفری ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے۔ شاہینہ نے ان سب کے لئے چائے بنائی۔ مائرہ جعفری کے پہلو میں صوفے پر دبکی ہوئی تھی۔

سکندر تھکا تھکا سا سر جھکائے چائے پی رہا تھا۔ اسے کچھ یاد نہیں تھا کہ آج تک اس نے کیا کیا اور آج اس کے ساتھ کیا ہوا؟ وہ تو بس سامنے موجود شاہینہ کو چور نظروں سے دیکھ دیکھ کر تازہ دم ہو رہا تھا۔

عابدی اور صبا کمرے میں داخل ہوئے تو عابدی نے اس کی یہ چوری پکڑ لی۔ بے اختیار اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھر آئی۔

"آؤ بھئی نئے نویلو۔" جعفری نے ان کی طرف شرارت سے دیکھا۔

"آج تمہیں سات خون معاف ہیں جعفری۔" عابدی نے صبا کی جانب پیار سے دیکھا۔ "آج تم جو بھی کہو تمہیں اجازت ہے۔"

"اچھا۔۔۔" جعفری نے حیرت سے کہا۔ "اتنی سخاوت؟"

"خوشیوں کی زکوٰۃ نکالنی چاہیے یار۔" وہ اس کے ساتھ صوفے پر آبیٹھا۔ صبا نے شاہینہ کے پاس جگہ بنالی۔

"ہت تیرے کی۔" جعفری کے منہ سے نکلا۔ "سالے ہر بات میں کوئی نہ کوئی نکر نکال لیتا ہے تو۔"

"سالا نہیں' تیرا بہنوئی ہوں۔" عابدی نے اطمینان سے جواب دیا۔

"وہ تو ہے۔" جعفری نے سر ہلایا۔

"اچھا جعفری۔ تم نے ایک شرط لگائی تھی مجھ سے۔"

"میں نے نہیں تم نے لگائی تھی۔" جعفری نے تصحیح کی۔

"چلو ایک ہی بات ہے۔ کیونکہ ہارنا تو تمہی کو ہے۔"

"میں بحث کے بغیر ہی ہتھیار ڈال دیتا ہوں بھائی۔ تم بولو۔" جعفری نے ہاتھ جوڑ کر معصومیت سے کہا۔

"پہلے سکندر سے تو پوچھ لیں۔"

"کیا سر؟" وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"سکندر۔ سوچ کر جواب دینا۔" عابدی نے اس کی جانب دیکھا۔ "یہ بتاؤ تم نے اب تک اپنی شادی کے بارے میں بھی کچھ سوچا۔"

"جی۔۔۔" اس نے گھبرا اور شرما کر عابدی کی طرف دیکھا۔

"بھئی' نہ گھبراؤ نہ شرماؤ۔۔۔ اس نے میرج بیورو کھول لیا ہے' تم سے اسی لئے پوچھ رہا ہے۔" جعفری نے عابدی کی طرف دیکھ کر جلدی سے کہا۔

مائرہ اور شاہینہ کے ساتھ ساتھ' صبا بھی ہنس پڑی۔ پھر شاہینہ نے اٹھ کر برتن سمیٹنا شروع کردیئے۔ اس کا دل ہول رہا تھا۔ نہ جانے کیا ہونے والا تھا نہ جانے کیا ہوجائے؟

مائرہ نے اس کا ہاتھ بٹایا اور دونوں کمرے سے نکل گئیں۔ عابدی یا جعفری نے ان کو

روکنے کی قطعاً کوشش نہ کی-

''دیکھو جوان-'' عابدی نے اس کا جائزہ لیا-''اگر تو کوئی لڑکی نظر میں ہے تو بتا دو- ورنہ ہمیں اجازت دو کہ تمہارے لئے کوئی گھر دیکھیں- زمانہ بڑا خراب جا رہا ہے- لڑکیوں سے زیادہ لڑکے آوارہ ہو رہے ہیں حسب دستور---نہیں چاہتے کہ تمہاری کوئی شکایت ہم تک پہنچے-'' عابدی نے ناصحانہ انداز میں کہا-

''جی---میں---میں---'' سکندر ہکلا کر رہ گیا- اس کے سینے میں دل اچھل پھل ہو رہا تھا-

''میں میں نہیں' وہ وہ کرو---یعنی اگر کوئی نظر میں ہے تو اس کی طرف اشارہ کرو- اس کا نام لو-'' وہ بے حد سنجیدہ ہو رہا تھا-

''میں اگر کچھ کہوں تو آپ لوگوں کو برا نہ لگ جائے عابدی سر-'' سکندر نے آخر ہمت کر کے کہہ دیا-

''پرواہ مت کرو- برا لگنے والی بات ہوئی تو بھی برا نہیں مانیں گے ہم- اس لئے کہ جس گھر میں پیڑ ہوتے ہیں وہاں کنکر آیا ہی کرتے ہیں-''

سکندر کچھ دیر سر جھکائے بیٹھا رہا-

''میں زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتا سر- مجھ میں ہمت نہیں ہے-'' کہہ کر آخر اس نے جیب سے قلم نکالا- جیبی ڈائری سے ایک ورق پھاڑا اور اس پر کچھ لکھنے لگا-

''رکو---رکو---'' عابدی نے اسے روک دیا-

''جی---'' وہ حیرت سے اسے تکنے لگا-

''یہ مجھے دو-'' اس نے کاغذ اور قلم اس سے لے لیا- پھر اس پر کچھ لکھ کر چٹ تہہ کر کے اس کی طرف بڑھا دی-''اگر میرا لکھا ہوا نام درست ہے تو یہ چٹ اپنی آنٹی کو دے کر تشریف لے جاؤ-''

''جی-'' وہ پہلے حیران ہوا پھر ہاتھ بڑھا کر چٹ اور قلم اس سے لے لیا- قلم جیب میں لگایا اور دھڑکتے دل کے ساتھ چٹ کھولی-

ایک دم اس کا چہرہ سرخ ہو گیا- یوں لگا جیسے سارے بدن کا خون چہرے میں جمع ہو گیا ہو- اس نے بڑی عجیب اور مدھ بھری نظروں سے عابدی کی طرف دیکھا- اس کے لب کپکپائے مگر آواز نہ نکلی- پھر وہ آہستہ سے اٹھا- چٹ صبا کو تھمائی اور تیز تیز قدموں سے باہر نکل گیا-

''یہ کیا کھیل کھیل رہے ہو یار؟'' جعفری نے بے صبری سے کہا-

''میں شرط جیت گیا ہوں بچے-'' عابدی نے اسے تمسخر سے دیکھا-

''وہ تو میں نے جان لیا- تم نے جو مداری پن کیا ہے وہ سب کے سامنے ہے مگر اس چٹ پر کیا لکھا تھا تم نے؟''

''دیکھو گے---'' عابدی نے کہا اور مسکرا کر صبا نے چٹ اس کی طرف بڑھا دی-

''لاؤ---دیکھوں کیا لکھا ہے اس پر!'' جعفری نے ہاتھ صبا کی طرف بڑھایا-

''اس پر---'' عابدی نے مسکراتے ہوئے بڑے سسپنس آلودہ لہجے میں کہا-''تمہاری ایک بیٹی کا نام لکھا ہے جعفری---مبارک ہو-''

جھپٹ کر جعفری نے اس کے ہاتھ سے چٹ لے لی- کھولی اور بے اختیار اس کے لبوں سے نکلا-''شاہینہ!''

''ہاں---'' عابدی نے سر ہلایا-''سکندر بہت اچھا لڑکا ہے-''

''الحمد للہ-'' بے اختیار جعفری کے لبوں سے نکلا-''عابدی' میری آدھی پریشانی ختم ہو گئی یار-'' وہ مسرور ہو کر بولا-''میں اکثر سوچتا تھا شاہینہ کے لئے کس طرح بر تلاش کر پاؤں گا- کوئی یہ نہ کہہ دے کہ سگی بیٹی نہیں تھی اس لئے جعفری نے ڈنڈی مار دی-'' اس کا لہجہ بھیگ سا گیا-

''میں تمہیں جانتا ہوں جعفری-'' عابدی نے اسے پیار سے دیکھا-''تم مائرہ کے ساتھ ناانصافی کر سکتے ہو شاہینہ کے ساتھ نہیں-''

جعفری جواب دینے کے بجائے صرف اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا- اس کا گلا نمکین پانی سے لبالب ہو گیا تھا-

صبا اٹھی اور کمرے سے نکل گئی- وہ شاید شاہینہ اور مائرہ سے بات کرنے گئی تھی- اسی وقت عابدی کے موبائل نے انگڑائی لی-

''یس---'' اس نے سکرین پر ثمین کا نام دیکھ کر جلدی سے بٹن دباتے ہوئے کہا-

''انکل---میں ہوں-''

''ہاں بیٹے ہاں- بولو- تم خیریت سے تو ہو- میں بار بار گھر پر فون کر رہا ہوں- تم نے موبائل بند کر رکھا تھا-''

''جی انکل- کیا آپ اسی وقت میرے پاس آ سکتے ہیں-''

''تم بولو- کہاں آنا ہے مجھے؟'' وہ اٹھ کھڑا ہوا-

''میں اس وقت ہائی وے کے سترہویں سگنل پر ہوں-''

''اکیلی؟''

"جی نہیں۔" ثمین نے جواب دیا۔ "وہ بھی میرے ساتھ ہے۔"

"یعنی۔۔۔"

"آپ آیئے۔ میں اسے اپنی گاڑی میں لے کر اوسیہ جا رہی تھی۔"

"اوہ۔۔۔ میں ابھی پہنچ رہا ہوں۔"

"خالی ہاتھ مت آیئے گا انکل۔"

"ٹھیک ہے بیٹی۔۔۔ میں آ رہا ہوں۔ فی امان اللہ۔" عابدی نے کنکشن آف کر دیا۔

"کیا بات ہے۔۔۔ ثمین تھی کیا؟"

"ہاں۔ وہ اس وقت ہائی وے پر موجود ہے۔ مجھے فوراً اس کے پاس پہنچنا ہے۔"

"میں بھی چل رہا ہوں۔" جعفری نے سیٹ چھوڑ دی۔

"یہ ضروری بھی ہے۔" عابدی نے کہا۔ "آؤ۔"

وہ دونوں تیزی سے باہر نکلے اور دو منٹ بعد ان کی گاڑی ہائی وے کے سترہویں سگنل کی طرف اڑی چلی جا رہی تھی۔ عابدی ڈرائیو کر رہا تھا اور جعفری اپنی تھری ناٹ تھری کو تھپک رہا تھا۔

رات کے گیارہ بج رہے تھے۔

ثمین نے گاڑی کچے میں اتار کر پارک کر رکھی تھی۔ خود وہ سڑک پر ایک روڈ لائٹ کے نیچے کھڑی بے تاب نظروں سے اس طرف دیکھ رہی تھی جس طرف سے عابدی کو آنا تھا۔ پھر جونہی عابدی نے گاڑی اس کے قریب آ کر روکی وہ لپک کر آگے بڑھی۔ عابدی کے ساتھ جعفری کو بھی دیکھ کر وہ لمحے بھر کو جھجکی پھر پچھلا دروازہ کھول کر اندر آ بیٹھی۔

"کہاں ہے وہ ثمین؟" عابدی نے بے چینی سے پوچھا۔

"میری گاڑی میں سو رہا ہے۔ میں نے نکلتے وقت اسے چائے میں نیند آور دوا دے دی تھی۔ ابھی آدھ گھنٹے تک ہوش میں نہیں آئے گا۔"

"مگر وہ ہے کون؟" عابدی نے تجسس سے پوچھا۔

"ایمرجنسی میں ہارٹ اٹیک سے مرنے والا ایک شخص۔۔۔ پیتھر اس کے دماغ پر قابض ہے۔"

"مگر ہارٹ فیل کا مریض اس کے کس کام کا؟" جعفری الجھ کر رہ گیا۔

"وہ دماغ پر قبضہ جماتا ہے سر۔۔۔ دماغ میں حلول کر جاتا ہے۔ دل سے اس کا کیا واسطہ! جب چاہے گا اس جسم کو چھوڑ دے گا۔ میڈیکل سائنس ثابت کر چکی ہے کہ ہارٹ اٹیک سے جانبر نہ ہونے والے کا دماغ دو گھنٹے تک کام کرتا رہتا ہے۔"

"ثمین ٹھیک کہہ رہی ہے جعفری۔ تم اس بحث کو چھوڑو۔ یہ بتاؤ ثمین کہ کیا اسے ختم کرنا ہے؟"

"ظاہر ہے سر۔" ثمین کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ ابھری اور اس کی نظر جھک گئی۔ "میں اسے زندگی بھر ساتھ ساتھ لئے تو نہیں پھر سکتی۔"

اسی وقت ایک گاڑی زوں کی آواز کے ساتھ ان کے قریب سے گزر گئی۔ سردیوں کی رات تھی اس لئے اکا دکا گاڑی ہی کا آنا جانا ہو رہا تھا۔

"میں ریوالور ساتھ لانا بھول گئی سر۔ ورنہ شاید آپ کو تکلیف نہ دیتی اور ویسے بھی اسے اس طرح اکیلے میں مار دینے کے لئے مجھے بڑے مضبوط دل کی ضرورت تھی جو اب شاید میرے پاس نہیں ہے۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہو بیٹی۔" عابدی نے جلدی سے کہا۔ "اگر تم اکیلے یہ کام کرتیں تو شاید مجھے گلہ رہتا تم سے۔"

وہ تینوں کار سے نکل آئے۔ ثمین کی گاڑی کچے میں اور قدرے اندھیری جگہ پر کھڑی تھی۔ ابھی وہ گاڑی سے چند گز دور ہی تھے کہ ایک زوردار شور کے ساتھ کار کا پچھلا دروازہ کھلا اور ایک جواں سال آدمی غراتا ہوا ان کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ وہ دانت نکوستا ہوا ان کو گھور رہا تھا۔

عابدی سب سے آگے تھا۔۔۔ اس کے پیچھے ثمین اور آخر میں جعفری۔۔۔ پلک جھپکتے میں عابدی نے ریوالور نکال لیا جبکہ جعفری نے اپنی تھری ناٹ تھری سنبھالتے ہوئے تیزی سے تین چار قدم پیچھے ہٹ کر بایاں گھٹنا زمین پر ٹیک دیا اور دایاں گھٹنا کھڑا کر کے شست باندھ لی۔ ثمین اور عابدی اس کے آگے تھے' پوزیشن لینے کے لئے اس بات نے اسے فائدہ دیا۔ اب پینتھر ٹھیک اس کے نشانے پر تھا۔

"پینتھر۔۔۔" ثمین کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔

"آخر کو انسان ہی نکلیں ناں۔۔۔ جفا کار اور فریبی۔" وہ ثمین کی طرف قہر آلود نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا تو انہیں لگا جیسے کئی بد روحیں غیض و غضب میں بھری ان پر ٹوٹ پڑنے کو بے تاب ہو رہی ہوں۔

"یہ راستہ مجھے تم نے ہی دکھایا ہے پینتھر۔" جواباً ثمین بھی غرائی۔۔۔ "اس دھوکے بازی کا آغاز تم نے کیا تھا' انجام میں نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔"

"مت کہو مجھے پینتھر۔" وہ بھڑک کر بولا۔ "اس لفظ کی آڑ میں تم نے مجھے شکار کیا ہے دغاباز۔"

"کوئی دغابازی نہیں کی میں نے۔" ثمین نے اسے جیسے الجھایا۔ "اپنے ایک انسان بھائی بند کو تمہارے چنگل سے نکالنے کا ایک ہی طریقہ تھا جو میں نے اپنایا۔۔۔ اور پھر میں اپنے انسان ہونے کو کہاں لے جاؤں پینتھر۔"

"اوہ۔۔۔" ملگجی اور ناکافی روشنی میں ایک دم وہ آدمی غراہٹ نما چیخ کے ساتھ زمین پر جھکتا چلا گیا۔ اب وہ چاروں ہاتھوں پیروں پر یوں ہو گیا جیسے کوئی درندہ حملہ کرنے سے پہلے آسن جماتا ہے۔

بڑے غور سے جعفری نے اس کے جسم کے سائے پر نظر ڈالی۔ اس کے سائے میں اور ایک چوپائے کے سائے میں سرمو فرق نہ تھا۔

ایک انسان میں درندہ گونج رہا تھا۔

ایک انسان کا سایہ ایک درندے کے سائے میں تبدیل ہو چکا تھا۔

دیکھنے میں بظاہر وہ انسان ہی تھا مگر۔۔۔ کیا واقعی اس وقت وہ ایک انسان تھا؟

اس کا سایہ کیا واقعی ایک انسان کا سایہ تھا؟

"اس کے سامنے سے ہٹ جاؤ ثمین۔۔۔" عابدی نے ریوالور سیدھا کیا اور بائیں ہاتھ سے ثمین کو پرے دھکیل دیا۔

"گیٹ ڈاؤن عابدی۔" عقب میں جعفری کی تیز اور چیختی ہوئی آواز گونجی۔

"اس کی پیشانی اڑا دو جعفری۔ جو کچھ ہے اس کے دماغ میں ہے۔" جواب میں عابدی نے زور سے کہا۔

اسی وقت۔۔۔ جست لینے کے لئے اس آدمی یا درندے نے اپنے جسم کو تولا۔

عابدی ایک دم زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔ ساتھ ہی اس کے ریوالور نے دھماکے دار آگ کا شعلہ اگلا۔۔۔ اس کی پیروی میں جعفری کی تھری ناٹ تھری سے یکے بعد دیگرے فائر ہوتے چلے گئے۔

عابدی کے ریوالور کی ساری گولیوں نے اس آدمی کے سینے میں تباہی مچائی جبکہ۔۔۔ جعفری نے تاک کر اس کی پیشانی کو نشانہ بنایا۔

وہ بار بار اچھلا۔۔۔ تڑپا۔۔۔ غرایا۔۔۔ آگے پیچھے کو لپکا مگر۔۔۔ بارود نے اس کے سر کے پرخچے اڑا دیئے۔ سینہ چھلنی کر دیا۔ پھر ایک تیز مگر ادھوری غراہٹ کے ساتھ وہ ایک بار ایسا گرا کہ غراہٹ خرخراہٹ میں بدلتے بدلتے اس کا مچلتا تڑپتا جسم ساکت ہو گیا۔

ثمین کار پر گری خاموش اور سرد نگاہوں سے یہ سب دیکھ رہی تھی۔ جتنی دیر میں عابدی نے ریوالور خالی کیا' جعفری نے دوبارہ رائفل لوڈ کر لی۔

پھر جونہی اس نے شست لی' عابدی نے اسے روک دیا۔

"بس۔۔۔ اب اس کی ضرورت نہیں۔" اس کے لہجے میں تھکن اتر آئی۔

ایک دو لمحوں تک جعفری ساکت پڑے اس انسانی وجود کو دیکھتا رہا جس کی گردن سے اوپر کے حصے کے چیتھڑے اڑ چکے تھے اور سینہ زخم زخم ہو رہا تھا۔ پھر اس کا ہاتھ جھک گیا۔

عابدی نے ریوالور جیب میں ڈالا اور ہاتھ بڑھا کر ثمین کو سہارا دیا۔ وہ اٹھی اور لرزتی ہوئی اس کے سینے سے لگ گئی۔

"بس بیٹے بس۔" عابدی نے اس کا شانہ تھپکا۔ "تم تو ایسی بہادر بیٹی ہو کہ شاید کسی کا بیٹا بھی ایسا جرات مند نہ ہو گا۔"

وہ بڑی مشکل سے خود پر قابو پا سکی۔

"چلو' جعفری کی گاڑی میں بیٹھو۔" عابدی نے اسے پیار سے کہا۔ "میں تمہاری گاڑی لے کر آ رہا ہوں۔"

ثمین نے سرخ، متورم، بھیگی ہوئی آنکھوں سے اس کی جانب دیکھا' اثبات میں سر ہلایا اور جعفری کی گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔

عابدی نے جعفری کا رخ کیا جو ایک ہاتھ میں رائفل تھامے' دوسرے ہاتھ سے اس مردہ آدمی کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔

''بس کرو بھائی۔ اب کیا اس کی کھال اتارو گے۔'' عابدی نے ایسی سنجیدگی سے کہا کہ جعفری بے اختیار مسکرا دیا۔

''میں صرف اپنا اطمینان کر رہا تھا عابدی۔ پہلے کی طرح کہیں دھوکا نہ کھا جاؤں۔''

''اب ایسا کوئی امکان نہیں جعفری۔'' عابدی نے بھی جھک کر اس چیتھڑے اڑی گردن کے حامل بے حس و حرکت لاشے کو غور سے دیکھا۔ ''جس دماغ میں پینتھر نے نقب لگا رکھی تھی وہ پینتھر سمیت فنا ہو چکا ہے۔ اب کیسا خوف؟''

جعفری اثبات میں سر ہلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی گولیوں نے اس آدمی کی گردن سے اوپر کا حصہ اس طرح اڑایا تھا کہ جیسے اس کی گردن سے اوپر کبھی کچھ رہا ہی نہ تھا۔

''خس کم جہاں پاک۔'' جعفری ایک طویل سانس لے کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

''اب چلو۔۔۔ ابھی تک کوئی گاڑی رکی نہیں۔ ویسے فائرنگ کی آواز دور تک گئی ہو گی۔ اس سے پہلے کہ کوئی نئی مصیبت کھڑی ہو جائے' نکل چلو۔'' عابدی نے اسے ساتھ لیا اور گاڑی کے پاس لا کھڑا کیا۔

''تم لوگ چلو' میں ثمین کی گاڑی میں آ رہا ہوں۔'' عابدی کہہ کر واپس پلٹ گیا۔

تھوڑی دیر بعد دو کاریں آگے پیچھے جعفری ولا کی طرف رواں ہو گئیں۔

رات کا سناٹا گہرا اور بے دم ہوتا چلا جا رہا تھا۔

اور۔۔۔

ایک بے گور و کفن لہولہان لاش ایک ناقابل یقین داستان کی گواہی دینے کیلئے سڑک سے دور کچی زمین پر پڑی بھیگی رات کے بہرے کانوں میں سرگوشیاں کر رہی تھی۔

ختم شد